اللہ جل جلالہ

خطباتِ فقیر

جلد بارہ



- اللہ تعالیٰ کی قدردانی
- اخلاص کی برکات
- توبۃ النصوح
- عزت دین میں ہے
- اسلام میں نکاح کا تصور
- تباہ کن موسیقی
- قوتِ ارادی
- ہدایت اور گمراہی والی تجلیات

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، مفکرِ اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ، فیصل آباد
+92-041-2618003

خطباتِ فقیر
جلد ۱۲

ازافادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب

محمد حنیف نقشبندی

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

+92-041-618003

نام کتاب	خطباتِ فقیر (جلد ۱۲)
ازافادات	حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ
مرتب	محمد حنیف نقشبندی
ناشر	مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد
اشاعت اوّل	جون 2005ء
اشاعت دوم	جنوری 2006ء
اشاعت سوم	نومبر 2006ء
اشاعت چہارم	اکتوبر 2007ء
اشاعت پنجم	جون 2008ء
اشاعت ششم	فروری 2009ء
اشاعت ہفتم	جولائی 2009ء
اشاعت ہشتم	فروری 2010ء
کمپیوٹر کمپوزنگ	فقیر شاہد محمود نقشبندی
تعداد	1100

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

عرض ناشر

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کے علوم ومعارف پر مبنی بیانات کو شائع کرنے کا یہ سلسلہ خطبات فقیر کے عنوان سے 1996ء بمطابق ۱۴۱۷ھ میں شروع کیا تھا اور اب یہ بارہویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس طرح شاہین کی پرواز ہر آن بلند سے بلند تر اور فزوں سے فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے کچھ یہی حال حضرت دامت برکاتہم کے بیانات حکمت ومعرفت کا ہے۔ ان کے جس بیان کو بھی سنتے ہیں ایک نئی پرواز فکر آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ کوئی پیشہ ورانہ خطابت یا یاد کی ہوئی تقریریں نہیں ہیں بلکہ حضرت کے دل کا سوز اور روح کا گداز ہے جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر آپ تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ دورانِ بیان رخِ انور پر فکر کے گہرے سائے زبان حال سے یہ کہہ رہے ہوتے ہیں

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ خانہ

''خطبات فقیر'' کی اشاعت کا یہ کام ہم نے بھی اسی نیت سے شروع کر رکھا ہے کہ حضرت دامت برکاتہم کی اس فکر سے سب کو فکرمند کیا جائے۔ الحمدللہ کہ

ادارہ مکتبۃ الفقیر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ حضرت دامت برکاتہم کے ان بیانات کو کتابی صورت میں استفادہ عام کے لئے شائع کرتا ہے۔ بیانات کو احاطہ تحریر میں لانے کے بعد حضرت دامت برکاتہم سے اصلاح کروائی جاتی ہے، پھر کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کا کام بڑی عرق ریزی سے کیا جاتا ہے اور آخر پر پرنٹنگ اور بائینڈنگ کا پیچیدہ اور تکنیکی مرحلہ آتا ہے۔ یہ تمام مراحل بڑی توجہ اور محنت طلب ہیں جو کہ مکتبۃ الفقیر کے زیر اہتمام سرانجام دیئے جاتے ہیں پھر کتاب آپ کے ہاتھوں میں پہنچتی ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اشاعت کے اس کام میں کہیں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لئے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

بارگاہ ایزدی میں یہ دعا ہے کہ اللہ جل شانہ ہمیں حضرت دامت برکاتہم کے بیانات کی بازگشت پوری دنیا تک پہنچانے کی توفیق نصیب فرمائیں اور اسے آخرت کے لئے صدقہ جاریہ بنائیں۔ آمین بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہ
خادم مکتبۃ الفقیر فیصل آباد

پیش لفظ

الحمد للہ الذی نور قلوب العارفین بنور الایمان و شرح صدور الصادقین بالتوحید و الایقان و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و علیٰ الہ و اصحابہ اجمعین . اما بعد!

اسلام نے امت مسلمہ کو ایسے مشاہیر سے نوازا ہے جن کی مثال دیگر مذاہب میں ملنا مشکل ہے۔ اس اعتبار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ صف اول کے سپاہی ہیں۔ جن میں ہر سپاہی اصحابی کالنجوم کے مصداق چمکتے ہوئے ستارے کی مانند ہے، جس کی روشنی میں چلنے والے اھتدیتم کی بشارت عظمیٰ سے ہمکنار ہوتے ہیں اور رشد و ہدایت ان کے قدم چومتی ہے۔ بعد ازاں ایسی ایسی روحانی شخصیات صفحہ ہستی پر رونق افروز ہوئیں کہ وقت کی ریت پر اپنے قدموں کے نشانات چھوڑ گئیں۔

عہد حاضر کی ایک نابغہء عصر شخصیت، شہسوار میدان طریقت، غواص دریائے حقیقت، منبع اسرار، مرقع انوار، زاہد زمانہ، عابد یگانہ، خاصہ خاصان نقشبند، سرمایہ خاندان نقشبند حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم العالی مادامت النہار والیالی ہیں۔ آپ منشور کی طرح ایک ایسی پہلو دار شخصیت کے حامل ہیں کہ جس پہلو سے بھی دیکھا جائے اس میں قوس قزح کی مانند رنگ سمٹے

ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ کے بیانات میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ حاضرین کے دل موم ہو جاتے ہیں۔ عاجز کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ ان خطبات کو تحریری شکل میں یکجا کر دیا جائے تو عوام الناس کے لئے فائدہ کا باعث ہوں گے۔ چنانچہ عاجز نے تمام خطبات شریف صفحہ قرطاس پر رقم کر کے حضرت اقدس کی خدمت عالیہ میں تصحیح کے لئے پیش کئے۔ الحمد للہ کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ذرہ نوازی فرماتے ہوئے نہ صرف ان کی تصحیح فرمائی بلکہ ان کی ترتیب و تزئین کو پسند بھی فرمایا۔ یہ انہی کی دعائیں اور توجہات ہیں کہ اس عاجز کے ہاتھوں یہ کتاب مرتب ہو سکی۔

ممنون ہوں میں آپ کی نظر انتخاب کا

حضرت دامت برکاتہم کا ہر بیان بے شمار فوائد و ثمرات کا حامل ہے۔ ان کو صفحات پر منتقل کرتے ہوئے عاجز کی اپنی کیفیت عجیب ہو جاتی اور بین السطور دل میں یہ شدید خواہش پیدا ہوتی کہ کاش کہ میں بھی ان میں بیان کردہ احوال کے ساتھ متصف ہو جاؤں۔ یہ خطبات یقیناً قارئین کے لئے بھی نافع ہوں گے۔ خلوص نیت اور حضور قلب سے ان کا مطالعہ حضرت کی ذات بابرکات سے فیض یاب ہونے کا باعث ہوگا۔

اللہ رب العزت کے حضور دعا ہے کہ وہ اس ادنیٰ سے کوشش کو شرف قبولیت عطا فرما کر بندہ کو بھی اپنے چاہنے والوں میں شمار فرمالیں۔ آمین ثم آمین

فقیر محمد حنیف عفی عنہ

ایم اے۔ بی ایڈ

موضع باغ، جھنگ

يٰأَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ

(الانفطار:٦)

اللہ تعالیٰ کی قدردانی

یہ بیان 15 مئی 2002ء کو دارالعلوم جھنگ میں سہ ماہی امتحان کے نتائج کا اعلان کرنے سے قبل ہوا، جس میں دارلعلوم کے اساتذہ اور طلباء کے علاوہ کثیر تعداد میں سالکین طریقت نے شرکت کی۔

اقتباس

اللہ تعالیٰ محنت کش کی محنت کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسے بدلہ دلوانا چاہتے ہیں تو جو بندہ اللہ کے لئے محنت کرے، اللہ تعالیٰ کی مزدوری کرے، اس کے دین کا کام کرے اور دینے والا بھی خود پروردگار ہو تو پھر پروردگار کتنا جلدی بدلہ عطا فرمائیں گے۔ بعض اوقات دنیا داروں کے پاس دینے کو کچھ نہیں ہوتا مگر اللہ رب العزت تو وہ ذات ہے کہ وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور آسمان اور زمین کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں

قیامت کے دن کوئی بندہ ایسا نہیں ہوگا جو کھڑا ہو کر یہ کہہ سکے کہ اے اللہ! میں نے یہ کام آپ کی رضا کے لئے کیا تھا اور مجھے اس کا بدلہ نہیں ملا۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

اللہ تعالیٰ کی قدردانی

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْم . (الانفطار:۶)

......وقال اللہ تعالیٰ فی مقام اٰخر ......

اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرءُ وْفٌ رَّحِیْم (البقرۃ:۱۴۳)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَامُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اللہ رب العزت کی بہت سی صفات ہیں۔ اگر ساری دنیا کے درخت قلمیں بن جائیں اور ساری دنیا کے سمندر سیاہی بن جائیں اور ان قلموں اور سیاہی سے اللہ تعالیٰ کی تعریفیں لکھنی شروع کی جائیں تو ایک وقت آئے گا کہ یہ قلمیں ٹوٹ جائیں گی اور یہ سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن اللہ رب العزت کی تعریفیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔

قدردانی کسے کہتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں سے ایک صفت یہ ہے کہ وہ قدردان ہے......قدردانی کسے کہتے ہیں؟......دوسرے کے اوپر محبت کی وجہ سے اتنا مہربان ہونا کہ اس کے عمل

کو رد نہ کرنا اور اس کی توقع سے بڑھ کر اس کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرنا قدردانی کہلاتا ہے۔

ایک تنگی کے بدلے دو آسانیاں

اگر اللہ رب العزت اپنے بندوں میں سے کسی کے اوپر مشکل حالات بھیج دیتے ہیں تو ان حالات کے بعد اس کو پہلے سے بھی زیادہ بہتر حالات عطا فرما دیتے ہیں۔ اسی لئے ارشاد فرمایا:

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا . اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا. (الم نشرح: ۵،۶)

[بے شک ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے، یقیناً ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے]

چونکہ ایک ہی بات کو دو دفعہ دہرایا گیا ہے اس لئے مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی تنگی آتی ہے اگر بندہ اسے صبر کے ساتھ برداشت کر لے تو اللہ تعالیٰ اس سے دوگنی آسانیاں پیدا فرما دیتے ہیں۔

اسی مضمون کو کسی شاعر نے ایک شعر میں یوں بیان کیا:

اِذَا اشْتَدَّتْ بِکَ الْبَلْوٰی فَفَکِّرْ فِیْ اَلَمْ نَشْرَحْ

فَعُسْرٌ بَیْنَ یُسْرَیْنِ اِذَا فَکَّرْتَهٗ فَافْرَحْ

[جب تیرے اوپر سخت مصیبت آجائے تو الم نشرح میں غور کر کہ ایک تنگی دو آسانیوں کے درمیان ہے۔ جب تو غور کرے گا تو تیری مصیبت ختم ہو جائے گی اور تو خوش ہو جائے گا]

اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمال کی قدر

اللہ رب العزت اتنے قدردان ہیں کہ بندہ اگر چھوٹا سا بھی عمل کرے تو پر

وردگار اس کے عمل کو قبول فرما لیتے ہیں۔ حالانکہ بادشاہوں کا دستور ہے کہ لے جانے والا اگر کوئی چھوٹا سا تحفہ لے کر جائے تو وہ اپنی شان میں گستاخی سمجھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس تحفے بھی بڑے آنے چاہئیں۔ مگر اللہ رب العزت ایسا کریم آقا ہے کہ ارشاد فرمایا،

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (الزلزال :۷)

[جس بندے نے ذرہ کے برابر بھی نیک عمل کیا ہوگا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اس کا بھی اجر عطا فرمائے گا]

قرآن مجید میں ایک دستور بتا دیا گیا ہے:

اَنِّیْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى (آل عمران:۱۹۵)

[بے شک تم میں سے کوئی مرد ہو یا عورت ہو میں اس کے کیے ہوئے عملوں کو ضائع نہیں کروں گا]

اب ذرا اس مثال کو سمجھ لیجئے۔ جب دفتر میں کسی کلرک نے اپنے افسر کے سامنے کوئی لیٹر پیش کرنا ہوتا ہے تو وہ اس کو کئی دفعہ ٹائپ کرتا ہے۔ کبھی سپیلنگ کی غلطی ہو جاتی ہے اور کبھی پیرا گراف خوبصورت نہیں لگتا۔ اس طرح کئی کئی کاغذ ضائع ہو جاتے ہیں۔ بالآخر ایک فائنل کاغذ تیار ہو جاتا ہے۔ اس پر حکام بالا سائن (دستخط) کرتے ہیں۔ اگر وہ کلرک غلطیوں والا کاغذ ہی دستخط کرنے کے لئے پیش کر دے اور کہہ دے کہ جی میں نے ٹائپ کر دیا ہے اب آپ غلطیاں بھی ٹھیک کر دیں اور سائن بھی کر دیں تو کوئی حاکم بھی ایسا نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی شان بھی ایسی ہی تھی کہ بندہ عمل کرتا اور اس میں کوئی غلطی ہوتی تو اللہ تعالیٰ بھی رد فرما دیتے اور کہہ دیتے، میرے بندے! جاؤ، مجھے بے غلطی کے عمل چاہیے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہمارا کیا بنتا؟ اگر کوئی آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور اسے اس میں

رکعتیں ہی بھول جائیں، دنیا کے خیالات میں اتنا محو ہو جائے کہ اسے یہ بھی یاد نہ رہے کہ میں کس رکعت میں تھا تو اب آدابِ شاہانہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس سے کہہ دیا جاتا کہ میرے بندے! تم میرے سامنے کھڑے ہو کر بھی اتنے غافل ہوتے ہو، اب نئے سرے سے نماز پڑھو، تمہاری یہ نماز قابلِ قبول نہیں۔ مگر پروردگارِ عالم نے یہ حکم نہیں دیا۔ اگر ایسا حکم کر دیتے تو ہم سارا دن نماز ہی پڑھتے رہ جاتے۔ پتہ نہیں کہ کوئی ایک نماز بھی ایسی پڑھ سکتے یا نہ پڑھ سکتے۔

جب بندہ بھول جاتا ہے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے دل میں سوچ کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھیں۔ تین پڑھیں یا چار۔ ایک طرف غالب گمان کر لے اور پھر باقی رکعتوں کو پورا کرے۔ اگر آخر میں سجدہ سہو کر لے گا تو اللہ تعالیٰ اس غفلت والی نماز کو بھی قبول فرما لیں گے۔ اب حالانکہ اس کو نماز میں رکعتیں یاد نہیں رہیں۔ جو بندہ نماز پڑھ رہا ہے اور اس کو رکعتیں بھی یاد نہیں تو اس کے لئے آسان سا حکم یہ تھا کہ نئے سرے سے نماز پڑھو مگر اس صورت میں بندے کی محنت ضائع جاتی۔ اللہ تعالیٰ قدردان ہیں وہ بندے کی محنت کو ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ لہٰذا ایک اصول بنا دیا کہ اگر واجب تک کے درجے کی کوئی غلطی ہو جائے تو آخر میں سجدہ سہو کر لینا۔ ہم اسی نماز کو قبول کر لیں گے۔

اگر کوئی نماز میں رکعتیں بھول جائے۔ اب وہ سوچے کہ میں نماز توڑ کر نئے سرے سے پڑھتا ہوں تو یہ شریعت کے حکم کے خلاف ہے کیونکہ نماز توڑنا گناہ ہے۔ اسی نماز کو جتنا ممکن ہو سجدہ سہو کے ذریعے مکمل کیا جائے تاکہ بندے کی عبادت ضائع نہ ہونے پائے۔ یہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ قدردان ہیں۔

ایک آدمی کو دشمنوں نے کسی ایسی جگہ پر پہنچا دیا کہ جہاں رات کے وقت سمجھ ہی نہیں لگتی تھی کہ قبلہ کس طرف ہے۔ نماز تو وہاں بھی پڑھنی ہے۔ آسمان پر بادل ہیں،

ارد گرد درخت ہیں اور سمجھ نہیں آتی کہ قبلہ کدھر ہے۔ شریعت کہتی ہے کہ تم تحری کر کے ایک طرف غالب گمان کرلو، قیافہ لگاؤ کہ قبلہ کدھر ہے، جہاں دل مطمئن ہو جائے کہ قبلہ ادھر ہے تو اب تم اس طرف رخ کر کے نماز پڑھنی شروع کر دو۔ اب اس نے دو رکعتیں پڑھ لیں اور اس کے بعد بادل ہٹے تو چاند نکل آیا۔ چاند کے نکلنے سے اسے احساس ہو گیا کہ قبلہ تو میری پیٹھ کے پیچھے ہے اور میں بالکل مخالف سمت میں نماز پڑھ رہا ہوں۔ اب شریعت یہ نہیں کہتی کہ اب نئے سرے سے نماز پڑھو بلکہ شریعت یہ کہتی ہے کہ اگر اب تم نماز میں ہی اپنا رخ قبلہ کی طرف کر کے بقیہ دو رکعتیں اس سمت میں پڑھ لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری چاروں رکعتوں کو قبول فرمالیں گے۔ یہ قدر دانی نہیں تو اور کیا ہے۔

سچے رب کا سچا وعدہ

اللہ رب العزت کے ہاں ایک بہت ہی خوبصورت اصول ہے کہ بندے کو اس کی محنت کا بدلہ ضرور ملتا ہے۔ دنیا کے امیر اور وڈیرے لوگوں کے پاس ان کے ماتحت لوگ کام کرتے ہیں۔ وہ ان سے کام تو پورا لیتے ہیں لیکن ان کو ان کا حق پورا نہیں دیتے۔ جب کہ اللہ رب العزت بندے کی محنت کا بدلہ فوراً چاہتے ہیں۔ چنانچہ شریعت کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی مزدور مزدوری کرے تو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسے اس کی مزدوری ادا کر دی جائے۔ اب یہاں ایک سمجھنے والی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ محنت کش کی محنت کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسے بدلہ دلوانا چاہتے ہیں تو جو بندہ اللہ کے لئے محنت کرے، اللہ تعالیٰ کی مزدوری کرے، اس کے دین کا کام کرے اور دینے والا بھی خود پروردگار ہو تو پھر پروردگار کتنا جلدی بدلہ عطا فرمائیں گے۔ بعض اوقات دنیا داروں کے پاس دینے کو کچھ نہیں ہوتا مگر اللہ رب العزت تو وہ ذات ہے کہ

وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (المنافقون:۷)

[اور آسمان اور زمین کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں]

قیامت کے دن کوئی بندہ ایسا نہیں ہوگا جو کھڑا ہو کر یہ کہہ سکے کہ اے اللہ! میں نے یہ کام آپ کی رضا کے لئے کیا تھا اور مجھے اس کا بدلہ نہیں ملا۔ جو معزز مالدار لوگ ہوتے ہیں ان کے ہاں اگر کوئی کام کرتا ہو تو وہ سو روپے کی بجائے ایک سو دس روپے دے دیتے ہیں تاکہ کل کوئی بات نہ کر سکے۔ حیرت کی بات ہے کہ اگر دنیا کے مالدار لوگ جتنی اجرت بنتی ہو اس سے زیادہ دے دیتے ہیں صرف احسان جتانے کے لئے کہ وہ میرے بارے میں کوئی بات نہ کر سکے تو اللہ رب العزت اپنے بندوں کو کبھی یہ موقع نہیں دیں گے کہ قیامت کے دن کوئی کھڑا ہو کر کہے کہ اے اللہ! میں نے تیرے لئے مزدوری کی مگر مجھے اس کا بدلہ نہیں ملا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت بندوں کو ان کی امیدوں سے بڑھ کر بدلہ دیتے ہیں۔ یہ سچے رب کا سچا وعدہ ہے کہ تم میں سے کوئی مرد ہو یا عورت، میں عمل کرنے والے کے کسی عمل کو ضائع نہیں کروں گا۔ یہ ہمارے لئے حوصلہ افزاء بات ہے کہ پروردگارِ عالم اتنی قدردانی فرماتے ہیں۔

اگر ایک بچہ املا لکھے اور اس نے کوئی لفظ غلط لکھا ہو تو استاد کہتا ہے کہ پھر لکھ کر لاؤ۔ اگر استاد کہے کہ اچھا اس کو کاٹ کر یہیں پر لکھ دو تو اس کا مطلب ہے کہ استاد نے بڑی نرمی برتی ہے۔ اور اگر کسی کی ایک کی بجائے دو تین غلطیاں ہوں اور استاد بھی خوش خطی والا ہو تو وہ کہے گا، بھئی! جا کر پھر لکھ کر لاؤ۔ لیکن اگر وہی استاد ایک جگہ بھی ٹھیک کروائے دوسری جگہ بھی ٹھیک کروائے اور تیسری جگہ بھی ٹھیک کروا لے اور کہے کہ ہاں بس تو نے جو کچھ لکھا ہے مجھے قبول ہے تو اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ استاد اس شاگرد پر بہت ہی مہربان ہے کیونکہ وہ اس کی محنت کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

یہ رب کریم کی کتنی بڑی مہربانی ہے کہ وہ ہمارے ٹوٹے پھوٹے عملوں کو بھی قبول فرما لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدر دانی کی مثالیں

اللہ رب العزت بڑے قدر دان ہیں۔اس کی قدر دانی کی چند مثالیں سن لیجئے۔

☆...سیدنا ایوب علیہ السلام پر لطف و کرم

سیدنا ایوب علیہ السلام اکثر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا، اے پروردگارِ عالم! آپ کے یہ بندے اس لئے عبادت میں مشغول ہیں کہ ان کو آپ نے ہر قسم کی نعمت عطا فرمائی ہے۔ان کے پاس گھر بھی ہے، گھر والی بھی ہے۔اولاد بھی ہے اور باغات بھی ہیں۔ جب اتنی نعمتیں ان کے پاس ہیں تو یہ عبادت نہیں کریں گے تو اور کیا کریں گے۔رب کریم نے فرمایا کہ اچھا، میں اپنے اس بندے کو آزمائش میں ڈال دیتا ہوں۔ چنانچہ آگ لگی اور گھر جل گیا، بیوی بچے سب چھت کے نیچے آکر مر گئے۔اور جدھر باغات تھے ادھر سے زمین کے نیچے پانی کی نہر ختم ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سب باغات بھی ختم ہو گئے۔خود سیدنا ایوب علیہ السلام کو بیماری نے آلیا۔اس کا تذکرہ قرآن پاک میں بھی ہے۔وہ بہت عرصہ بیمار رہے مگر ان کی زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی جاری رہا۔

ایک مرتبہ کسی نے دیکھا کہ ان کی زبان ہل رہی ہے۔اس نے کان قریب لگا کر سنا تو وہ یوں کہہ رہے تھے کہ ”اے اللہ! آپ نے مجھے جس حال میں رکھا میں آپ سے راضی ہوں، البتہ اتنی تمنا ضرور ہے کہ میری زبان کو سلامت رکھنا تاکہ آخری لمحات تک میں تیرا نام تو لیتا رہوں۔“

جب رب کریم نے آزمائش کو ختم فرما دیا تو دو کام کئے۔ایک تو یہ کہ ان کی

تعریف فرمائی اور تعریف کرنے کا حق ادا کر دیا۔ فرمایا،

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّاب ٥ (ص : ۴۴)

[ہم نے انہیں صبر کرنے والا پایا، میرا کتنا اچھا بندہ تھا، وہ میری طرف رجوع کرنے والا تھا]

اللہ رب العزت نے ان الفاظ کو قرآن مجید کا حصہ بنا دیا۔ جب جنت میں قرآن مجید کی تلاوت کی جائے گی تو سیدنا ایوب علیہ السلام کی تعریفیں وہاں بھی کی جائیں گی۔ گویا ایک فانی آزمائش پر ہمیشہ باقی رہنے والا انعام عطا فرما دیا۔

اور دوسرا کام یہ کیا کہ اللہ رب العزت نے ان کو صحت بھی عطا کر دی، گھر بھی دے دیا، باغات بھی دے دیئے، بیوی بچوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے لوٹا دیا اور جتنا کچھ تھا اللہ تعالیٰ نے کمالِ رحمت اور مہربانی سے اتنا اپنی طرف سے اور بھی عطا کر دیا۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے فرمایا

وَ وَهَبْنَا لَهٗ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ (ص : ۴۳)

[اور بخشے ہم نے اس کو اس کے گھر والے اور ان کے برابر ان کے ساتھ اپنی مہربانی سے اور یاد رکھنے کو عقل والوں کیلئے]

یہ ہماری طرف سے رحمت اور نعمت تھی اور اس میں سوجھ بوجھ والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں کہ اگر ہم کسی کو آزماتے ہیں اور وہ آزمائش میں صبر کے ساتھ وقت گزارتا ہے تو پھر ہم اس کے اندازے سے بڑھ کر اس کے ساتھ رحمت اور کرم کا معاملہ فرما دیتے ہیں۔ جیسے باپ سمجھانے کے لئے بچے کو ڈانٹ پلا دیتا ہے۔ ڈانٹ اس لئے پلاتا ہے کہ تربیت مقصود ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ باپ کو بیٹے سے محبت بھی ہوتی ہے اس لئے اس محبت کی وجہ سے تھوڑی دیر کے بعد بہانے سے آئس کریم بھی

کھلا دیتا ہے۔ یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کا بھی ہے۔

ہم چھوٹے تھے تو کبھی کبھار گھر والے مجھے محلے کے بوڑھے دکاندار کے پاس کوئی سودا لینے بھیجتے، جب ہم اس سے سودا لے لیتے تو وہ سودے کے ساتھ بسکٹ یا کھانے کی کوئی چیز دیتا کہ بیٹا یہ کھالو۔ ایک دفعہ میں نے آکر اپنی والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ یہ بڑے میاں سودا تو دیتے ہیں لیکن یہ کھانے کے لئے چیزیں کیوں دیتے ہیں۔ وہ کہنے لگیں کہ بیٹا! یہ تیرے والد کے بچپن کے دوست ہیں، ان کا ان سے اتنا گہرا تعلق ہے جب تم اس کے سامنے جاتے ہو تو اسے یوں لگتا ہے کہ جیسے میرا اپنا بیٹا میرے پاس آیا ہے، وہ سودا تو گھر کے لئے دیتا ہے لیکن اس محبت کی وجہ سے کچھ چیز بھی تمہیں کھانے کے لئے دے دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح کی مثال سمجھ لیجئے کہ اللہ رب العزت جب کسی بندے کو آزمائش میں ڈالتے ہیں یا کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے قربانی کرتا ہے تو پروردگارِ عالم اس بندے کی توقعات سے بڑھ کر اس کے ساتھ رحمت اور کرم کا معاملہ فرما دیتے ہیں۔

☆... مشاطہ اور بی بی آسیہ پر نظرِ عنایت

فرعون کے محل میں ایک عورت مشاطہ تھی جو اس کی بیوی اور بیٹیوں کے بال سنوارتی تھی۔ گویا وہ ہیئر ڈریسر تھی۔ وہ ایک دن اس کی بیٹی کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی کہ اس کی کنگھی نیچے جا گری۔ اس نے اٹھاتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کے پروردگار کا نام لیا۔ جب اس نے اللہ رب العزت کا نام لیا تو فرعون کی بیٹی حیران ہو کر کہنے لگی، تو موسیٰ کو مانتی ہے؟ جب بات کھل گئی تو وہ جھوٹ کیسے بول سکتی تھی۔ لہٰذا اس نے کہہ دیا کہ ہاں مانتی ہوں۔ وہ کہنے لگی، میں ابھی تیرا بندوبست کرواتی ہوں۔ چنانچہ وہ بھاگ کر گئی اور اپنے باپ فرعون سے کہا کہ تیرے محل میں کام کرنے والی عورت جس کی کوئی حیثیت ہی نہیں وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کو نبی مان چکی ہے، اب آپ کی خدائی

کا دعویٰ کیسا ہے؟ فرعون کو بڑا غصہ آیا۔ چنانچہ وہ کہنے لگا، میں ابھی اس کو ٹھیک کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے دربار لگایا اور اس عورت کو بلوا کر کہا کہ تم اپنی بات سے رجوع کرلو ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ وہ کہنے لگی،

فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ

[اب تو جو کچھ کر سکتا ہے کرلے]

فرعون کو پتہ تھا کہ اس کی ایک دودھ پیتی بیٹی بھی ہے۔ چنانچہ اس نے اس عورت کو چومیخا کروایا۔ یعنی اسے زمین پر لٹا کر اس کے ہاتھ زمین پر رکھ دیئے گئے اور ہاتھ کے اندر سے ایک کیل زمین میں گاڑ دی گئی۔ اس طرح دونوں ہاتھوں میں بھی کیل گاڑھ دیئے گئے اور دونوں پاؤں میں بھی۔ وہ ہل بھی نہیں سکتی تھی۔ فرعون نے کہا، اب بتا۔ وہ کہنے لگی، میں اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹوں گی۔

فرعون کہنے لگا، اچھا، اس کی بیٹی کو بلواؤ۔ چنانچہ وہ چھوٹی سی معصوم بچی لائی گئی اور اسے اس عورت کے سینے پر لٹا دیا گیا۔ جب بچی ماں کے سینے پر لیٹی تو اس نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ اس حالت میں اس کو کہا گیا کہ اگر تم اس بات کو نہیں مانو گی تو ہم اس بچی کو اسی حالت میں ذبح کر دیں گے...... اب بتائیے کہ ماں کو اولاد سے کتنی محبت ہوتی ہے اور جس ماں کے سینے پر اس کی چھوٹی سی معصوم بچی دودھ پی رہی ہو اور اسے ایسی دھمکی ملے تو اس کے دل پر کیا گزرے گی...... مگر وہ کہنے لگی کہ میں اس بات سے پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔ چنانچہ اس کی بیٹی کو اسی حالت میں گردن کاٹ کر شہید کر دیا گیا اور اس کا خون ماں کے سینے پر گرا...... اللہ اکبر!...... اس ماں کے دل پر کیا بیتی ہوگی۔ مگر اس نے اللہ کے لئے یہ قربانی دے دی۔

جب انہوں نے دیکھا کہ اب بھی نہیں مانی تو اس نے بچھو منگوائے...... اس زمانے میں دشمن کو سزا دینے کے لئے شیروں، بچھوؤں اور سانپوں کو پالا جاتا تھا......

جب بچھو لائے گئے تو اس کے جسم سے کپڑے ہٹا کر بچھو چھوڑ دیئے گئے۔ اب زہریلے بچھوؤں نے اسے کاٹنا شروع کر دیا...... ذرا سوچیں کہ اگر شہد کی مکھی کاٹ لے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ اگر چھوٹا سا بچھو بھی کاٹے تو کتنا درد ہوتا ہے اور اگر بڑے بڑے پلے ہوئے زہریلے بچھو کاٹیں تو پھر کیا بنے گا...... وہ بے چاری تڑپتی رہی۔ بچھوؤں نے اسے اس قدر کاٹا کہ اسے اسی جگہ پر بالآخر موت آگئی۔

فرعون جب یہ کام کر چکا تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر آیا۔ اس نے آ کر اپنی بیوی سے کہا، دیکھا! یہ عورت مجھے نہیں مانتی تھی میں نے اسے کتنی عبرتناک سزا دی...... اللہ کی شان، کہ فرعون کی زوجہ حضرت آسیہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکی تھیں چنانچہ اس نے کہا کہ تو بڑا بدبخت اور ظالم ہے کہ تو نے معصوم بچی کو بھی مروا دیا اور اس کی ماں کو بھی قتل کروا دیا، تجھے ذرا بھی دکھ اور احساس نہیں ہوا۔ جب اس نے لعنت ملامت کی تو وہ کہنے لگا، کیوں، کیا تو بھی موسیٰ کو مانتی ہے؟...... ایمان بڑی عجیب نعمت ہوتی ہے۔ یہ پھر چھپایا نہیں جا سکتا، وہ کہنے لگی کہ ہاں، میں بھی اس پر ایمان لا چکی ہوں۔ اس نے متعجب ہو کر پھر پوچھا، تو میری بیوی ہو کر موسیٰ پر ایمان لے آئی۔ انہوں نے کہا، ہاں میں ایمان لے آئی ہوں۔ اس نے کہا، میں تجھے بھی سخت سزا دلواؤں گا۔ وہ کہنے لگیں، جو مرضی کر میں نہیں گھبراؤں گی۔

اب فرعون دوبارہ غصے میں بھرا ہوا واپس آیا اور دوبارہ دربار لگایا۔ وہ غصے میں آ کر کہنے لگا کہ دیکھو ایک عورت کا ہم نے یہ حشر کیا، اب ایک اور ہے جسے میں نے لاکھوں عورتوں میں سے چنا کیونکہ وہ سب سے زیادہ خوبصورت تھی اور میں نے اس سے اتنی محبت کی کہ اسے اپنی بیوی اور ملکہ بنایا، اس کی خدمت کے لئے ہر وقت سینکڑوں لڑکیاں تیار رہتی ہیں، اس کے کام آنکھ کے اشارے پر ہوتے ہیں اور وہ کہتی ہے کہ میں موسیٰ پر ایمان لے آئی ہوں، اسے بلواؤ۔ اب پولیس والے بھی

حیران ہوئے کہ اب تک تو ملکہ کا اتنا ادب واحترام تھا اور اب فرعون حکم دے رہا ہے کہ اسے گرفتار کر کے لے آؤ۔ بہر حال اسے پکڑ کر لایا گیا۔

فرعون نے اسے کہا، آسیہ! اگر تو نے میری بات نہ مانی تو میں تجھے سب کے سامنے رسوا کر دوں گا۔ وہ کہنے لگی، نہیں، میں نے جو بات کر دی ہے میں اس پر پکی ہوں۔ اس نے کہا، دیکھو میں آپ کو آخری چانس دیتا ہوں، اس وقت تک تو ملکہ ہے اور تیری عزت ہے، میں تجھے اتنا ذلیل کروں گا کہ کسی نے کسی کو اتنا ذلیل نہیں کیا ہوگا۔ اس نے کہا، اب نہیں ہوسکتا، میں اپنی بات پر پکی ہوں۔ چنانچہ اس نے غصے میں آکر اپنے درباریوں کو حکم دیا کہ اس کے جسم سے لباس اتار دیا جائے ...... اب بتائیں کہ اگر مرد کو مرد کے مجمع میں کہیں کہ تیرا لباس اتار دیں گے تو مرد کو اتنی شرم آتی ہے کہ دل چاہتا ہے کہ زمین پھٹتی اور میں اس سے پہلے اندر اتر جاتا۔ جب مرد کو مجمع میں بے ستر ہونا اتنا برا لگتا ہے تو عورت تو پھر اور بھی حیا والی ہوتی ہے ...... لیکن حضرت آسیہ نے کہا کہ تو جو کچھ بھی کر لے میں حق بات پر سے پیچھے نہیں ہٹوں گی۔ چنانچہ ان کے جسم سے لباس اتار دیا گیا۔

اس حالت میں ان سے پھر پوچھا گیا کہ اب مانتی ہو؟ اس نے کہا کہ میں نہیں مانتی۔ فرعون نے یہ سن کر حکم دے دیا کہ اس کو بھی چومیخا لٹا دو۔ چنانچہ جب اس کو زمین پر لٹانے لگے تو فرعون کہنے لگا کہ اسے ایسے لٹاؤ کہ اس کا چہرہ محل کی طرف رہے تاکہ اس کو احساس رہے کہ اب میں کبھی اس محل میں داخل نہیں ہوسکوں گی۔ بالآخر فرعون کے حکم کے مطابق اس کا چہرہ محل کی طرف کر کے لٹا دیا گیا۔ بادشاہ نے پھر پوچھا، اب مانتی ہو؟ وہ کہنے لگی، نہیں مانتی۔ اس نے آدمیوں کو بلایا اور کہا کہ زندہ حالت میں اس کے جسم کے اوپر سے کھال اتار دی جائے ...... اس زمانے میں بلیڈ کے ساتھ بہت باریکی سے اوپر کی کھال اتار دی جاتی تھی ...... چنانچہ اس کی کھال

اتار دی گئی۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ پورے بدن کی کھال اتارنے تک وہ زندہ رہی۔ لیکن جب کھال اتر جائے تو اس جگہ پر ہوا بھی لگے تو درد ہوتا ہے۔ لہٰذا ذرا سوچیں کہ اس کے جسم کو کتنی تکلیف ہو رہی ہوگی۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔

فرعون نے کہا، اب بتاؤ، اب نہ تو تجھے محل مل سکتا ہے اور نہ میں مل سکتا ہوں یہ نعمتیں تم سے چھین لی گئی ہیں، کیا اب مانتی ہو؟ اس نے کہا، میں ہرگز نہیں مانتی۔ فرعون کو غصہ تھا۔ لہٰذا اس نے مرچیں لانے کا حکم دے دیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ پسی ہوئی مرچیں منگوا کر اس کے جسم پر ڈالی گئیں۔ جب مرچیں ڈالی گئیں تو اس نے اور بھی زیادہ تڑپنا شروع کر دیا۔ بالآخر اس تڑپنے کی حالت میں اس نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی۔

رَبِّ ابۡنِ لِیۡ عِنۡدَکَ بَیۡتًا فِی الۡجَنَّةِ (التحریم:۱۱)

[اے رب! بنا میرے واسطے اپنے پاس ایک گھر بہشت میں]

بی بی آسیہ نے دعا میں کہا کہ اے اللہ! اس فرعون نے مجھے اپنے گھر سے دھکا دے دیا ہے اور کہا ہے کہ اب تو اس محل میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اے اللہ! مجھے یہ محل نہیں چاہیے، اے پروردگار! مجھے جنت میں اپنے قرب میں ایک مکان عطا فرما دیجیے...... یہ دعا مانگنے کے بعد بی بی آسیہ شہید ہو گئیں۔

اب اللہ تعالیٰ کی قدر دانی دیکھئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جبرائیل امین علیہ السلام کے ساتھ معراج کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، ایک وادی میں سے گزرے تو بڑی خوشبو آئی۔ نبی علیہ السلام نے پوچھا، جبرائیل! یہ خوشبو کیسی ہے؟ انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی! اس جگہ پر ایک عورت کی قبر ہے جو فرعون کی بیوی اور بیٹیوں کے بالوں کو ٹھیک کیا کرتی تھی، اس کی قبر کو اللہ نے جنت کا باغ بنا دیا اور اب اس کی خوشبو سے پوری وادی کو مہکایا ہوا ہے...... اللہ اکبر...... اس کی قبر کی خوشبو نبی

علیہ السلام نے سونگھی۔

بی بی آسیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدر دانی کا کیا معاملہ ہوا؟ انہوں نے یہ دعا مانگی تھی۔ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ (التحریم: ۱۱) اللہ تعالیٰ نے اس کی ایسی قدر دانی فرمائی کہ جب نبی اکرم ﷺ کی پہلی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا فوت ہونے لگیں تو نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، خدیجہ! اگر تم فوت ہوگئی تو پھر جنت میں جاؤ گی، تم وہاں میری بیویوں کو سلام دے دینا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر بڑی حیران ہوئیں اور پوچھنے لگیں، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں دنیا میں آپ کی پہلی بیوی ہوں، وہ بیویاں کون ہیں جن کو سلام دینے کے لئے آپ نے یوں فرمایا۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم اور عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بی بی مریم جنت میں پہنچ چکی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں میری بیویاں بنا دیا ہے۔ اللہ کی قدر دانی دیکھئے کہ بی بی آسیہ نے اللہ تعالیٰ سے مکان مانگا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو گھر تو دے ہی دیا ساتھ گھر والا بھی عطا فرما دیا اور گھر والا بھی ایسا دیا جو اس کا اپنا محبوب ﷺ تھا...... سبحان اللہ...... فرعون نے اپنے گھر سے نکالا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ صرف اپنے قرب میں جگہ دی بلکہ فرعون بے ایمان کی بجائے اللہ نے ان کو اپنے محبوب سید الاولین والآخرین کی بیوی بنا دیا ......تو معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی بندہ اللہ کے لئے قربانی دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ قدر دان ہیں اور وہ اس کی امیدوں سے بڑھ کر اس کی قدر دانی فرماتے ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر انعاماتِ خداوندی

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کا گھر بنایا جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط

[اور یاد کرو جب اٹھاتے تے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسماعیل اور

دعا کرتے تھے اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے] (البقرۃ:۱۲۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ رب العزت کا گھر بنایا۔ اللہ رب العزت نے اس کو اتنا پسند فرمایا کہ ان کو ابو الانبیاء (انبیاء کا باپ) بنا دیا۔ چنانچہ ان کی آنے والی نسلوں میں سے دس ہزار سے زیادہ انبیائے کرام تشریف لائے۔ جو عزت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملی وہ بہت ہی انوکھی تھی۔ ان کی شخصیت مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں یعنی دنیا کے تینوں مذاہب کے نزدیک قابل احترام ہے۔ گویا انہوں نے اللہ کے لئے کام کیا اور رب کریم نے ان کو اس کام پر اجرت بھی دی۔ کیونکہ جو کریم ہوتا ہے وہ بندے کی مزدوری کی اجرت دیتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کی مزدوری کی اجرت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرۃ:۱۲۴)

[میں آپ کو تمام انسانوں کا امام بناتا ہوں]

یہ اجر تو گھر بنانے کا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی امید سے بڑھ کر ایک اور اجر بھی دیا۔ وہ یہ کہ جس جگہ پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر اللہ کا گھر بنایا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے قدموں کے نشانات کی اس جگہ کو بعد میں آنے والوں کے لئے مصلے بنا دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى (البقرۃ:۱۲۵)

[اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ]

گویا فرمایا، اے ابراہیم! تو نے اس جگہ پر کھڑے ہو کر میرا گھر بنایا، میں وہ پروردگار ہوں کہ تیرے قدموں کے نشانات کے قریب کی زمین کو بعد میں آنے والوں کے لئے سجدہ گاہ بنا دیتا ہوں۔ یہ ہوتی ہے قدر دانی۔

بی بی ہاجرہ کا توکل اور اس کی قدر دانی

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ رب العزت کے حکم پر بی بی ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو ملک شام سے لا کر بیت اللہ شریف کے قریب ایسی جگہ پر آباد کرتے ہیں کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ (ابراھیم: ۳۷)

جب وہاں سے چلنے لگے تو اہلیہ صاحبہ پوچھنے لگیں، آپ ہمیں یہاں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوبارہ پوچھنے پر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ تیسری مرتبہ پوچھا، کیا آپ ہمیں اللہ رب العزت کے حکم کی وجہ سے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ اب انہوں نے جواب دیا، جی ہاں۔ جب انہوں نے یہ بتایا تو بی بی ہاجرہ فرمانے لگیں کہ اگر آپ ہمیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر چھوڑ کر جا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں فرمائیں گے۔ اب دیکھیے اللہ کی ایک بندی اللہ پر توکل کرتی ہے اور ایسی جگہ جہاں پانی نہیں ملتا اور کوئی سبزہ دکھائی نہیں دیتا، وہ اللہ کے نام پر وہاں رہنے کا ارادہ کر لیتی ہے۔ رب کریم کی قدر دانی دیکھیے کہ یہی نہیں کہ صرف ان کو پینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پانی عطا کیا بلکہ زم زم کا ایک ایسا چشمہ جاری فرما دیا کہ جس سے آج پوری دنیا کے مسلمان اپنے گھروں میں بیٹھ کر زم زم پیا کرتے ہیں۔ کہاں علاقے کے لئے پانی نہیں تھا اور کہا ایسا چشمہ کہ کم و بیش بیس لاکھ آدمی حج پر جاتے ہیں اور کم و بیش ہر بندہ اپنے ساتھ زم زم کا پانی بھر کر لاتا ہے۔ اے مالک! وہ کیسا چشمہ ہے جو اتنے بندوں کی ضرورتوں کو پورا کر رہا ہے۔

ایک دفعہ ہمیں زم زم کے کنویں میں دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ کیونکہ کتابوں میں لکھا ہے کہ اس میں دیکھنا بھی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ ہمارے ایک قریبی دوست کی وہاں ڈیوٹی تھی۔ وہ ہمیں لے کر گئے جب وہ ہمیں اندر لے گئے تو انہوں

نے کہا کہ اندر جھانک کر دیکھیں۔ انہوں نے وہاں خاص لائٹوں کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ جب انہوں نے تیز لائیٹیں اندر ڈالیں اور ہم نے اندر جھانک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کی گہرائی تو اتنی نہیں ہے مگر نیچے سے جیسے پائپ میں سے پانی آرہا ہوتا ہے تو اس طرح ہمیں دھاریں نظر آئیں۔ ہم نے اس سے پوچھا، جی یہ کیا معاملہ ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم عام لوگوں میں یہ بات نہیں کرتے، مجھے کئی مرتبہ زم زم میں نیچے جانے کا موقع ملا، نیچے سات جگہیں ایسی ہیں جہاں سے پانی ابل رہا ہے۔ واہ میرے مولا! آپ کتنے قدردان ہیں کہ بی بی ہاجرہ کی توکل کے صدقے پوری مخلوق کو زم زم پہنچا رہے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا کی قدردانی

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے لوٹ کر مدینہ منورہ کی طرف آرہے تھے۔ راستے میں رات آ گئی۔ پڑاؤ ڈالا۔ آپ کھلے میدان میں سوئے ہوئے تھے۔ اچانک آپ کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ آسمان پر چودھویں کا چاند نور برسا رہا تھا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آسمان کے چاند کو دیکھا تو انہیں بے اختیار مدینہ کا چاند یاد آ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آتے ہی اٹھ بیٹھے، اس وقت تنہائی تھی، ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، آسمان سے نور برس رہا تھا، قبولیتِ دعا کا موقع محسوس ہو رہا تھا۔ اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ رب العزت کے سامنے اپنے دل کا راز کھولا اور اپنے دل کی تمنایوں بیان کی۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ قَبْرِیْ فِیْ بَلَدِ حَبِیْبِکَ

[اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرمائیے اور میری قبر محبوب

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر میں بنا دیجئے]

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو اتنا ہی مانگا تھا، ان کو شہادت تو کسی جگہ بھی مل سکتی تھی، چاہے پہاڑی کی چوٹی پر ملتی چاہے کسی میدان میں ملتی، مگر اللہ تعالیٰ قدر دان ہیں، اللہ تعالیٰ ں نے ان کی تمنا کو پورا کیا، مگر پورا بھی کس انداز میں کیا کہ

......سیدنا عمر رضی اللہ عنہ باوضو ہیں

......مصلیٰ نبوی پر کھڑے ہیں

......قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہیں

اس قرب اور احسان کی کیفیت میں اللہ رب العزت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہادت عطا فرما دی۔ وہ زخم اسی وقت لگا تھا جو شہادت کا سبب بنا تھا۔ مصلیٰ نبوی پر شہادت کا رتبہ عطا فرما دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدر دانی نہیں تو اور کیا ہے۔ انہوں نے تو فقط شہادت مانگی تھی مگر ان کی امید سے بڑھ کر ان کے ساتھ خیر کا معاملہ کیا گیا۔

انہوں نے دوسری دعا یہ مانگی تھی کہ اے اللہ! میری قبر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر میں بنا دینا۔ اگر قبر جنت البقیع میں بن جاتی تو تب بھی دعا پوری ہو جاتی مگر اللہ تعالیٰ قدر دان ہیں...... اللہ تعالیٰ نے ان کو قبر کے لئے کہاں جگہ عطا فرمائی؟...... اللہ تعالیٰ نے انہیں

......ریاض الجنۃ میں

......نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حجرہ میں

......اور محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں

دفن ہونے کی جگہ عطا فرما دی...... اللہ رب العزت کی طرف سے ان کی یہ قدر دانی تھی۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ پر عنایت و بخشش

حضرت زید رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ بچپن میں ہی کسی نے ان کو غلام بنالیا۔ بالآخر وہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گئے اور وہ وہیں رہنے لگے۔ ان کے والد ان کے بارے میں بہت فکر مند ہوئے۔ وہ ان کو ڈھونڈتے، روتے اور اشعار کہتے تھے۔ کسی نے بتادیا کہ آپ کا بیٹا تو فلاں جگہ پر موجود ہے۔ چنانچہ ان کے والد اور چچا ان کو لینے کے لئے وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے زید رضی اللہ عنہ سے آکر ملاقات کی اور انہیں سمجھایا کہ میں بھی تیرے لئے اداس ہوں، تمہاری والدہ بھی اداس ہے اور دوسرے رشتہ دار بھی اداس ہیں۔ ہم نے تیری خاطر بہت سفر کئے، بہت سی مشقتیں اٹھائیں، اب آپ قسمت سے مل گئے ہیں، چنانچہ اب ہمارے ساتھ چلیں۔ چونکہ وہ انہیں بغیر اجازت کے نہیں لے جاسکتے تھے اس لئے ان کو سمجھانے کے بعد وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ

''اے قریش کے سردار! آپ بنو ہاشم کی اولاد بڑے کریم لوگ ہیں، آپ مہمان نواز ہیں اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے والے ہیں، ہمارا بچہ آپ کے پاس ہے، آپ اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ ہم سکون کی زندگی گزار سکیں۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''میں یہ اختیار زید رضی اللہ عنہ کو دیتا ہوں، اگر یہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو اسے جانے کی اجازت ہے اور اگر یہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں زبردستی بھیجنا نہیں چاہتا۔''

جب حضرت زید کے ذمے بات لگی تو انہوں نے ایک نظر اپنے والد کے چہرے پر ڈالی اور ایک نظر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر ڈالی اور اٹھ کر نبی علیہ

الصلوٰۃ والسلام کی گود مبارک میں آکر بیٹھ گئے اور ایک بچہ ہونے کے باوجود کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! میں آپ سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔ جب وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گود میں بیٹھ گئے تو اللہ کے محبوب ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے،

''آج سے میں نے زید کو اپنا بیٹا بنالیا۔''

سبحان اللہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کی گود کی بجائے نبی علیہ السلام کی گود کو پسند کیا، اللہ رب العزت کی قدردانی دیکھئے کہ صحابہ کرامؓ ان کو پوری زندگی ''زید بن محمد ﷺ'' کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ایک رشتہ دار عورت سے ان کی شادی کردی تھی۔ نہ صرف یہی بلکہ تمام صحابہ میں سے صرف آپ کا نام قرآن مجید میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (الاحزاب:۳۷)

[پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض، ہم نے اس کو تیرے نکاح میں دے دیا]

صحابہ کرامؓ ان کا بڑا اکرام کرتے تھے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا مقام

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے اسامہ رضی اللہ عنہ تھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پر کتنی مہربانی فرمائی کہ ان کے بیٹے کو امیر لشکر بنا کر بھیجا۔ حالانکہ صحابہؓ میں بڑے بڑے اکابر موجود تھے۔ لیکن یہ چھوٹی عمر میں امیر بن کے جارہے تھے۔ اللہ کی شان کہ نبی علیہ السلام نے ان کے ہاتھ میں جھنڈا پکڑایا اور انہیں لشکر کا امیر بنایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا۔ کچھ صحابہ کرام کو بیت المال سے کچھ ہدیہ ملا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس ہدیے کے تعین کی ضرورت پیش آئی تو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن

عمر رضی اللہ عنہ کے نام سامنے آئے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کی بہت خدمت کی۔ وہ امام المحدثین تھے، اور علم میں بڑا مقام رکھتے تھے۔ صحابہ میں ان کا ایک مقام تھا۔ لوگ ان کے پاس حدیث کی روایت کے لئے آتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا ماہانہ تھوڑا متعین کیا اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا ماہانہ زیادہ مقرر کر دیا۔ وہ بڑے حیران ہوئے۔ انہوں نے آ کر اپنے والد سے پوچھا، ابا جان! آپ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا ماہانہ زیادہ مقرر کیا اور میرا کم متعین فرما دیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عجیب جواب دیا۔

''بیٹا میں نے یہ کام اس لئے کیا کہ تیری نسبت اسامہ اور تیرے باپ کی نسبت اسامہ کا باپ اللہ رب العزت کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ محبوب تھا''

یہ تو ان کا اپنا قول ہے مگر بتانے کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ ان کے والد کو نبی علیہ السلام نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور ان کو قرب کی ایک نسبت مل گئی تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نسبت کا لحاظ رکھا اور انہوں نے اپنے بیٹے کی بہ نسبت ان کا ماہانہ زیادہ متعین فرما دیا...... یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدر دانی ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی بے مثال حوصلہ افزائی

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ وہ ایران میں رہتے تھے۔ آتش پرست تھے۔ ان کے والد کا ایک ہی کام تھا کہ وہ ہر وقت آگ جلائے رکھتے تھے۔ وہ آگ کو بجھنے نہیں دیتے تھے...... ان بیچاروں کا خدا کہیں بجھ نہ جائے لہٰذا اس کو لکڑیاں دینی پڑتی ہیں...... اس نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بیٹا! آپ کا بھی ایک ہی کام ہے کہ آگ جلتی رہنا چاہئے۔ یہ اچھے بھلے بڑی عمر کے ہو گئے مگر ان کو باہر کی دنیا کا پتہ ہی نہیں تھا۔

ایک مرتبہ ان کا والد بیمار ہو گیا۔ اس نے ان کو بھیجا کہ زمینوں پر جاؤ، وہاں

سے پیسے لے کر آنے ہیں، لیکن یاد رکھنا کہ سیدھا جانا اور سیدھا آنا، وقت ضائع نہ کرنا۔ انہوں نے پہلے کبھی باہر نکل کر نہیں دیکھا تھا، اب ان کو باہر نکلنے کا موقع ملا۔ چنانچہ جب باہر نکل کر جا رہے تھے تو ایک راہب (عیسائیوں کا عالم) ان کو مل گیا۔ انہوں نے اس راہب سے راستہ پوچھا۔ ان کی آپس میں بات چیت ہونے لگی۔ راہب نے ان سے پوچھا کہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے بتا دیا۔ اس طرح بات چیت سے ان کو راہب کے ساتھ ایک تعلق ہو گیا۔ اس نے کہا کہ یہاں قریب ہی ایک چرچ ہے، میں وہاں پر ہوتا ہوں، تجھے جب موقع ملے میرے پاس سے ہو کر جایا کرو۔ چنانچہ وہ جب بھی ادھر آتے جاتے وہ اس کو مل کر جاتے۔

راہب نے ان کے سامنے عیسائیت کی تعلیمات پیش کیں۔ اس وقت عیسائی مذہب سچا مذہب تھا۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ یہ مذہب بالکل ٹھیک ہے لہٰذا میں یہ مذہب اختیار کروں گا۔ یہ اس سے پوچھنے لگے کہ کیا میں یہ تعلیم حاصل کر سکتا ہوں؟ اس نے کہا کہ، ہاں، مگر ہمارے بڑے عالم فلاں شہر میں رہتے ہیں، اگر آپ نے علم حاصل کرنا ہے تو ان کے پاس چلے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ میں ان کے پاس کیسے جاؤں گا؟ راہب نے کہا کہ وہاں قافلے جاتے ہیں، جب اگلا قافلہ جائے گا تو میں آپ کو اس قافلے والوں کے ساتھ بھیج دوں گا۔ وہ کہنے لگے کہ، ٹھیک ہے، بس مجھے اطلاع دے دینا، میں گھر سے آ جاؤں گا کیونکہ اگر میں یہاں رہا تو ابو مجھے آگ جلانے پر ہی رکھیں گے اور اس کی وجہ سے میری زندگی بھی نہیں سنورے گی لہٰذا بہتر ہے کہ میں وہاں جا کر علم حاصل کر لوں۔

جب قافلہ جانے لگا تو اس راہب نے ان کو اطلاع کر دی اور یہ قافلے کے ساتھ وہاں چلے گئے۔ جس کے پاس گئے وہ بڑی عمر کا عالم تھا۔ انہوں نے اس عالم سے تقریباً ایک سال تک پڑھا اور اس کے بعد وہ فوت ہو گئے۔ حضرت سلمان فارسی

رضی اللہ عنہ بڑے پریشان ہوئے کہ میں ان سے پڑھنے آیا تھا اور یہ فوت ہو گئے ہیں۔

پھر وہ ان سے بھی بڑے عالم کے پاس گئے۔ وہ بھی بوڑھے ہو چکے تھے۔ ان کے پاس کچھ عرصہ پڑھا ہی تھا کہ وہ بھی بیمار ہو گئے۔ لہٰذا انہیں پھر پریشانی ہوئی۔ اسی پریشانی کے عالم میں ان سے پوچھا کہ اب میں کیا کروں؟ انہوں نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں، آپ میرے بعد فلاں سے علم حاصل کر لینا۔ چنانچہ جب وہ عالم فوت ہوئے تو وہ تیسرے کے پاس چلے گئے۔ اللہ کی شان دیکھئے کہ تیسرا بھی بوڑھا تھا وہ بھی بیمار ہو گیا۔ اب تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ رونے لگے کہ پتہ نہیں یہ کیا معاملہ ہے کہ میں جدھر بھی جاتا ہوں ادھر استاد مجھے داغ مفارقت دے جاتے ہیں۔ اس نے کہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں آپ کو ایک پکی بات بتاتا ہوں۔ اب تجھے کسی استاد کے پاس جانے کی ضرورت ہی نہیں۔ انہوں نے پوچھا، وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے جس میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لانا ہے، میں نشانیاں بتا دیتا ہوں لہٰذا آپ کوشش کر کے اس علاقے میں چلے جائیں جہاں انہوں نے آنا ہے، وہاں جا کر ان سے تعلیم حاصل کرنا۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ اس نے انہیں وہ نشانیاں بھی بتا دیں اور ایک قافلہ والوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ بھی کر دیا۔ اس زمانے میں مدینہ کو یثرب کہا جاتا تھا۔

قافلہ والوں نے درمیان میں بدعہدی کی کہ یہ بچہ ہے اور اس کا کوئی ولی وارث نہیں، انہوں نے مدینہ منورہ پہنچ کر انہیں ایک غلام کی حیثیت سے بیچ دیا اور انہیں ایک یہودی نے خرید لیا۔ ان کا وہاں کوئی واقف نہ تھا۔ البتہ انہوں نے جب یہ علاقہ دیکھا اور ان نشانیوں کو دیکھا جو ان کے استاد نے انہیں بتائی تھیں تو ان کو تسلی ہو گئی کہ یہ علاقہ وہی ہے جہاں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لانا ہے۔ چنانچہ دل میں فیصلہ کر لیا کہ اب میں یہیں رہوں گا۔

اس یہودی کا کھجوروں کا ایک باغ تھا۔ وہ سارا دن اس میں کام کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ کھجور کے ایک درخت پر چڑھ کر کھجور اتار رہے تھے کہ اس یہودی کا ایک دوست اسے ملنے آیا۔ وہ اس یہودی کے ساتھ مل کر باتیں کرنے لگا۔ باتوں ہی باتوں میں وہ کہنے لگا کہ مکہ سے ایک آدمی یہاں آئے ہیں اور وہ نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ جب انہوں نے نبوت کے یہ الفاظ سنے تو انہوں نے شوق میں اوپر سے نیچے چھلانگ لگا دی کیونکہ وہ پہلے ہی ایسی خبر پانے کے منتظر تھے...... ماشاء اللہ! بچوں کا کام ایسا ہی ہوتا ہے...... آ کر اس یہودی سے پوچھنے لگے کہ جی! وہ کون سے نبی تشریف لائے ہیں۔ یہودی نے جب یہ سنا تو اس نے انہیں زور سے ایک تھپڑ لگایا اور کہا کہ جا تو اپنا کام کر۔ ان کو چھلانگ لگانے سے پاؤں میں تکلیف ہو رہی تھی، ساتھ ہی تھپڑ کی تکلیف بھی برداشت کرنی پڑی۔ پھر جا کر خاموشی سے کام کرنے لگے۔ پھر اس سوچ میں پڑ گئے کہ اب میں کیا کروں۔ بالآخر ان کے دل میں یہ بات آئی کہ مجھے ہفتے میں ایک دن چھٹی ہوتی ہے، میں اس دن جا کر بستی والوں سے پوچھوں گا کہ کون آئے ہیں۔ چنانچہ وہ چھٹی کے دن بستی میں پہنچے اور پوچھتے پوچھتے وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پہنچ گئے اور زیارت کر کے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائی۔

ان کو استاد نے نبی آخر الزمان ﷺ کی دو نشانیاں بتائی ہوئی تھیں ایک نشانی تو یہ کہ وہ ہدیہ قبول کر لیں گے اور دوسری نشانی یہ کہ وہ صدقہ کا مال قبول نہیں فرمائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے کچھ پیسے لا کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیے اور عرض کیا کہ یہ صدقہ کے پیسے ہیں آپ قبول فرما لیجئے۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا، نہیں ہم تو صدقہ نہیں لیتے...... ایک نشانی پوری ہو گئی...... پھر کسی دوسرے موقع پر عرض کیا، جی یہ ہدیہ قبول فرما لیجئے۔ آپ ﷺ نے وہ ہدیہ قبول فرما لیا......

اس طرح دوسری نشانی بھی پوری ہوگئی۔ ماشاءاللہ اب ان کے دل کو تسلی ہوگئی اور کلمہ پڑھ کر آپ ﷺ کے غلاموں میں شامل ہو گئے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اپنی کیفیت بیان کی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ تم آتے رہا کرو۔ چنانچہ شروع میں انہوں نے اپنے ایمان کو چھپایا۔ وہ چھٹی کے دن محبوب ﷺ کی خدمت میں آجاتے اور دن گزار کر چلے جاتے۔

کچھ عرصہ بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت نے اتنا جوش مارا کہ کہنے لگے کہ اب تو مجھ سے جدا نہیں رہا جا سکتا۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس یہودی سے جا کر طے کرلو، وہ جو شرط بھی لگائے کہ وہ تمہیں اتنے پیسے لے کر چھوڑ دے گا، وہی شرط طے کرلو۔ چنانچہ انہوں نے جا کر اسے کہا کہ جی آپ مجھے آزاد کردیں، اس کے بدلے آپ جو رقم کہیں وہ ادا کردوں گا یا جو کام کہیں گے وہ کردوں گا۔

وہ یہودی بڑا تیز تھا۔ اس نے کہا، میں دو شرطوں پر آپ کو آزاد کرتا ہوں۔ ایک شرط تو یہ ہے کہ کھجوروں کے تین سو درخت لگاؤ، جب وہ پھل دینا شروع کردیں گے تب پہلی شرط پوری ہو جائے گی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر آج درخت لگائیں تو پھل لگنے میں کئی سال لگ جائیں گے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تم تین اوقیہ سونا مجھے دینا۔ اس کا خیال تھا کہ اتنے سونے میں تو پچاس غلام آجاتے ہیں۔ یہ کہاں سے اتنا دے سکے گا۔

انہوں نے اس کی یہ دونوں شرطیں قبول فرمالیں اور آکر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھی بتا دیا...... وہ ابھی ادھر ہی بیٹھے تھے کہ ایک آدمی نے سونے کا ایک ڈلا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ سونا ان کو دے دیا اور فرمایا، سلمان! اللہ تعالیٰ نے تیرا کام

آسان کر دیا ہے، جاؤ اور اسے یہ دے دو۔ اب یہ لے گئے اور اس یہودی کو جا کر وہ سونا دے دیا۔ سونے کا وہ ڈلا دیکھنے میں تو چھوٹا سا لگتا تھا لیکن جب اس نے وزن کیا تو بالکل پورا نکلا۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ اس نے سوچا کہ شاید ترازو میں کوئی خرابی ہو۔ چنانچہ اس نے ترازو کو ٹھیک کیا اور پھر تولا۔ پھر وزن پورا نکلا۔ اس طرح اس نے کئی بار وزن کیا اور ہر بار وزن برابر نکلا۔ بالآخر وہ حیران ہو کر کہنے لگا، چلو ٹھیک ہے، اب کھجوروں کا باغ لگاؤ۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم زمین تیار کر دو اور ہمارا انتظار کرنا، ہم آ کر تمہارے ساتھ کھجوریں لگوائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے آ کر ان کے ساتھ کھجوریں لگوائیں اور ان کھجوروں نے اسی سال پھل اٹھالیا۔ اللہ اکبر!!!...... جب دونوں شرطیں پوری ہو گئیں تو اسے آزاد کرنا پڑا۔

آزاد ہو کر وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آ گئے اور عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں حاضر ہوں، اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، اب تم اصحابِ صفہ میں شامل ہو جاؤ...... جو فقراء مکہ مکرمہ، حبشہ اور دوسری جگہوں سے ہجرت کر کے آئے ہوئے تھے ان کے لئے ایک چبوترہ سا بنا ہوا تھا، اس پر وہ رہتے تھے، ان کو اصحابِ صفہ (چبوترہ والے) کہا جاتا تھا...... آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم بھی انہی میں شامل ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ بھی اصحابِ صفہ میں شامل ہو گئے اور ان کے مانیٹر بن گئے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کیا قدردانی عطا فرمائی۔
اپنا گھر کس لئے چھوڑا تھا؟...... اللہ تعالیٰ کے لئے
اپنے رشتہ داروں کو کس لئے چھوڑا تھا؟...... اللہ تعالیٰ کے لئے

تو جس نے اپنا گھر بار اور اپنے رشتہ دار اللہ کی رضا کے لئے چھوڑے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی اتنی قدر دانی فرمائی کہ ایک وقت ایسا آیا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا،

السلمان منا اهل البيت

[سلمان تو ہمارے اہل بیت میں سے ہے]

تو اللہ کے محبوب ﷺ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل بیت میں شامل فرمالیا۔ ......اللہ اکبر!!!......رشتہ داروں کو چھوڑا تو اللہ رب العزت نے ان کی نسبت کن کے ساتھ کردی؟ اہل بیت کے ساتھ۔

☆......حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پر شفقت ومہربانی

حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ ایک صحابیؓ ہیں۔ ان کی اٹھتی ہوئی جوانی تھی۔ وہ بہت ہی خوبصورت تھے۔ وہ دوستوں کے ساتھ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئے۔ ان کے والد فوت ہوچکے تھے اور وہ چچا کے پاس رہتے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ میں اپنے گھر والوں کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اظہار نہیں کروں گا۔ لیکن ایمان کوئی چھپنے والی چیز نہیں ہے۔ کہتے ہیں نا کہ عشق اور مشک نہیں چھپتا۔ یہ ایمان بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق ہوتا ہے لہٰذا یہ بھی نہیں چھپتا۔ چچا نے کہا کہ لگتا ہے کہ تم مسلمان ہوگئے ہو۔ فرمایا، ہاں۔ اس نے کہا، اگر تم اس گھر میں رہنا چاہتے ہو تو تم واپس کفر پر آجاؤ اور اگر نہیں آنا تو پھر گھر سے چلے جاؤ۔ وہ کہنے لگے کہ میں گھر سے تو جا سکتا ہوں لیکن دوبارہ کفر پر نہیں آسکتا۔ اس نے کہا، پھر گھر چھوڑ دو۔ اس نے پھر یہ بھی کہا کہ تم نے جو کپڑے پہنے ہوئے ہیں یہ بھی تمہیں میں نے لے کر دیئے تھے لہٰذا یہ بھی اتار دو۔ چنانچہ اس کے بعد اس نے انہیں پکڑ کر مارا بھی سہی اور لباس بھی پھاڑ کر اتار دیا اور انہیں بالکل بے لباس حالت

میں گھر سے دھکا دے دیا۔

ان کی والدہ کو دکھ تو ہوا مگر بول نہیں سکتی تھیں۔ لہٰذا اس نے بہانے سے ایک چادر پھینک دی کہ میرا بیٹا کم از کم اپنا ستر تو چھپا لے گا۔ چنانچہ انہوں نے وہ چادر اٹھا لی اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ایک کو تہہ بند کی طرح باندھ لیا اور ایک اوپر لپیٹ لیا...... یہ وہ نوجوان تھا جو قیمتی کپڑے پہنتا تھا اور لوگ اس کے حسن و جمال کی مثالیں دیا کرتے تھے، آج وہ دو چادروں میں لپٹ کر اپنے گھر سے جا رہا تھا۔ اسی وجہ سے انہیں ذوالبجادین یعنی ''دو چادروں والے'' کہا جاتا ہے...... چادریں لپیٹ کر سوچا کہ کہاں جاؤں؟ دل نے کہا کہ ایک ہی تو ہستی ہے جن سے محبت کا سودا کیا ہے اور کہاں جانا ہے، جن کی خاطر گھر چھوڑا اب انہی کے در کو جا کر پکڑ لیتا ہوں۔ چنانچہ مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔

اس وقت اللہ کے محبوب مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عبداللہؓ اس حالت میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے پہچان لیا کہ

دونوں جہاں کسی کی محبت میں ہار کے
وہ آ رہا ہے کوئی شبِ غم گزار کے

حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میرے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا ہے کہ مجھے مارا گیا، لباس اتارا گیا اور گھر سے نکال دیا گیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ تم اب اصحابِ صفہ کے ساتھ رہو۔ چنانچہ انہوں نے اصحابِ صفہ کے ساتھ رہنا شروع کر دیا۔

ان کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ حتیٰ کہ وہ اس محبت میں مغلوب الحال ہو کر کبھی کبھی اونچی آواز سے اللہ اللہ کا ذکر کرنے لگ

جاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا، عبداللہ! اتنی اونچی آواز میں ذکر نہ کیا کرو۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پتہ چلا تو فرمایا،

''عمر! عبداللہ کو کچھ نہ کہو، یہ جو کچھ کرتا ہے اخلاص کے ساتھ کرتا ہے۔''

ایک مرتبہ نبی علیہ السلام جہاد کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ وہ راستے میں ایک جگہ بیمار ہو گئے۔ جب نبی علیہ السلام کو پتہ چلا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بیمار ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لائے تو یہ ان کی زندگی کے آخری لمحات تھے۔ روایت میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سر کو اپنی مبارک گود میں رکھ لیا۔ سبحان اللہ، یہ ایسے خوش نصیب صحابی ہیں کہ ان کا سر نبی علیہ السلام کی مبارک گود میں ہے اور ان کی نگاہیں نبی علیہ السلام کے چہرہ اقدس پر لگی ہوئی ہیں، نبی علیہ السلام ان سے محبت کی باتیں فرما رہے ہیں اور تسلیاں دے رہے ہیں۔ اسی تسلی دینے کے دوران ان کا آخری وقت آ گیا اور ان کی روح اس حالت میں نکلی کہ ان کی نگاہیں نبی علیہ السلام کے مبارک چہرے پر تھیں اور سر نبی علیہ السلام کی مبارک گود میں تھا۔ گویا کہ وہ زبانِ حال سے یوں کہہ رہے تھے،

؎ تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

اسی مضمون کو کسی اور شاعر نے یوں بیان کیا ہے،

؎ نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

جب روح پرواز کر گئی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ عبداللہ کو نہلا دو۔ چنانچہ صحابہؓ ان کو نہلانے میں مشغول ہو گئے تو نبی علیہ السلام نے اپنی چادر

مبارک بھجوائی اور فرمایا کہ عبداللہ کو میری اس چادر میں کفن دینا۔

اب اللہ تعالیٰ کی قدر دانی دیکھئے کہ جس بدن کو اللہ کے لئے بے لباس کیا گیا تھا، اسی بدن کو اللہ کے محبوب ﷺ کی مبارک چادر سے ڈھانپا گیا...... اللہ اکبر!!! ...... نبی علیہ السلام نے جنازہ پڑھایا۔ قبر کھودی گئی۔ شریعت کا حکم ہے کہ میت کو قبر میں اتارنے کے لئے وہ بندہ قبر میں پہلے اترے جو اس میت کا سب سے قریبی رشتہ دار ہو۔ یہ تو اپنے گھر بار اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر آئے تھے۔ اس وقت سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے لیکن اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا سب سے قریبی تو میں ہوں لہٰذا عبداللہ کو قبر میں اتارنے کے لئے میں ہی اس کی قبر میں اتروں گا۔ چنانچہ نبی علیہ السلام ان کی قبر میں تشریف لے گئے۔ جب آپ ﷺ نیچے تشریف لے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھایا ہوا تھا۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا،

''عمر! اپنے بھائی کو میرے حوالے کر دو اور ان کے اکرام کا خیال رکھنا۔''

چنانچہ انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام کے حوالے کیا اور نبی علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں میں ان کو لے کر اپنی امانت کو اللہ کے سپرد کر دیا...... دفن تو سب لوگ ہوتے ہیں لیکن یہ دفن ہونا بھی عجیب ہے۔...... اللہ اکبر کبیرا

...... کسی کی قبر میں باپ اترتا ہے

...... کسی کی قبر میں بیٹا اترتا ہے

...... کسی کی قبر میں دوست اترتا ہے

...... لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو قبر میں اتارنے کے لئے اللہ رب العزت نے اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ کو ان کی قبر میں اتارا۔

جب اللہ کے محبوب ﷺ نے ان کو قبر میں لٹایا تو اس وقت آپ ﷺ نے

ایسے دعائیہ کلمات کہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تڑپا کے رکھ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ واقعہ سنا کر کہا کرتے تھے کہ ان الفاظ کو سن کر تو میں تڑپ اٹھا اور میرے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش! آج عمر کی لاش ہوتی جسے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح دفنا رہے ہوتے۔ پوچھنے والے نے پوچھا، حضرت! وہ کون سی ایسی بات تھی کہ جس کی وجہ سے آپ کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی؟ فرمانے لگے کہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو زمین پر رکھا تو دعا میں یہ فرمایا،

''اللہ! میں عبداللہ سے راضی ہوں، تو بھی عبداللہ سے راضی ہو جا۔''

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ بھی قدردان ہیں اور اللہ کے محبوب بھی قدردان ہیں۔

قرضِ حسنہ دینے پر اللہ تعالیٰ کا اظہارِ خوشنودی

ذرا غور کیجئے کہ اگر کوئی اپنے بیٹے کو ہدیہ کے طور پر ایک لاکھ روپیہ دے اور پھر اسے اس میں سے ایک روپے کی ضرورت پڑ جائے کہ کسی کو دینا ہے تو وہ توقع کرتا ہے کہ میں نے اس کو ابھی ایک لاکھ روپیہ دیا ہے اگر یہ ایک روپیہ دے بھی دے گا تو کون سی بڑی بات ہو گی۔ ہم اس کو بڑی بات نہیں سمجھتے لیکن اللہ رب العزت کا احسان دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے خزانوں سے نعمتیں دیں، مال اور رزق دیا، اب اس دیئے ہوئے رزق میں سے اگر اس کو کوئی بندہ اللہ کے راستے میں ایک روپیہ خرچ کر دیتا ہے تو اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ تم نے جو میرے راستے میں خرچ کیا ہے یہ تم نے مجھے قرضِ حسنہ دے دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا،

مَنْ ذَالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا (الحدید: ۱۱)

[کون ہے ایسا قرض دے اللہ کو اچھی طرح]

اے مالک! دیا بھی تو آپ نے ہی تھا، اگر ہم نے اس میں سے کچھ آپ کی راہ میں خرچ کر بھی دیا تو کون سی بڑی بات کی۔ مگر نہیں، وہ قدردان ہیں۔ ان کے

خزانوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (المنافقون:۷)

[اور آسمان اور زمین کے خزانے اللہ کے پاس ہیں]

روزہ دار کی قدرومنزلت

جب بندہ عبادت کرتا ہے تو اس کی عبادت سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ اس کی قدر دانی فرماتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے جب بندہ روزہ رکھتا ہے اور روزے کی وجہ سے اس کے منہ میں سے مہک آتی ہے تو وہ مہک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے...... اللہ اکبر... قدردانی دیکھئے کہ بندے نے اللہ کے حکم پر لبیک کہی، پھر اس کے منہ سے ایسی بو آئی جو کسی کو اچھی نہیں لگتی، مگر نہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ کا بندوں کے ساتھ محبت اور احسان کا تعلق ہے اس لئے بندے کے منہ کی بدبو کی بھی قدر دانی فرما رہے ہیں۔

جس کا عمل ہو بے غرض

جس بندے نے بھی ''اُن'' کی خاطر قربانی دی اللہ تعالیٰ نے اس کی قربانی کو قبول کرلیا، خواہ وہ عمل چھوٹا تھا یا بڑا تھا۔

؎ جس کا عمل ہو بے غرض
اس کی جزا کچھ اور ہے

وہاں تو یہ دیکھتے ہیں کہ میری رضا کے لئے کیا یا نہیں، چھوٹے بڑے کو نہیں دیکھتے۔ اگر بندہ پہاڑوں جیسے اعمال کر کے جائے گا اور دل میں دکھاوا ہوگا تو اس کے عملوں کو ٹھوکر لگا دیں گے کہ ان کو لے جاؤ، تم نے مدرسے بنائے تھے اور تقریریں کی تھیں تاکہ تمہیں بڑا عالم کہا جائے، **فقد قیل** (پس وہ کہا جائے گا)، جاؤ، ہمارے

پاس تمہارے لئے کچھ نہیں ہے۔ ایسے بے عمل عالم کو اوندھے منہ جہنم میں گرا دیا جائے گا۔ اور جو بندہ چھوٹا سا کام بھی اللہ رب العزت کی رضا جوئی کے لئے کرے گا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی بھی قدر دانی کی جائے گی۔

زبیدہ خاتون پر نظرِ کرم

ہارون الرشید کی بیوی ''زبیدہ خاتون'' بڑی نیک اور دین دار ملکہ تھی۔ اس کو قرآن مجید کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ اس نے اپنے گھر میں تین سو حافظات تنخواہ پر رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے ان کی تین شفٹیں بنائی ہوئی تھیں۔ ہر شفٹ میں ایک سو حافظات ہوتی تھیں۔ ان حافظات کو محل کے مختلف کمروں، برآمدوں اور کونوں میں بٹھا دیا جاتا تھا اور ان کا کام اپنی شفٹ میں بیٹھ کر فقط قرآن مجید پڑھنا ہوتا تھا۔ اس طرح پورے محل میں ہر وقت سو حافظات کے قرآن پڑھنے کی آواز آتی تھی۔

اس خاتون کو پتہ چلا کہ جب لوگ سفرِ حج پر جاتے ہیں تو ان کو راستے میں پانی نہیں ملتا، اس لئے وہ اپنے ساتھ سواریوں پر پانی لاد کر لے جاتے ہیں، جب کبھی پانی ختم ہو جاتا ہے تو بسا اوقات لوگ پیاسے رہتے ہیں، بلکہ بعض اوقات تو کئی لوگ فوت ہی ہو جاتے ہیں...... ہر بیوی اپنے خاوند سے فرمائش کر کے کوئی نہ کوئی کام کرواتی ہے...... اس نے بھی اپنے خاوند سے کہا کہ میرے دل کی تمنا ہے کہ آپ ایک نہر بنوائیں جو میدانِ عرفات تک پہنچے تاکہ حاجی لوگ جب اس کے قریب سے گزریں تو ان کو پانی ملتا رہے۔ ہارون الرشید نے اسکی فرمائش کو پورا کر دیا اور ایک عظیم الشان نہر بنوا دی۔ اس نہر سے ہزاروں انسانوں، حیوانوں، چرندوں اور پرندوں نے پانی پیا اور فائدہ اٹھایا۔

ذرا سوچیں کہ کسی کو پانی کا ایک پیالہ پلانا کتنی بڑی نیکی ہے۔ قیامت کے دن ایک جہنمی کسی جنتی کو دیکھ کر اسے پہچان لے گا اور کہے گا کہ آپ نے مجھ سے ایک

مرتبہ پانی مانگا تھا اور میں نے آپ کو پانی کا پیالہ پیش کیا تھا۔ وہ کہے گا، ہاں۔ وہ کہے گا کہ آپ اللہ کے حضور میری شفاعت کر دیجئے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک پیالہ پانی پلانے پر وہ جنتی شفاعت کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس جہنمی کو جہنم سے نکال کر جنت عطا فرما دیں گے۔ ایک پیالہ پانی پلانے کی اللہ رب العزت کے ہاں اتنی قدر ہے۔

انسان تو بالآخر انسان ہے۔ جانور کو پانی پلانا بھی بہت قیمتی ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک عورت نے اپنی پوری زندگی کبیرہ گناہوں میں گزار دی تھی۔ ایک مرتبہ وہ کہیں جا رہی تھی، اس نے ایک کتے کو پیاسا دیکھا، گرمی کا موسم تھا، اس کی زبان نکلی ہوئی تھی اور پیاس کی وجہ سے وہ ہانپ رہا تھا۔ اس کے دل میں ترس آیا اور اس نے اپنے دوپٹے کے ساتھ کوئی چیز باندھی اور پانی ڈال کر اس کتے کو پلایا۔ جب کتے نے پانی پیا تو کتے کو ہوش آ گیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آ گیا۔ صرف کتے کو پانی پلانے پر اس کی زندگی کے سب کبیرہ گناہوں کو معاف فرما دیا گیا۔ اب سوچئے کہ پیاسے کو پانی پلانا کتنا بڑا عمل ہے۔

زبیدہ خاتون نے لاکھوں پیاسوں کو پانی پلایا۔ جب وہ فوت ہو گئی تو وہ کسی کو خواب میں ملی۔ اس نے پوچھا، زبیدہ! تیرا آگے کیا بنا؟ کہنے لگی کہ بس مجھ پر اللہ رب العزت کی رحمت ہو گئی۔ اس نے کہا، ہاں! تیرے تو کام ہی اتنے بڑے تھے، تو نے نہر بنوا کر بہت بڑا کام کیا، تیری تو بخشش ہونی ہی تھی۔ وہ کہنے لگی کہ میری بخشش نہر کی وجہ سے نہیں ہوئی۔ اس نے پوچھا، وہ کیوں! وہ کہنے لگی کہ جب میرا نہر والا عمل اللہ رب العزت کے سامنے پیش کیا گیا تو پروردگارِ عالم نے فرمایا کہ تم نے تو نہر اس لئے بنوائی تھی کہ تمہارے پاس بیت المال کا پیسہ تھا، اگر نہ ہوتا تو نہیں بنوا سکتی تھی، یہ کوئی ایسا کام نہیں، تم مجھے بتاؤ کہ تم نے میرے لئے کون سا عمل کیا؟ وہ کہنے لگی کہ

میں یہ سن کر گھبرا گئی کہ میرے پاس تو ایسا کوئی عمل نہیں ہے۔

اس گھبراہٹ میں اللہ رب العزت کی رحمت میری طرف متوجہ ہوئی اور فرمایا، ہاں تیرا ایک عمل ایسا ہے جو تم نے ہمارے لئے کیا تھا۔ وہ عمل یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کھانا کھا رہی تھی، بھوک لگی ہوئی تھی، آپ نے لقمہ توڑا کہ میں اسے اپنے منہ میں ڈال لوں، منہ میں ڈالنے سے پہلے ادھر سے اذان کی آواز تیرے کانوں میں پڑی، تمہارے سر پر پوری طرح دوپٹہ نہیں تھا اور آدھا سر ننگا تھا، اس وقت تیرے دل میں خیال آیا کہ اللہ کا نام بلند ہو رہا ہے اور میرا سر ننگا ہے، تم نے اپنی بھوک کو روکا، لقمہ نیچے رکھا اور اپنے دوپٹے کو ٹھیک کیا اور اس کے بعد لقمہ کھایا، تو نے لقمہ میں جو تاخیر کی یہ میرے نام کے ادب کی وجہ سے کی، بس اس کی وجہ سے تیری مغفرت کی جاتی ہے ......سبحان اللہ ......اللہ رب العزت تو یہ دیکھتے ہیں کہ ہماری رضا کے لئے کیا کیا گیا۔ اب یہ عمل دیکھنے میں چھوٹا سا ہے مگر چونکہ اس نے یہ اللہ رب العزت کی رضا کے لئے کیا اس لئے اللہ رب العزت کے ہاں اس کی قدر بھی زیادہ ہوئی۔

ایک بت پرست کی پکار اور اس کی قدردانی

ایک بت پرست تھا۔ وہ پریشان حال ہو کر ساری رات اپنے بت سے دعائیں مانگتا رہا۔ وہ اس کے سامنے یا صنم یا صنم پکارتا رہا۔ مگر کوئی بات نہ بنی۔ حتیٰ کہ اسے اونگھ آنے لگی۔ اونگھ میں اس کی زبان سے یا صمد یا صمد نکل گیا۔ صمد اللہ رب العزت کا نام ہے۔ جیسے ہی اس نے یا صمد کہا اللہ رب العزت کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوئی اور رپروردگارِ عالم نے فرمایا،

لَبَّیْکَ یَاعَبْدِیْ [میرے بندے! میں حاضر ہوں]

جب پروردگارِ عالم نے یہ جواب دیا تو فرشتے حیران ہو کر پوچھنے لگے کہ اے پروردگارِ عالم! وہ ایک بت پرست ہے، وہ ساری رات بت کے نام کی تسبیح جپتا رہا،

اس نے اونگھ کی وجہ سے غفلت میں یا صمد کہا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ اللہ رب العزت نے فرمایا، ٹھیک ہے کہ وہ بت پرست تھا اور ساری رات بت کے نام کی تسبیح جپتا رہا، اس بت نے اس کو کوئی جواب نہ دیا اور اس نے اونگھ میں مجھے پکارا، اگر میں بھی جواب نہ دیتا تو پھر مجھ میں اور بت میں کیا فرق رہ جاتا...... اللہ اکبر!!!...... جو پروردگار اتنا قدردان ہو، کیا ہمیں اس کی قدردانی کرنی چاہیے یا نہیں کرنی چاہیے۔

بخشش کا پروانہ

ایک مشہور محدث کا واقعہ ہے کہ وفات کے بعد کسی کو خواب میں ملے۔ اس نے پوچھا، حضرت! آپ تو محدث تھے اس لئے مغفرت ہو گئی ہو گی۔ انہوں نے فرمایا، نہیں علم کی وجہ سے مغفرت نہیں ہوئی، ایک اور چھوٹا سا عمل تھا جو پروردگار کو پسند آ گیا۔ اس نے پوچھا، حضرت! آپ کا وہ عمل کون سا ہے جس کی وجہ سے آپ کی مغفرت ہوئی ہے؟ وہ فرمانے لگے کہ میں ایک مرتبہ حدیث پاک لکھ رہا تھا، میں نے اپنے قلم پر سیاہی لگائی تو اس قلم پر ایک پیاسی مکھی آ کر بیٹھ گئی اور اس سیاہی کو پینے لگی، میرے دل میں خیال آیا کہ اگر میں لکھوں گا تو یہ اڑ جائے گی، لہٰذا میں نے تھوڑی دیر کے لئے اس قلم کو ہاتھ میں پکڑ لیا تاکہ وہ مکھی سیاہی کو پی لے۔ وہ مکھی سیاہی پی کر اڑ گئی اور میں نے لکھنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کو میرا یہ عمل اتنا پسند آ گیا، چنانچہ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ تم نے مکھی کی پیاس کو بجھایا، آج ہم تیری پیاس کو بجھاتے ہیں اور تجھے جنت عطا فرما دیتے ہیں...... اب دیکھنے میں یہ عمل کتنا چھوٹا سا ہے لیکن چونکہ اللہ رب العزت کی رضا کے لئے کیا گیا اس لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہو گیا۔

جہنم سے آزادی کی خوشخبری

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک بات لکھی ہے کہ ایک مرتبہ

میں قرآن و حدیث کی روشنی میں وعظ و نصیحت کی باتیں (مکتوبات شریف) لکھ رہا تھا۔ اس دوران میری قلم نے لکھنا چھوڑ دیا۔ میں نے اپنے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن پر اپنے قلم کو ٹھیک کیا۔ پھر اس کے بعد لکھنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد نماز کے لئے وضو کی ضرورت پیش آئی تو میں اٹھ کر بیت الخلاء میں گیا۔ ابھی میں بیت الخلاء میں قضائے حاجت کے لئے بیٹھنا ہی چاہ رہا تھا کہ میری نظر ہاتھ کے انگوٹھے پر پڑی تو میں نے اس پر سیاہی لگی ہوئی دیکھی۔ یہ دیکھ کر دل میں خیال آیا کہ یہ وہ سیاہی ہے جسے میں قرآن و حدیث کے لکھنے میں استعمال کرتا ہوں، اگر میں یہاں فارغ ہوا اور میں نے استنجا کیا تو یہ سیاہی اس نجس پانی میں شامل ہو جائے گی جب کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے تقاضے کو دبایا اور میں نے بیت الخلاء سے باہر آ کر اس سیاہی کو پاک جگہ پر دھو دیا۔ جیسے ہی دھویا اسی وقت الہام ہوا،

"احمد سرہندی! اس ادب کی وجہ سے ہم نے تم پر جہنم کی آگ کو حرام کر دیا۔"

اب یہ عمل دیکھنے میں چھوٹے چھوٹے سے ہیں مگر اللہ رب العزت کے ہاں یہ بڑے موٹے ہیں۔ اس لئے کہ وہاں ہر چیز کو اسی نقطہ نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے لئے کیا ہے یا نہیں۔ اسی کو خلوص کہتے ہیں۔ انسان کے اندر خلوص خود بخود پیدا نہیں ہوتا بلکہ ہر ہر عمل میں اخلاص کی نیت کا ہونا سیکھنے سے آتا ہے۔

گناہوں کے ریکارڈ کا خاتمہ

ذرا غور کیجئے کہ اگر دنیا میں کسی بندے سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے یا سرزد نہ ہو بلکہ اس پر غلط مقدمہ بن جائے تو عدالت تحقیقات کرتی ہے۔ اگر تحقیقات کے بعد پتہ چلے کہ یہ مقدمہ جھوٹا تھا تو عدالت مقدمہ تو خارج کر دیتی ہے مگر اپنے پاس مقدمے کا ریکارڈ ضرور رکھتی ہے۔ اب اگر وہ عدالت سے کہے کہ جی ریکارڈ ختم کر دیں تو عدالت کہے گی، ہرگز نہیں۔ ٹھیک ہے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ مقدمہ جھوٹا تھا، تم

بے گناہ ہوا اور ہم نے مقدمہ بھی خارج کر دیا ہے لیکن ہم اسے اپنے ریکارڈ میں رکھیں گے کہ یہ بھی ایک مقدمہ تھا۔ دنیا کی عدالت کا معاملہ یہ ہے۔ اب ذرا اللہ رب العزت کا معاملہ دیکھئے کہ ایک بندہ واقعی گنہگار تھا، ثابت ہو گیا کہ اس نے جرم کیا تھا لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے آکر رحم کی اپیل کر دیتا ہے، معافی مانگ لیتا ہے اور توبہ کے کلمات کہہ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کر کے فقط اس کے گناہ ہی معاف نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال سے اس کا ریکارڈ ہی ختم کروا دیتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان اعمال کو لکھنے والے فرشتوں کی یادداشت سے بھی وہ گناہ مٹا دیتے ہیں تاکہ وہ قیامت کے دن گواہی بھی نہ دے سکیں ......سبحان اللہ ......اللہ تعالیٰ نے معافی مانگنے کی اتنی قدردانی فرمائی......!!!

لمحۂ فکریہ

عزیز طلباء! جو کام بھی کریں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کریں۔ اللہ تعالیٰ بڑے قدردان ہیں، ہم بے قدرے ہیں۔ ہم تو اتنے بے قدرے ہیں کہ نہ تو اللہ رب العزت کی اتنی قدر کی جتنی کرنی چاہیے تھی اور نہ ہی اللہ کے رسول ﷺ کی کما حقہ قدر کی۔ پروردگارِ عالم کو قرآن مجید میں فرمانا پڑا:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الزمر:٦٧)

[انہوں نے قدر نہیں کی اللہ کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی]

نہ ہی ہم نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی پوری طرح قدر کی۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (یٰس:٣٠)

[افسوس ہے بندوں پر کوئی رسول نہیں آیا ان کے پاس جس سے ٹھٹھا نہیں کرتے]

پہلے زمانے میں انبیائے کرام کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور آج کے دور میں نبی علیہ السلام کی مبارک سنتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ یوں ذہنیت ایک جیسی ہونے کی وجہ سے دونوں ایک جیسے ہیں۔ آج دیکھیں کہ چہرے پر سنت کو سجانا کتنا مشکل ہو گیا ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا،

''قرب قیامت میں ایک وقت آئے گا کہ سنت پر عمل کرنا اتنا مشکل ہو جائے گا جیسے انگارے کو ہتھیلی پر رکھنا مشکل ہے''

آج حال یہ ہے کہ اگر گھر میں شیشے کا دو روپے کا گلاس ٹوٹ جائے تو ماں اپنے بچے کو تھپڑ لگا دیتی ہے اور اگر وہی بچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی سنت کو ذبح کر دیتا ہے تو ماں ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ گویا اس ماں نے محبوب ﷺ کی سنت کی قدر دو روپے کے برابر بھی نہ جانی۔

شادی کے موقع پر کہتے ہیں کہ جی سب کو منا لو۔ بھائی بہن کو منا لیتے ہیں ......کزن کو منا لیتے ہیں ...... پڑوسی کو منا لیتے ہیں ......اور تو اور اگر کوئی کام کرنے والی بھی روٹھ کے چلی جائے تو اس نوکرانی کو بھی بندہ بھیج کے منوا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جی شادی کا موقع ہے کوئی بات نہیں منا لو۔ ارے! جہاں گھر کے خادموں اور نوکرانیوں کو بھی منا لیا جائے اس شادی کے موقع پر ہم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ اس شادی کے موقع پر اللہ کو بھی منا پائیں گے یا ناراض کر پائیں گے۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ اللہ کے محبوب ﷺ ہمارے اس کام سے راضی ہوں گے یا ناراض ہوں گے۔ آج کل ہمارے گھر، گلی کوچے اور بازار نبی علیہ السلام کی سنتوں کی مذبح گاہیں بن چکی ہیں۔ ہمارے گھر میں کتنی سنتیں ذبح ہوتی ہیں، کوئی آنکھ ہے آنسو بہانے

والی...... کوئی ہے رات کو کڑھنے والا اور رونے والا ...... بس بچہ کما رہا ہے اور باپ اس سے راضی ہے۔ چاہے حلال لا رہا ہے یا حرام لا رہا ہے۔

ایک صاحب اپنے بیٹے کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے کہ جی میرا بیٹا بڑا اچھا اور بڑا نیک ہے۔ وہ اتنا قابل ہے کہ پچاس ہزار روپے ماہانہ کماتا ہے۔ اتنی بات کرنے کے بعد پھر کہنے لگے، ''بس وہ تعلیم زیادہ حاصل کر گیا اے، ویسے تھوڑا جیا بے ایمان ہو گیا اے۔''

ہم نے پوچھا کہ آپ کی بات کا کیا مطلب ہے؟ ...... وہ کہنے لگا، ''اوہ آہدا اے بھئی میں رب نوں نئیں مندا۔''

اندازہ کریں کہ وہ پچاس ہزار کمانے پر اس کی تعریفیں کر رہا ہے اور اس کے دہریہ بننے پر اسے احساس ہی نہیں اور کہتا ہے کہ ایسے ہی تھوڑا سا بے ایمان ہو گیا ہے۔ استغفر اللہ

آج وہ وقت آ گیا ہے کہ اگر کسی کو بتا دو کہ میں عربی مدرسے میں پڑھتا ہوں تو دنیا دار حیران ہو کر دیکھتے ہیں کہ پتہ نہیں یہ کیا کر رہے ہیں۔

...... آج سبزی بیچنے والے کی قدر ہے،

...... تانگہ چلانے والے کی قدر ہے،

...... دفتر کے چپڑاسی کی قدددر ہے،

...... کمیٹی کے خاکروب کی قدر ہے،

لیکن جب پتہ چل جائے کہ یہ بندہ عربی مدرسہ میں پڑھتا ہے تو لوگ اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہی نہیں ...... گویا بے قدروں میں گھر گئے ...... یاد رکھیں کہ اس دور میں دین کے اوپر جم جانا اللہ رب العزت کا خصوصی انعام ہے۔ یہ اللہ رب العزت کی رحمت ہے کہ اس نے آپ حضرات کو دین کی محنت کے لئے چن لیا۔

جب ہم کوئی سودا لینے جاتے ہیں تو اگر ہم سودے کے اندر کوئی نقص دیکھتے ہیں تو ہم اسے قبول نہیں کرتے۔ کوئی بندہ بھی عیب دار چیز لینا پسند نہیں کرتا۔ لیکن اللہ رب العزت کی رحمت دیکھئے کہ اس نے بندے کو پیدا کر کے اس کے اندر پائی جانے والی خامیاں بھی گنوا دیں۔

کہیں فرمایا:

خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًا (النساء:۲۸)

[انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے]

کہیں فرمایا:

وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلاً (الاسریٰ:۱۱)

[انسان بڑا جلد باز ہے]

کہیں فرمایا:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا

[بے شک آدمی بنا ہے جی کا کچا] (المعارج:۱۹)

کہیں فرمایا:

اِنَّهُ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلاً (الاحزاب:۷۲)

[یہ ہے بڑا بے ترس نادان]

انسان میں اتنے بڑے بڑے نقائص ہیں۔ جب مال میں نقص ہو تو لینے والا نہیں لیتا، مگر اللہ رب العزت کی مہربانی دیکھئے کہ وہ اپنے بندوں پر اتنے مہربان ہیں کہ یک طرفہ سودا کر کے اعلان فرما دیا:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ:۱۱۱)

[بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے میں مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا]

اسی بات کو ایک شاعر نے یوں کہا ہے،

تو بہ علم ازل مرا دیدی
دیدی آنگہ بعیب بخریدی
تو بہ علم آں و من بعیب ہمہ آں
رد مکن آنچہ خود پسندیدی

[اے اللہ! تو نے مجھے ازلی علم کے ساتھ دیکھا، تو نے میرے تمام عیوب کے ساتھ مجھے دیکھا اور پھر خرید لیا، تو وہی علم والا ہے اور میں وہی عیبوں والا ہوں۔ اے اللہ! اب اسے رد نہ کر جسے تو نے خود پسند کیا تھا]

آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کے لئے چن لیا ہے آپ بھی اپنی دعا میں یہ اشعار پڑھا کریں۔

اللہ تعالیٰ کی جتنی نعمتیں آج کے انسان پر ہیں اتنی نعمتیں پہلوں پر نہیں تھیں۔ ہم بے موسم پھل کھاتے ہیں۔ پہلے یہ نعمت وقت کے اولیاء کو ملتی تھی۔ اس کے تذکرے قرآن مجید میں ہوئے کہ بی بی مریم کو بے موسم پھل ملے اور آج کا عام آدمی بے موسم کے پھلوں کا جوس پی رہا ہوتا ہے۔ یہ بھی تو پھل کھانا ہی ہوا۔ واہ میرے مولا! ہم پر تیری کتنی نعمتیں ہیں۔ آج بھوکا رہ کر مرنے والوں کی تعداد تھوڑی ہے اور زیادہ کھا کر مرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ بلڈ پریشر، شوگر، ہائی کولیسٹرول اور اس طرح کی مہلک بیماریاں زیادہ کھانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ تو جتنی نعمتیں آج ہیں اتنی پہلے نہیں تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کے جتنے شکوے آج ہیں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوتے تھے۔ ہر بندے کی زبان پر شکوہ ہے...... الا ماشاء اللہ...... ذرا سی اونچ نیچ ہو

جائے تو اللہ تعالیٰ کے شکوے شروع کر دیتے ہیں۔اگر کوئی بندہ مسجد میں نہ آرہا ہوتو اس سے پوچھیں، جناب! آپ مسجد میں نماز میں نظر نہیں آتے تو وہ کہے گا کہ ذرا طبیعت خراب تھی ٹھیک ہو گیا تو آؤں گا۔کسی اور سے پوچھیں کہ آپ مسجد میں کیوں نہیں آتے تو وہ کہے گا کہ ذرا کاروبار کی پریشانی تھی ٹھیک ہوگئی تو آجاؤں گا۔گویا کہ ذرا بیمار ہوئے یا کاروبار ڈاؤن ہوا تو ہم جو دروازہ سب سے پہلے بھولتے ہیں وہ ہمارے خدا کا دروازہ ہوتا ہے۔یہ ہماری حالت ہے۔بکری کو اس کا مالک آواز دیتا ہے تو وہ بکری بھی کھانا چھوڑ دیتی ہے اور مالک کے پیچھے آجاتی ہے لیکن ہمیں کھول کھول کر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حرام ہے، یہ حرام ہے، یہ حرام ہے لیکن ہم سب کچھ سننے کے باوجود حرام کی جان نہیں چھوڑتے،اس لئے کہ ہم بے قدرے ہیں۔

قریبی رشتہ داروں کی قدر کریں

آج طبیعتیں ایسی بن گئی ہیں کہ انسان دوسروں کی قدر ہی نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ نے جن رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے ہم سب سے پہلے اس پر قینچی چلاتے ہیں۔ ہماری اسی عادت کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ یَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ یُّوْصَلَ (البقرۃ:۲۷)

[اور وہ کاٹتے ہیں ان کو جن کو اللہ ملانے کا حکم دیتا ہے]

ہم تو اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں کی بھی قدر نہیں کرتے۔بڑا بھائی چھوٹے بھائی کو باپ کی طرح پالتا ہے لیکن جب چھوٹا بھائی جوان ہو جاتا ہے تو بچوں کی معمولی سی بات پر اپنے بڑے بھائی سے بولنا چھوڑ دیتا ہے۔جس نے خون پسینے کی کمائی سے چھوٹے کو باپ بن کر پالا، سالہا سال اس کی پرورش کی......ایم اے تک تعلیم دلوائی......شادی کی......گھر بنوا کے دیا......لیکن بچوں کی چھوٹی سی بات پر یہ چھوٹا اپنے بڑے بھائی کے ساتھ بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔آج ذرا گھروں میں

دیکھیں کہ

......بہن بھائی سے نہیں بولتی

...... بھائی بہن سے نہیں بولتا

...... بیٹا باپ سے نہیں بولتا

......باپ بیٹے سے نہیں بولتا

...... پڑوسی پڑوسی سے نہیں بولتا

......ساس بہو سے نہیں بولتی

......بہو ساس سے نہیں بولتی

...... بھابھی نند سے نہیں بولتی

......نند بھابھی سے نہیں بولتی

......حتیٰ کہ بعض جگہوں پر تو میاں بیوی آپس میں نہیں بولتے۔

بیوی سے پوچھو تو خاوند کے شکوے اور خاوند سے پوچھو تو بیوی کے شکوے۔ اگر خاوند مر جائے تو یہی بیوی بیٹھی آنسو بہا رہی ہوگی۔ پوچھا جائے کہ اب کیوں رو رہی ہو تو کہے گی، جی وہ میرے بچوں کا باپ تھا...... آخر اس نے مجھے چھت دی ہوئی تھی ...... مجھے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا...... میں عزت کی زندگی گزار رہی تھی ......اب اسے اپنے خاوند کی اچھائیاں یاد آنے لگ گئیں۔ اور اگر بیوی مر جائے تو خاوند پریشان ہو جاتا ہے۔ پوچھا جائے کہ جناب! اب آپ کو کیا ہوا ہے، آپ تو کہتے تھے کہ میں اس کی شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ وہ کہے گا، جی اس نے میرے بچوں کو سنبھالا ہوا تھا ...... مجھے گھر کی فکر نہیں ہوتی تھی ...... میں کہیں باہر آتا جاتا تھا تو مجھے تسلی ہوتی تھی لیکن اب تو میرے لئے مصیبت بن گئی ...... اب بیوی کی قدر آ گئی۔ بھئی! یہ قدر جو ہم مرنے کی بعد کرتے ہیں کیا اس کی زندگی میں قدر نہیں کر سکتے۔ اس ناقدری کی

بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نعمتوں کی موجودگی میں نعمتوں کی قدر نہیں کرتے اور جب نعمتیں چھن جاتی ہیں تب ہمیں ان کی قدر آتی ہے۔

انگریزوں میں دستور ہے کہ جب کوئی مر جاتا ہے تو اس کی قبر پر منوں ٹنوں کے حساب سے پھولوں کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔اس پر کسی انگریز نے ایک نظم لکھی۔اس وقت پوری نظم تو نہیں سنا سکتے۔اس کا پہلا مصرعہ بہت ہی عجیب ہے۔اس نے لکھا:

Why do we wait till a person die?

[یہ کیا بات ہے کہ کوئی مرتا ہے تو ہم پھول لے کے جاتے ہیں، ہم کسی کے مرنے کا انتظار کیوں کرتے ہیں؟]

ارے! اس کا کیا فائدہ، اگر تم اس کی زندگی میں اس کو پھول پیش کرتے تو اسے بھی خوشی ہوتی اور خود تجھے بھی خوشی ہوتی۔ ہمارے ہاں بھی مشہور ہے کہ

''بندے دی قدر آندی اے مر گیاں یا ٹر گیاں''

یعنی انسان کی قدر اسی وقت آتی ہے جب وہ مر جاتا ہے یا کہیں چلا جاتا ہے۔ ایسی سوچ رکھنے والے احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اولاد کی قدر کریں، بیوی کی قدر کریں، اللہ کی نعمتوں کی قدر کریں، پیر استاد کی قدر کریں، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدر کریں اور اپنے رب رحمان کی قدر کریں۔ ناقدرے نہ بن جائیں کیونکہ جب انسان اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کرتا ہے تو پروردگار کو جلال آتا ہے۔

ہمیں چاہئے کہ ہم ماں باپ کی قدر کریں، اس لئے کہ ماں باپ اگر ہڈیوں کا ڈھانچہ بھی ہوں تو ان کا وجود اولاد کے لئے اللہ کی رحمت ہوتا ہے۔ وہ چارپائی پر لیٹے بھی رہیں تو وہ جو دعائیں کر رہے ہوتے ہیں، اولاد ان دعاؤں کا کوئی بدلہ نہیں دے سکتی۔ وہ تو ماں باپ ہی جانتے ہیں کہ ان کا دل اپنی اولاد کے بارے میں کس قدر تڑپ رہا ہوتا ہے۔

شیخ کی قدر و منزلت

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب شیخ زندہ ہوتے ہیں تو مریدین اس کی قدر نہیں کرتے۔ ان کو اپنے معمولات کرنے کی فرصت نہیں ملتی اور جب شیخ دنیا سے چلے جاتے ہیں تو وہ موٹے موٹے آنسو گرار ہے ہوتے ہیں اور کہتے پھر رہے ہوتے ہیں کہ اب اس جیسا شیخ ہمیں نظر نہیں آتا۔ ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد پڑھانے کے لئے تشریف لائے۔ وہ مسلم شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ وہ ہمارے حضرت کی خدمت میں دو سال تک رہے، وہ صبح و شام حضرت کا درس بھی سنتے تھے اور ان کو حضرتؒ سے بڑی عقیدت و محبت تھی۔ وہ دو سال تک سوچتے ہی رہے کہ میں حضرتؒ سے بیعت ہو کر فیض پاؤں گا، مگر دو سال کے بعد ہمارے حضرتؒ کی وفات ہو گئی۔ اب انہوں نے سوچا کہ میں بیعت کا تعلق کن سے جوڑوں کیونکہ انہیں ہمارے حضرتؒ جیسا کوئی دوسرا بندہ نظر ہی نہ آیا۔ اس بات کو سوچ کر وہ اکثر رو دیا کرتے تھے۔ بالآخر وہ حضرتؒ کے غلاموں میں سے کسی غلام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں بتا نہیں سکتا کہ میں نے زندگی میں کتنی بڑی غلطی کر لی، اگر میں ان سے بیعت ہو کر ایک مہینہ بھی ان کے ساتھ گزار لیتا تو شاید میرے باطن کے بننے کیلئے اتنا ہی کافی ہو جاتا۔ ان کا رونا آج بھی جب یاد آتا ہے تو احساس ہوتا ہے کہ نعمتوں کی موجودگی میں کر لینی چاہئے۔ یہی سب سے اعلیٰ بات ہوتی ہے۔ اگر یہ نکتہ سمجھ میں آ گیا تو یوں سمجھیں کہ اس جگہ پر حاضری کا مقصود حاصل ہو گیا۔

پیر استاد سے بدگمانی

ہم مسلمانوں کا یہ حال بنا ہوا ہے کہ ہم نے جس پیر استاد سے پڑھا ہوتا ہے اس

کی بھی بے قدری کرتے ہیں۔کوئی ذرا سی بات ہو یا نہ ہو،بس سنی سنائی بات پر بدگمانی کرنے لگ جاتے ہیں۔حالانکہ اس بدگمانی پر ہمارے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہوتی۔

ایک ناقابلِ عمل مشورہ

ایک مرتبہ ایک صاحب حرم شریف میں ملے۔وہ کہنے لگے،جی مجھے آپ سے محبت تو بہت ہے لیکن آپ کے بارے میں دل میں تھوڑی سی بدگمانی بھی ہے۔میں نے کہا،اللہ خیر کرے،اللہ میری اصلاح فرمادے،اگر آپ نشان دہی کر دیں تو میں آپ کو اپنا محسن سمجھوں گا۔وہ کہنے لگے،جی بدگمانی یہ ہے کہ جب آپ بیان کرتے ہیں تو لوگ گناہوں سے توبہ کرنے کے لئے فوراً سوچ لیتے ہیں،پھر وہ بیعت ہونے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور آپ اسی محفل میں ان کو بیعت بھی کر لیتے ہیں۔میرے دل میں یہ بات آئی کہ آپ ان کو سوچنے کا موقع دیا کریں اور کچھ دنوں کے بعد بیعت کیا کریں۔اب ذرا سوچئے کہ گویا وہ مشورہ دے رہے تھے کہ

......جب اللہ کی رحمت اتر چکی ہوتی ہے

......جب دل موم ہو چکے ہوتے ہیں

......اور جب بندے توبہ کرنے کے لئے تیار ہو چکے ہوتے ہیں

تو اس وقت شیطان کو ورغلانے کے لئے ایک دو دن کا موقع مل جانا چاہئے اور بعد میں اگر کوئی بیعت ہونے کے لئے آئے تو بیعت کر لیا کریں......نہ سر نہ پیر

......میں نے کہا کہ میں سمجھ رہا تھا کہ کوئی اور بات ہوگی اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمادے۔

میں نے کہا،او میاں! دلوں کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا کسی بندے کے بس کی بات نہیں ہوتی بلکہ یہ اللہ رب العزت کی رحمت اترنے کی خاص نشانی ہوتی ہے۔پھر میں نے کہا،آپ ذرا کسی بندے کے سامنے کوئی بات کریں اور اس بندے کو اسی وقت توبہ کرنے پر آمادہ کریں۔وہ کہنے لگے،اگر میں ساری عمر لگا رہوں

گا تو کوئی بھی میری بات نہیں مانے گا۔ میں نے کہا کہ یہ بندے کے بس کی بات نہیں ہوتی، کہنے والا بھی اللہ کی طرف توجہ کر کے بیٹھا ہوتا ہے، وہ بھی اللہ کے دربار سے مانگ رہا ہوتا ہے اور سننے والے بھی اللہ کے دربار سے مانگ رہے ہوتے ہیں، اور جب دردِ دل کی ساتھ کوئی بات کہی جاتی ہے تو ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ رحمتِ الٰہی کو جوش آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ دلوں کو موم کر کے توبہ کے لئے تیار فرما دیتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کمال درجہ کی قدردانی ہے۔

نعمت کی ناقدری پر عبرتناک سزا ملنے کا واقعہ

عزیز طلباء! نعمتوں کی قدردانی انکی موجودگی میں کرتے رہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ رب العزت کا جلال ظاہر ہو جائے...... ایک عورت تنور پر روٹیاں پکایا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بیٹا دیا۔ اس کا بیٹا چلنے پھرنے کی عمر کا ہو گیا۔ اسے اپنی ماں کے ساتھ بہت محبت تھی۔ لہٰذا وہ ماں کے ساتھ ہی ہر وقت چمٹا رہتا تھا۔ ماں چاہتی تھی کہ روٹیاں پکاتے وقت یہ کہیں کھیلے، آرام کرے یا سو جائے، لیکن وہ پھر اٹھ کر آجاتا تھا۔ ایک دن وہ بڑی تنگ ہوئی۔ لہٰذا اس نے اسے بستر پر لٹایا اور کہا، خبردار! اگر اب تو میرے پیچھے آیا تو میں ماروں گی، آنکھیں بند کر اور سو جا۔

اس کے بعد اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بچہ اٹھا اور روتا ہوا پھر آ گیا۔ وہ ان پڑھ جاہل تھی لہٰذا اس نے غصے میں کہہ دیا،

"مُڑ اُٹھی کے آ گیا ایں توں تاں سُتا سیں وَنجیں ہا۔"

[تُو پھر اُٹھ کر آ گیا ہے تُو تو سویا سو ہی جاتا]

مطلب یہ کہ تجھے تو سلایا تھا تو ہمیشہ کی نیند سو ہی جاتا تو بہتر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بددعا کو قبول فرما لیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس وقت بچے کو موت نہ دی۔ وہ بچہ بڑا ہوا، سکول کے اندر تعلیم میں فرسٹ آیا، کالج کے اندر بھی فرسٹ آیا، حتیٰ کہ ایک

کامیاب بزنس مین بنا، وہ اتنا خوب صورت تھا کہ جب وہ گلیوں میں چلتا تھا تو مرد لوگ اسے دیکھ کر رشک کرتے کہ جوان بیٹا ہو تو ایسا ہونا چاہیے۔

ماں نے اسکے رشتے کے لئے اپنے پورے خاندان میں سے چن کر لڑکی ڈھونڈی۔شادی کے لئے تیاریاں مکمل کر لیں۔ابھی شادی میں ایک دو دن باقی تھے کہ کوئی کام کرتے ہوئے اس نوجوان کا پاؤں پھسلا، وہ گردن کے بل گرا اور اس کی جان نکل گئی۔اب جب ماں نے اس کی لاش دیکھی تو وہ اپنا دماغی توازن کھو بیٹھی اور پاگل ہو گئی۔وہ اتنا بڑا صدمہ برداشت نہ کر سکی۔

اب وہ گلیوں میں پاگلوں کی طرح پھرتی رہتی اور تنکے چنتی رہتی۔لڑکے اسے پاگل کہہ کر چھیڑتے تھے۔مگر وہ پاگل نہیں تھی۔اس سے اللہ تعالیٰ نے جلال میں آ کر بیٹے والی نعمت لے لی تھی۔گویا بددعا کے وقت اللہ تعالیٰ نے اسے فرمادیا کہ اچھا میں نے تمہیں بیٹے کی نعمت دی تھی اور تو اس کی ناقدری کرتے ہوئے بددعا دیتی ہے کہ تو سویا ہی سو جاتا، ہاں، میں ابھی اس کو موت نہ دوں گا، بلکہ میں اس نعمت کو پروان چڑھنے دوں گا، حتیٰ کہ جب یہ پھل پک کر تیار ہو جائے گا تو میں تیار شدہ پھل کو توڑوں گا تاکہ تجھے احساس ہو کہ تو نے میری کس نعمت کی ناقدری کی ہے۔

وہ عورت اپنے بیٹے کی یاد میں یہ پڑھا کرتی تھی،

آوے ماہی تینوں اللہ وی لیاوے تے تیریاں نت وطناں تے لوڑاں
کملی کر کے چھوڑ گیوں تے میں ککھ گلیاں دے رولاں

یہ عاجز اسی لیے بار بار کہا کرتا ہے کہ نعمتوں کی قدر دانی کے لئے نعمتوں کے چھن جانے کا انتظار نہ کرنا۔جب اللہ تعالیٰ نعمت کو چھین لیتے ہیں تو پھر دوبارہ ناقدروں کو نہیں دیا کرتے۔اس لئے نعمت کی موجودگی میں اس کی قدر دانی کی عادت ڈالیں......گھر نعمت ہے......بیوی نعمت ہے......اولاد نعمت ہے......ماں باپ نعمت

ہیں ...... بہن بھائی نعمت ہیں ...... مسلمان بھائی نعمت ہے...... صحت نعمت ہے ...... سکون نعمت ہے ...... رزقِ حلال نعمت ہے ...... اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سب نعمتیں عطا کر دی ہیں، ہمیں چاہیے کہ ہم ان کی ضرور قدر دانی کریں۔

بد دعا دینے اور لینے سے بچیں

آج اس بے قدری والے گناہ سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ حق بھی یہی ہے کہ جس کا کھاؤ اسی کے گیت گاؤ۔ جب کہ ہم رب کا دیا کھاتے ہیں اور مخلوق کے سامنے دامن پھیلاتے ہیں۔ بہنیں ذرا سی بات پر بھائی کو بد دعائیں دینا شروع کر دیتی ہیں۔ آپ ذرا گھروں میں معلوم کر لیجئے۔ بھائی اپنی بہنوں کے ساتھ اچھائی کا وہ سلوک نہیں کرتے جو کرنا چاہیے۔ چھوٹی عمر ہونے کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ اب چونکہ بھائی ہمت میں زیادہ ہوتے ہیں اس لئے چیزیں چھین لیتے ہیں اور ایک آدھ تھپڑ لگا دیتے ہیں۔ پھر وہ بہن آگے سے بات تو نہیں کر سکتی مگر وہ بد دعائیں دینا شروع کر دیتی ہے۔ اب اس بہن نے کبھی یہ سوچا کہ جس بھائی کو آج میں بد دعا دے رہی ہوں، اگر اللہ نے اس بد دعا کو قبول کر لیا تو میرے بھائی کا کیا انجام ہوگا۔ جب وہی بھائی پکڑ میں آتا ہے تو اب یہی بہن دعائیں مانگ رہی ہوتی ہے کہ اے اللہ! میرے بھائی کو شفا دے دے، میرے بھائی کا کاروبار ٹھیک ہو جائے اور میرے بھائی کی فلاں پریشانی دور ہو جائے۔ کبھی بہن نے سوچا ہے کہ یہ تو میری اپنی ہی بد دعا کا نتیجہ ہے۔

پیارے پروردگار کا پیار بھرا پیغام

عزیز طلباء! پروردگارِ عالم بندے کو اپنے در سے کبھی خالی نہیں جانے دیتے۔ حق یہ بنتا ہے تھا کہ اگر کوئی بندہ اللہ رب العزت کے در سے رخ پھیر کر واپس جانا چاہتا

تو اللہ تعالیٰ دروازہ بھی بند کر دیتے اور پیچھے سے ایک اس کو ایک دھکا بھی لگوا دیتے کہ جا دفع ہو جا، مگر نہیں، جو بندہ اللہ تعالیٰ کے در کو چھوڑ کر جا رہا ہوتا ہے پروردگار عالم اپنے اس بندے کو اپنی طرف واپس بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں،

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۔ (الانفطار: ۶)

[اے انسان! تجھے تیرے کریم پروردگار سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا]

کیوں دھوکے میں پھرتا ہے؟ دنیا کے پیچھے کیوں بھاگ رہا ہے؟ لوگوں سے کیوں دل لگاتا پھرتا ہے؟ فانی حسن کے پیچھے کیوں بھاگا پھر رہا ہے؟ ارے! چند ٹکوں کی متاع کے پیچھے بھاگنے والے! تیرا کریم پروردگار تیری طرف متوجہ ہے اور چاہتا ہے کہ تو اس کے قریب ہو جائے۔ دنیا کے لوگ کہتے ہیں کہ

؎ میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے
انہی پتھروں پہ چل کے اگر آ سکو تو آؤ

یہ دنیا والوں کی باتیں ہیں جب کہ پروردگار کا معاملہ کچھ اور ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے! اگر تو ایک بالشت میری طرف آئے گا تو میری رحمت تیری طرف دو بالشت آئے گی، اگر تو ایک ہاتھ میری طرف آئے گا تو میری رحمت دو ہاتھ آئے گی اور اگر تو میرے در کی طرف چل کے جائے گا تو میری رحمت تیری طرف دوڑ کے آئے گی۔ تیرا کریم پروردگار تو متوجہ ہے مگر تو کب توبہ کرے گا؟ تو کب اپنے رب سے صلح کرے گا؟ تو کب گناہوں کو چھوڑے گا؟ تو کب شیطان کے در کو چھوڑ کر اپنے رب رحمان کی طرف متوجہ ہو گا؟...... جیسے ماں اپنے روٹھے ہوئے بچے کو پیار سے کہتی ہے کہ اے میرے بیٹے! امی سے ناراض نہیں ہوتے، تیری ماں تجھ پر کتنی شفیق ہے۔ لگتا ہے کہ پروردگار بھی اسی انداز میں فرما رہے ہیں،

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۔ (الانفطار: ۶)

[اے انسان! تجھے تیرے کریم پروردگار سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا]

کریم پروردگار کے کرم کی انتہا

جب بندہ نوے سال کا ہو جاتا ہے تو اس کی کمر جھک جاتی ہے اور وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جاتا ہے، پیٹ میں آنت نہیں رہتی، منہ میں دانت نہیں رہتے، اس حالت میں لوگ اس کی بات سننا گوارا نہیں کرتے، وہ ہر وقت کھانستا رہتا ہے، لوگ اسے اپنی جگہ سے اٹھا دیتے ہیں، گھر میں کوئی بھی اس کی قدردانی کرنے والا نہیں ہوتا، کوئی پاس بٹھانے والا نہیں ہوتا، اس کی کوئی ویلیو (قدر) نہیں ہوتی...... اس وقت اگر وہ محسوس کرتا ہے کہ میں نے اب تک گناہ کیے، مالک کو ناراض کیے رکھا، میں اب اس نوے سال کی عمر میں اپنے مالک کو راضی کر لیتا ہوں، اگر وہ لاٹھی کے سہارے کپکپاتا ہوا اللہ کے در پر حاضر ہو جاتا ہے اور اللہ سے معافی مانگتے ہوئے کہتا ہے کہ اے مالک! میں اب تک بھولا رہا، اے اللہ! میں بڑی دور سے آیا ہوں اور بڑی دیر سے آیا ہوں، میں نے کوئی نماز نہیں پڑھی، میں نے اپنی پوری زندگی گناہوں میں گزار دی، اے اللہ! میں جوانی لٹا بیٹھا، مال لٹا بیٹھا، میرا حسن و جمال زائل ہو گیا، اے اللہ! اب تو کوئی بھی میری بات نہیں سنتا، دنیا میں میرا کوئی بھی اپنا نہیں۔ اے اللہ! اس حال میں تیرے سامنے آیا ہوں۔ رب کریم اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ میرے بندے! اب کیا لینے آئے ہو؟ تمہارے پاس کیا بچا ہے؟ یہ بالکل نہیں پوچھتے بلکہ فقط اسکے آنے کی قدردانی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے بندے! تو چل کے آ گیا ہے، ہم تیرے چل کے آنے کو قبول کر کے تیرے گناہوں کو فقط معاف ہی نہیں کر دیتے بلکہ ہم اتنے کریم ہیں کہ تیرے کئے ہوئے گناہوں کو تیری نیکیوں میں تبدیل فرما دیتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

رب کریم کا اور کرم دیکھیئے۔ اگر کوئی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو لیکن وہ سچی توبہ کر

لے تو اب کوئی بندہ اس کو گناہ کا طعنہ نہیں دے سکتا۔ روایت میں آیا ہے کہ جس نے گناہ کبیرہ سے سچی توبہ کر لی اور اس کے باوجود اس کو کسی بندے نے اس گناہ کا طعنہ دیا تو یہ طعنہ دینے والا اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ خود اس گناہ میں مبتلا نہیں ہو جائے گا۔ پروردگار عالم اتنے قدردان ہیں کہ وہ معاف بھی کر دیتے ہیں اور طعنہ دینے والے لوگوں کی زبانیں بھی بند کروا دیتے ہیں کہ تم میرے بندے کو طعنہ کیوں دیتے، وہ میرے ساتھ صلح کر چکا ہے تم کون ہوتے ہو طعنہ دینے والے۔ فرمایا کہ اسے مت طعنہ دو، اگر دو گے تو ہم تمہیں اسی گناہ میں ملوث کر کے تمہیں بھی گناہ کی ذلت دکھا دیں گے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مجمع میں ایک بندے کی توبہ قبول ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کی برکت سے پورے مجمع کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے وعظاً بلیغاً فرمایا اور سننے والے صحابہ میں سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا۔ اس ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے رونے پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا رونا اللہ رب العزت کو اتنا پسند آ گیا کہ محفل میں لوگوں نے جتنا بھی مانگا اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا۔ کسی عارف نے کیا ہی اچھی بات کہی،

بیگناہوں میں چلا زاہد جو اس کو ڈھونڈنے
مغفرت بولی، ادھر آئیں گناہگاروں میں ہوں
وہ کرشمے شانِ رحمت نے دکھائے روزِ حشر
چیخ اٹھا ہر بیگناہ میں بھی گناہگاروں میں ہوں

ایک سبق آموز واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک بوڑھا آدمی مسلمان ہوا اور تابعین میں

سے بنا۔اس نے اپنی پہلی زندگی گانا گانے میں گزاردی تھی ۔اس کی آواز بڑی اچھی تھی ۔ جب وہ گانا گاتا تھا تو لوگ اس کے شیدائی تھے ۔اس کے گرد سینکڑوں لوگوں کا مجمع ہوتا تھا۔اس کی آمدنی بے شمار تھی ۔اس کی اولا دنہیں تھی اوراس کی بیوی بھی فوت ہوگئی ۔

جب وہ بوڑھا ہوگیا تو دانت گر گئے جس کی وجہ سے وہ گا ہی نہیں سکتا تھا ۔اس کی آمدنی کا ذریعہ ختم ہوگیا۔ وہ مانگنے کے لئے واقف لوگوں کے پاس جاتا رہا۔ وہ کچھ عرصہ تو اسے دیتے رہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے بھی ان کو نہ کردی ۔ جب سب دوستوں نے نہ کردی تو کئی کئی دن تک کھانے کو نہ ملتا۔اس کو اپنی جوانی یاد آتی کہ میں اتنا حسین تھا، میری آواز کوئل کی مانند تھی ، جب میں گاتا تھا تو ہزاروں لوگ میری آواز پر مرتے تھے اور میری جھلک دیکھنے کو ترستے تھے لیکن آج میں دھکے کھاتا پھرتا ہوں اور کوئی بندہ مجھے ایک وقت کا کھانا دینے کو بھی تیار نہیں ہے ۔اس بڑھاپے، کمزوری اور بھوک کی حالت میں اس کا دل بڑا ہی کھٹا ہوا۔اس نے سوچا کہ کاش ! یہ راتیں میں اللہ کے لئے جاگا کرتا تو اللہ تعالیٰ تو مجھے کبھی اپنے دربار سے نہ دھتکارتے ،لیکن میں نے تو اپنی جوانی ضائع کردی ۔ نہ حسن و جمال رہا، نہ مال رہا اور نہ ہی کچھ اور میرے پلے رہا،اب میں رب کو کیسے مناؤں ۔

چنانچہ وہ اسی سوچ میں گم ہوکر جنت البقیع میں چلے گئے اور قبروں کے درمیان ایک جگہ بیٹھ کر اپنی جوانی کو یاد کر کے رونے لگ گئے ۔انہوں نے روتے روتے دعا مانگی،

”رب کریم! میں نے اپنی جوانی ضائع کردی،اب میرے پاس کچھ بھی نہیں کہ میں آپ کے حضور پیش کرسکوں ،میرے منہ میں دانت نہیں ، پیٹ میں آنت نہیں ، اب میں بوڑھا ہوں، لاٹھی کے سہارے چل کے آیا ہوں ، نہ آنکھوں میں بینائی ہے نہ

کانوں میں سماعت ہے، اے مالک! اب میں شرمندہ ہوں مگر میں یہاں آکر بیٹھا ہوں تاکہ میں اپنی قبر کے قریب ہو جاؤں۔‘‘

یہ واقعہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب وہ آدمی اپنے گناہوں پر نادم و شرمندہ ہو کر رویا تو اس کی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھا تو دیکھا کہ سامنے سے ایک آدمی چلا آرہا ہے۔ جب اس نے دیکھا تو وہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے اور انہوں نے اپنے سر کے اوپر کچھ اٹھایا ہوا تھا۔ وہ ڈر گیا کہ اب امیر المومنین آگئے ہیں، وہ تو مجھ جیسوں کا درے سے انتظام کرتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ مجھے بھی چند درے لگ جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا اور کچھ آگے چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد لوٹ کر دوبارہ اس کی طرف آئے۔ جب اس نے انہیں دوبارہ اپنی طرف آتے دیکھا تو اور زیادہ ڈر گیا کہ یہ پھر میری طرف آرہے ہیں، پتہ نہیں میرا کیا بنے گا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے تو انہوں نے وہ گٹھڑی اپنے سر سے اتار کر اس کے سامنے رکھی اور فرمانے لگے، ’’بھائی کھانا کھاؤ۔‘‘

وہ بوڑھا حیران ہوا کہ امیر المومنین مجھے کھانا پیش کر رہے ہیں۔ اس نے پوچھا، ’’اے امیر المومنین! آپ میرے لئے کھانا کیسے لائے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ’’دوپہر کا وقت تھا، میں قیلولہ کر رہا تھا کہ میں نے خواب دیکھا، مجھے خواب میں اللہ رب العزت کی طرف سے پیغام دیا گیا کہ میرا ایک دوست قبرستان میں پریشان بیٹھا ہے، وہ بھوکا ہے، عمر! جاؤ اور میرے اس دوست کو کھانا کھلا کے آؤ، جب میری آنکھ کھلی تو میں نے سوچا کہ اللہ کا دوست ہے، چنانچہ میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ جو کھانا تیار ہے وہ دے دو، اس نے کھانا باندھ دیا، میں نے کہا کہ میں اللہ کے دوست کی طرف جا رہا ہوں، لہٰذا کھانا ہاتھوں میں اٹھا کر نہیں بلکہ اپنے سر پر اٹھا کے لے

جاتا ہوں تاکہ اللہ کے دوست کا اکرام ہوسکے، اس لئے عمر کھانا سر پر اٹھا کر آیا ہے، اے اللہ کے دوست کھانا کھالو۔''

جب اس نے یہ سنا تو کہنے لگا، اچھا، میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنے رب کے سامنے توبہ کی تھی، میرا پروردگار کتنا کریم ہے کہ اس نے میرے تمام گناہوں کے باوجود میری ندامت کو قبول کرلیا اور وقت کے امیر المؤمنین کو خواب میں حکم دیا کہ جاؤ، میرے دوست کو کھانا کھلا کے آؤ، اے اللہ! تو کتنا کریم ہے۔

اس بات کو سن کر وہ بوڑھا اتنا رویا کہ وہیں روتے روتے حضرت عمرؓ کے سامنے اس نے اپنی جان اللہ کے حوالے کردی...... اللہ اکبر...... اللہ رب العزت بڑے قدردان ہیں۔ جس طرح اللہ رب العزت قدردان ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ صفت عطا فرمادیں۔

دارالعلوم جھنگ...... منزل کی طرف رواں دواں

عزیز طلباء! جب بھی کوئی بندہ اللہ رب العزت کی رضا جوئی کی خاطر دین کا علم حاصل کرنے کے لئے اپنے آرام، اپنی نیند اور اپنی آسائشوں کو قربان کرتا ہے تو اس کی یہ قربانیاں ضرور رنگ لاتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ قدردان ہیں اور وہ بندے کی قربانیوں کو ضائع نہیں فرماتے۔ وہ وعدہ دے چکے ہیں کہ مرد ہو یا عورت ہو، میں کسی کے کیے ہوئے عمل کو ضائع نہیں کروں گا۔ یہاں مختلف شہروں اور مختلف قبیلوں سے طلباء آئے ہوئے ہیں، اگرچہ طلباء کی تعداد کے حساب سے جگہ کم ہے لیکن انشاء اللہ اللہ تعالیٰ اس کو کھلا بھی کردیں گے۔ آج آپ بیٹھنے کے لئے جگہ ڈھونڈتے ہیں، انشاء اللہ وہ وقت بھی آئے گا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کھیلنے کے لئے بھی جگہ عطا فرمادیں گے۔

ادارے ایسے ہی بنتے ہیں۔ جب درخت شروع میں زمین سے نکلتا ہے تو اس

وقت چھوٹا سا پودا ہوتا ہے، وہ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ اسے چڑیا بھی چگ لیتی ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتے ہیں اور اس کی نشو ونما فرماتے ہیں، جب تن آور درخت بن جاتا ہے تو بندے بھی اس کے ساتھ لٹکتے پھریں تو اس کو پروا ہی نہیں ہوتی۔ ادارے بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ہمارا یہ ادارہ (دارالعلوم جھنگ) بھی بچپن کے بعد اب لڑکپن کی زندگی گزار رہا ہے اور جوانی کی طرف جا رہا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس ادارے کو پھلتا پھولتا دیکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

عمارت کا بنا لینا آسان ہوتا ہے لیکن اصل چیز یہ کہ متقی اور مخلص اساتذہ کی جماعت مل جائے۔ کئی مرتبہ لوگ محل کھڑا کر لیتے ہیں لیکن اس محل کا نام مدرسہ نہیں ہوتا بلکہ مدرسہ اساتذہ کی جماعت کا نام ہے۔ وہ جہاں بیٹھ جائیں وہی جگہ مدرسہ بن جاتی ہے۔ ہماری ہر وقت یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہم اپنے مدرسہ میں علمی لحاظ سے قابل سے قابل ترین استاد کو لائیں اور ان کو یہاں رہنے کے لئے جتنا اچھے سے اچھا ماحول دیا جا سکتا ہے ان کو پیش کریں تاکہ وہ بچوں کو اپنی علمی قابلیت استعمال کرتے ہوئے اخلاص کے ساتھ پڑھائیں اور بچے ان سے علمی فائدہ اٹھائیں۔ الحمدللہ ہر سال ایک دو استاد اس جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں اور الحمدللہ کچھ طلباء بھی اس قافلے میں شامل ہو جاتے ہیں۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

اللہ تعالیٰ نے کچھ کارواں بنا دیا ہے آئندہ سال اللہ تعالیٰ اسے اور بڑا کر دے گا۔ انشاءاللہ۔

ہم ایک جماعت ہیں۔ ایک ہوتی ہے بھیڑ اور ایک ہوتی ہے جماعت۔ بھیڑ

میں بھی بہت سارے لوگ ہوتے ہیں اور جماعت میں بھی بہت سارے لوگ ہوتے ہیں مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ جہاں بھیڑ ہوتی ہے وہاں لوگوں کی سوچیں اپنی اپنی ہوتی ہیں اور ایک جماعت کے لوگوں کی سوچیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ چونکہ ہم ایک جماعت ہیں اسلئے ہم سب کی سوچ ایک ہی ہے اور وہ سوچ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائیں۔ اس کو راضی کرنے کے لئے ہم یہ کتابیں پڑھتے ہیں ......اس کو راضی کرنے کے لئے ہم اساتذہ کی خدمت میں وقت گزارتے ہیں ......اور اس کو راضی کرنے کے لئے ہم مشائخ کے پاس آتے ہیں...... گویا ہمارے ہر کام کا اصل مقصد رضوان من اللہ اکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (الزمر : ۳)

[خبردار! دین خالص صرف اللہ کے لئے ہے]

یہ عاجز ہر وقت اس سوچ میں رہتا ہے کہ آپ کے لئے آرام دہ اور آسائش والی جگہ کا انتظام کیا جائے اور آپ کا کام ہے کہ شوق اور محبت سے پڑھیں اور علمی ماحول بنائیں، اخلاص کے ساتھ عمل والا ماحول بنائیں، ذکر اذکار والا ماحول بنائیں اور فسق وفجور سے ہر ممکن بچنے کی کوشش کریں تاکہ قیامت کے دن اللہ رب العزت کے حضور ہم سب کامیاب ہو جائیں۔

یہ عاجز بندہ جب دور بھی بیٹھا ہوتا ہے تو اساتذہ اور طلباء کے لئے دعائیں کر رہا ہوتا ہے۔ اس عاجز کی زندگی کا شاید ہی کوئی دن خالی جاتا ہو کہ جس دن تہجد میں اس مدرسہ کے اساتذہ اور طلباء کے لئے دعا نہ کرتا ہوں۔ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ توفیق دے دیتے ہیں۔ یہ اس عاجز کا کمال نہیں بلکہ یہ اس کمال والے کا کمال ہے۔ وہ جب چاہتا ہے، نا اہلوں پر بھی اپنی رحمتیں نازل فرما دیتا ہے۔ یہ بات تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں جن سے میرا ذاتی قرب بھی ہے اور

ان کو زیادہ پہچانتا بھی ہوں۔اس عاجز نے تہجد کے اوقات میں ان کے لئے دعائیں مانگیں، اتنی دعائیں تہجد کے اوقات میں آپ کے اپنے والد نے بھی نہیں مانگی ہوں گی۔الحمدللہ بلاناغہ دعائیں مانگتا ہوں۔جب دعا مانگتا ہوں تو اگرچہ نام تو نہیں لیتا لیکن ان کے چہرے میرے سامنے ہوتے ہیں۔علماء کے ناموں اور چہروں سے تو میں ویسے ہی واقف ہوں، طلباء میں سے بھی کچھ ایسے حضرات ہیں جن کو عاجز کی دعاؤں میں سے حصہ ملتا ہے۔اس عاجز کے پاس دینے کے لئے فقط دعا ہے اور میرے مالک کے پاس دینے کے لئے بڑے خزانے ہیں۔

تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ اس سال حج کے موقع پر اللہ رب العزت نے اس عاجز کو ملتزم سے لپٹ کر دعا مانگنے کی توفیق دی......ملتزم ایک ایسی جگہ ہے جو حجرِ اسود اور بابِ کعبہ کے درمیان ہے۔حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ اس جگہ جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ایک اور حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ جو بندہ اس جگہ سے لپٹ گیا وہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ معانقہ کر لیا۔نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس جگہ پر اس طرح لپٹ جاتے تھے جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کے سینے کے ساتھ لپٹ جاتا ہے۔شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں کہ محدثین نے فرمایا کہ ہم میں سے جس جس نے وہاں دعائیں مانگیں ہر ایک نے تصدیق کی کہ اس جگہ پر مانگی ہوئی دعائیں قبول ہوگئی ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح حدیث کا متن صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے اسی طرح ان محدثین کی تصدیق بھی تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ اس جگہ پر محدثین کی مانگی ہوئی دعائیں بھی قبول ہوئی ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ اب میں اس کتاب میں یہ حدیث مبارکہ لکھ رہا ہوں تو میں بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ میری دعائیں بھی قبول ہوئی ہیں......آپ خود اندازہ لگائیں کہ وہ کیسی قبولیت والی جگہ ہے۔

الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو بھی وہاں دعا مانگنے کا شرف عطا فرمایا۔ ان بیس منٹوں میں اس عاجز نے اس مرتبہ ایک ہی دعا مانگی،

"اے اللہ! جتنے لوگ اس عاجز کے ساتھ روحانی تعلق رکھتے ہیں اور جتنے بھی طلباء اور طالبات اس عاجز کے اداروں میں پڑھتے ہیں ان سب کو اپنے مقرب بندوں اور بندیوں میں شامل فرمالیجئے۔ اور قیامت تک ان اداروں میں جو لوگ بھی آکر پڑھتے رہیں گے ان کو بھی اپنے مقرب بندوں میں شامل فرمادیجئے اور ہمارے اس ادارے کو عینا یشرب بھا المقربون کا مصداق بنادیجئے۔"

ہمارے بڑے دور بیٹھ کر ہمارے لئے دعائیں کرتے تھے اور اب ہم اپنے دوست احباب کے لئے دور بیٹھے دعائیں کرتے ہیں۔

دور بیٹھا کوئی تو دعائیں دیتا ہے
میں ڈوبتا ہوں سمندر اچھال دیتا ہے

اللہ رب العزت ہماری اس دعا کو قبول فرمالے اور ہمیں گناہوں سے بچ کر اپنی رضا والی زندگی نصیب فرمادے۔ ہم بے قدرے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں قدردان بنا دے۔ ہم نے واقعی اللہ رب العزت کی وہ قدر نہیں کی جو کرنی چاہیے تھی۔ حیران اس بات پر ہوں کہ وہ ہم بے قدروں کو بھی نعمتیں دے دیتا ہے۔ وہ بڑے حوصلے والی ذات ہے جو ہمارے عیبوں کی ستر پوشی کر دیتا ہے اور ہمارے عیبوں کے باوجود لوگوں کی زبانوں سے ہماری تعریفیں کروا رہا ہے۔ پروردگارِ عالم آپ سب طلباء کی محنت کو قبول فرمائے، اساتذہ کی محنت کو قبول فرمائے اور ہم سب کو بحیثیت ایک جماعت کے قبول فرما کر اپنے مقرب بندوں میں شامل فرمادے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ

(البینۃ: ۵)

اخلاص کی برکات

یہ بیان 10 جنوری 2003ء کو جامع مسجد دار السلام ٹاؤن باغ (جھنگ) میں ہوا۔ جس میں سینکڑوں سالکین طریقت نے شرکت کی۔ (خطبہ جمعۃ المبارک)

اقتباس

اعمال کی قبولیت میں انسان کی نیت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ اسی لئے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا،

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ

[اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے]

نیت کے بدلنے سے انسان کے عمل کی حقیقت بدل جاتی ہے۔ اس لئے ہمیں اپنی نیتوں کو دیکھتے رہنا چاہیے، سوچتے رہنا چاہیے اور ان کو ٹھیک کرتے رہنا چاہیے کیونکہ نیت کے ٹھیک ہونے سے چھوٹے چھوٹے اعمال پر بہت بڑا اجر مل جاتا ہے اور نیت میں فرق آ جانے سے پہاڑوں جیسے اعمال پر انسان کو کچھ اجر نہیں ملتا۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

اخلاص کی برکات

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِO بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِO

وَمَااُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْااللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البينة:۵)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَO وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ O

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

دین کے تین درجے

دین کے تین درجے ہیں جن کو طے کر کے انسان اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بنتا ہے

(۱)...... پہلا درجہ علم کا حاصل کرنا ہے۔علم ایک نور ہے جس سے انسان اپنی زندگی گزارنے کی رہنمائی حاصل کرتا ہے۔اگر علم ہی نہ ہو تو انسان عمل کیسے کر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ ایک بنیاد ہے۔اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا،

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ

(علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے)

اس ایک کا یہ مطلب ہے کہ ضروریاتِ دین کا علم حاصل کرنا تو ہر ایک پر لازم

ہے البتہ اس کی تفصیلات کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو علم کی تفصیلات کو بھی جانیں گے۔ایک ایسی جماعت ہر زمانے میں ہونی چاہیے۔رہ گئی میرے اور آپ جیسے عوام الناس کی بات تو ہمیں ضروریاتِ دین کا پتہ ہونا ضروری ہے۔یاد رکھیں کہ......

......فرض کا علم حاصل کرنا فرض ہے،

......واجبات کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور

......سنن کا علم حاصل کرنا سنت ہے۔

(۲)......دوسرا درجہ علم پر عمل کرنے کا ہے کیونکہ فقط علم حاصل کرنے سے کام نہیں بنتا۔اگر نمٹ علم پر مغفرت ہوتی تو شیطان کی مغفرت ہو چکی ہوتی۔اس کے پاس علم تو بہت تھا لیکن عمل میں کوتاہی کر گیا۔جو انسان اپنے علم پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے علمِ لدنی عطا فرما دیتا ہے۔

مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَالَمْ يَعْلَمْ

[جو اپنے علم پر س لرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وہ علم عطا کرتا ہے جو وہ نہیں جانتا]

عام طور پر شیطان طلباء کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ تم ابھی علم حاصل کر لو پھر بعد میں اکٹھا عمل کر لینا۔جس نے یہ بات سوچنا شروع کر دی وہ شیطان کے دھوکے میں آ گیا۔اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ادھر پڑھو اور ادھر عمل کرو، یہی صحابہ کرامؓ کا خلق تھا۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دو سال میں سورۃ بقرہ پڑھی لیکن جب سورۃ بقرہ مکمل ہوئی تو میرا عمل بھی سورۃ بقرہ کے مطابق ہو چکا تھا۔

(۳)......تیسرا درجہ اخلاص کا ہے۔یعنی جو عمل بھی کریں اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔یہ سب سے مشکل مرحلہ ہے۔اس لئے دل چاہتا ہے کہ اس محفل میں

اخلاص کے بارے میں بات کی جائے۔ جو انسان اس درجہ کیلئے پر قدم اٹھائے گا اور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تب پتہ چلے گا کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔ اعمال کر لینا آسان ہے لیکن اس معیار کے اعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ کو پسند آ جائیں، یہ انتہائی مشکل کام ہے۔ اسی لئے اللہ والے کرتے بھی ہیں اور ڈرتے بھی ہیں۔ وہ ساری عمر رات کو تہجد کی پابندی کے ساتھ گزارنے کے باوجود کہتے ہیں،

مَاعَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ وَمَاعَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ

وہ ساری رات تہجد کی نماز پڑھنے میں گزار دیتے تھے اور پھر صبح کے وقت اس پر اتنے نادم ہوتے تھے اور اتنا استغفار کرتے تھے کہ جیسے وہ ساری رات کسی کبیرہ گناہ کے مرتکب ہو رہے ہوتے تھے۔

كَانُوا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝

(الذّٰریٰت: ۱۸/۱۷)

رات کو کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت مغفرت مانگا کرتے تھے

وہ شب بھر اللہ رب العزت کے حضور اپنی جبینِ نیاز جھکائے رکھتے تھے اور صبح کے وقت حسرت کرتے تھے کہ ہم ایسے عمل نہ کر سکے جیسے ہمیں کرنے چاہییں تھے۔ بلکہ کتابوں میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ وہ صبح کے وقت اٹھ کر اپنے چہرے پر اس خوف سے ہاتھ لگا کر دیکھتے تھے کہ کہیں ہماری شکلیں تو مسخ نہیں ہو گئیں۔ آج ہم اپنے گناہوں پر اتنا خوفزدہ نہیں ہوتے جتنا ہمارے اکابر اپنی نیکیوں کے رد ہو جانے پر اللہ سے خوفزدہ ہوا کرتے تھے۔

اعمال کی قبولیت میں نیت کا دخل

اعمال کی قبولیت میں انسان کی نیت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ اسی لئے نبی علیہ السلام

نے ارشاد فرمایا،

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ

[اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے]

نیت کے بدلنے سے انسان کے عمل کی حقیقت بدل جاتی ہے۔اس لئے ہمیں اپنی نیتوں کو دیکھتے رہنا چاہیے،سوچتے رہنا چاہیے اور ان کو ٹھیک کرتے رہنا چاہیے کیونکہ نیت کے ٹھیک ہونے سے چھوٹے چھوٹے اعمال پر بہت بڑا اجر مل جاتا ہے اور نیت میں فرق آ جانے سے پہاڑوں جیسے اعمال پر انسان کو کچھ اجر نہیں ملتا۔اس لئے نیت کا ٹھیک کرنا انتہائی ضروری ہے۔اس کی مثالیں سن لیجئے۔

(۱)...... شیخ الحدیث حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ دریائے جمنا کے کنارے رہتے تھے۔ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا،جی دریا کے دوسرے کنارے میرا ایک کام ہے لیکن دریا کے اندر طوفان بہت ہے،جس کی وجہ سے کشتی کے ذریعے جانا مشکل ہے،اب میں کیا کروں؟ انہوں نے فرمایا، جاؤ اور دریا کے کنارے کھڑے ہو کر کہہ دو کہ تجھے اس شخص کی طرف سے پیغام ہے جس نے کبھی اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری نہیں کی اور نہ کبھی کھانا کھایا ہے،کہ تم مجھے راستہ دے دو۔اب وہ بندہ تو یہ سن کر چلا گیا اور جا کر دریا کو وہی پیغام دیا...... دریا کی طغیانی کم ہو گئی اور اس شخص نے آرام سے دریا پار کر لیا۔

ادھر بیوی صاحبہ نے بھی شوہر کی یہ بات سن لی تھی اور ماشاء اللہ سات بچے بھی تھے۔وہ بڑی تلملائی کہ یہ عجیب ہے مجھے رسوا کر رہا ہے۔وہ بزرگ جب اپنے گھر میں آئے تو وہ آگے غصے سے بھری بیٹھی تھی۔کہنے لگی کہ یہ جو تو کھا کھا کر موٹا ہو رہا ہے اس کو تو تو جان اور تیرا خدا لیکن یہ بتا کہ تو نے جو میرے ساتھ کبھی ملاقات نہیں کی تو یہ سات بچے کہاں سے ہو گئے۔اس پر انہوں نے اس کو وضاحت کے ساتھ بات

سمجھائی کہ دیکھ میں نے جب بھی کھانا کھایا ہمیشہ اس نیت سے کھایا کہ اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ نے فرمادیا کہ تیری جان کا تجھ پر حق ہے، اس لئے اپنی جان کا حق ادا کرنے کے لئے کھانا کھایا نفس کی لذت کی وجہ سے کبھی نہیں کھایا۔ اسی طرح اگرچہ میں سات بچوں کا باپ ہوں مگر بیوی سے ملاقات کرتے ہوئے میرے دل میں ہمیشہ یہ نیت ہوتی تھی کہ شریعت نے مجھ پر بیوی کے حقوق عائد کئے ہیں لہٰذا میں اپنی بیوی کا حق ادا کر رہا ہوں، میرا مقصد فقط نفس کی لذت اور اپنی خواہشات کو پورا کرنا نہیں ہوتا تھا، اگرچہ میں نے اتنی بار اس کا حق ادا کیا مگر یہ ایسے ہی تھا جیسے میں نے اپنے لئے کیا ہی نہیں۔

(۲)...... ہم نے بڑے بڑے علماء کو دیکھا کہ جب ان کی صحبت میں گھنٹہ دو گھنٹہ بیٹھیں تو وہ خاموش ہی رہتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ آپ طبعاً کم گو تھے لیکن جب کوئی آدمی دین کی بات چھیڑ دیتا تھا تو پھر دلائل کے انبار لگا دیتے تھے۔ پھر آپ کو چپ کرانا مشکل ہوتا تھا۔

(۳)...... یہی چیز ہمارے حضرت سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ میں تھی۔ وہ بہت بڑے عالم اور فقیہہ تھے۔ ان کی کتاب ''عمدۃ الفقہ'' آج بڑے بڑے مفتی حضرات کی میز پر سجی ہوئی ہوتی ہے۔ ان کی ایک عجیب عادت تھی کہ اگر ان کے پاس جا کر کوئی آدمی بیٹھ جاتا اور وہ خاموش رہتا تو حضرت بھی خاموش رہتے۔ حتیٰ کہ ایک یا دو گھنٹے بھی گزر جاتے تھے۔ یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ اتنے علم کے بعد بھی انسان میں اتنی خاموشی ہو۔ البتہ جہاں کوئی سوال پوچھ لیتا تو ایسا تفصیلی جواب دیتے کہ محسوس ہوتا تھا کہ شاید پورے اسباق کا مطالعہ ابھی کر کے آئے ہیں۔

ایک مرتبہ طلباء کی ایک جماعت ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انہوں نے اذانِ جوق کا مسئلہ پوچھ لیا...... پہلے زمانے میں سپیکر نہیں ہوتے تھے، مسجدیں بڑی

ہوتی تھیں اور لوگ بھی زیادہ ہوتے تھے جس کی وجہ سے کافی لوگ مل کر اذان دیتے تھے۔ اسے اذانِ جوق کہا جاتا تھا۔ اب یہ مسئلہ عام طور پر پیش نہیں آتا...... حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی تفصیلات اور جزئیات بتانا شروع کیں۔ ہم نے دیکھا کہ انہوں نے پورا ڈیڑھ گھنٹہ اس ایک مسئلے کی تفصیلات بتانے میں لگا دیا۔

اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

ہم نے یہ خلق ان کی صحبت میں پایا کہ اللہ والوں کی بات کلام نہیں ہوتا بلکہ جواب ہوتا ہے۔ وہ ازخود بات نہیں کرتے، حتی الوسع چپ رہتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر ازخود بات کریں گے تو پوچھا جائے کہ کیوں بولے تھے۔ اور جب کوئی بندہ کوئی بات پوچھ لیتا ہے تو پھر وہ اس کا جواب دینے پر مامور ہوتے ہیں۔ شریعت حکم دیتی ہے کہ تم اس کا جواب دو۔ لہٰذا اگر اب جواب دیں گے تو پھر اس پر مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ اجر ملے گا۔

ہمارا یہ حال ہوتا ہے کہ دو لفظ پڑھے نہیں ہوتے اور ٹر ٹر کرتے ہماری زبان نہیں تھکتی ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ ہمیں ابھی اپنے نامۂ اعمال کی فکر نہیں لگی ہوتی کہ کل اس کا جواب کیسے دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بات تو دو بندے کر رہے ہوتے ہیں اور تیسرا سننے والا ان کو فتوے دے رہا ہوتا ہے۔ بھئی آپ مفتی کب سے بنے؟ جب آپ سے بات پوچھی نہیں گئی تو پھر درمیان میں ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ اس بات کی پہچان ہے کہ ابھی اس کو اپنے نامۂ اعمال کی فکر نہیں لگی۔ اگر فکر لگتی تو درمیان میں اس کا جواب دینا مشکل معلوم ہوتا۔

(۴)...... حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی آدمی بیعت ہونے کے لئے میرے پاس آتا ہے تو مجھے اس سے یوں ڈر لگتا ہے جیسے کسی بندے کو شیر سے ڈر لگتا ہے۔ کسی نے پوچھا، کیوں؟ فرمایا، اس لئے کہ یہ داخلِ

سلسلہ ہوا تو آج کے بعد اس کے اعمال کے بارے میں بھی مجھ سے پوچھا جائے گا۔لیکن وہ بیعت سب کو کرلیا کرتے تھے ۔ کسی نے پوچھا، حضرت! پہلے والے بزرگ تو بڑے استخاروں کے بعد، بڑی سوچ بچار کے بعد اور مہینوں کے انتظار کے بعد بیعت کرتے تھے اور آپ کے پاس جو آتا ہے اور جیسے آتا ہے، اسے بیعت کر لیتے ہیں ۔ یہ سن کر حضرت نے بڑا عجیب جواب دیا۔فرمانے لگے کہ بھئی! جو آ کر بیعت کی تمنا ظاہر کرتا ہے میں اسے مؤمن بھائی سمجھ کر اس کی بات کو پورا کر دیتا ہوں اور اس وقت میری یہ سوچ ہوتی ہے کہ اگر کل قیامت کے دن میں اللہ رب العزت کے حضور پکڑا گیا تو ان میں سے کوئی تو ایسا ہوگا جو میری بھی شفاعت کر دے گا۔

ان مثالوں سے پتہ چلا کہ اخلاص کے ساتھ اعمال کا کرنا انتہائی ضروری ہے اور اس کے بغیر گزارہ نہیں ہے۔

ریاء سے بچنا امّ الوظائف ہے

اگر انسان اہل اللہ کے پاس وقت نہ گزارے تو پھر اس کے اندر ریا کاری اور دکھاوا ہوتا ہے......دکھاوا کسے کہتے ہیں؟......دکھاوا یہ ہے کہ بندہ عمل تو کرتا ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ لوگ مجھے اچھا کہیں۔وہ حیلے بہانے سے لوگوں کو بتاتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا۔اور جب لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی تقریر تو بہت اچھی تھی اور آپ کے تو شاگرد بہت زیادہ ہیں تو اس کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔بعض اوقات انسان بات کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ جب میں پانچویں دفعہ حج پر گیا تو اس وقت یہ واقعہ پیش آیا۔اب اگر کوئی پوچھے کہ آپ نے واقعہ ہی سنانا تھا تو یہ پانچ کا لفظ بولنا کیا ضروری تھا۔مگر نفس کہتا ہے کہ میں بتاؤں گا کہ پانچ حج کیے ہیں تو لوگ سمجھیں گے کہ یہ بھی کچھ ہے۔گویا مخلوق سے تعریف کی توقع رکھنا اور ان سے تعریفوں پر خوش ہونا ہی ریا کاری ہے اور اس سے جان چھڑانا بڑا مشکل ہے۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بعض اوقات ایک آدمی غلافِ کعبہ کو پکڑ کر دعا مانگ رہا ہوتا ہے اور اہلِ خراسان کو اپنا عمل دکھا رہا ہوتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ غلاف کعبہ کو پکڑ کے دعا مانگ رہا ہوتا ہے اور اہلِ خراسان کو اپنا عمل کیسے دکھاتا ہے۔ وہ فرمانے لگے کہ دعا مانگتے ہوئے اس کے دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ کاش، میرے وطن کے لوگ مجھے دیکھتے کہ میں کس طرح کعبہ سے لپٹ کر دعائیں مانگ رہا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے یہ کام اللہ کے لئے نہیں کیا بلکہ اس نے اپنے ہم وطنوں کو دکھانے کے لئے یہ کام کیا ہے۔ لہٰذا اعمال ریا سے خالی ہوں، یہی ام الوظائف ہے۔

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ جب کوئی بندہ اعمال میں ریا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ فلاں بندے کی طرف دیکھو کہ وہ ہمارے ساتھ ٹھٹھا اور مذاق کر رہا ہے۔ ہمارے اسلاف کی تو یہ حالت ہوتی تھی کہ وہ روزے پہ روزہ رکھتے تھے اور جب باہر نکلنے لگتے تھے تو اپنا ہاتھ منہ دھو کر ہونٹوں پر گھی لگا لیتے تھے تاکہ دیکھنے والے ہونٹوں کی خشکی سے بھی نہ پہچانیں کہ اس نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب کسی کو دیکھتے کہ ظاہر میں گردن جھکا کے اور بنا سنوار کے باتیں کر رہا ہے تو اس کو درہ لگاتے اور فرماتے کہ یہ کیفیت ظاہر کرنے کی جگہ تنہائی ہوتی ہے...... جو لوگ ریا سے اپنی جان چھڑا لیتے ہیں اور اپنے اندر اخلاص پیدا کر لیتے ہیں ان کی طبیعتوں میں عاجزی آ جاتی ہے اور وہ اپنے اعمال پر نگران ہوتے ہیں۔ یہی مخلص بندے کی پہچان ہوتی ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا اخلاص

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جنگ یرموک کے موقع پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو خط بھیجا کہ آج سے، آپ جو امیر لشکر تھے اس پوسٹ (عہدہ) سے اتر گئے اور جو

خط لے کر آ رہے ہیں یہ اس پوسٹ پر آ گئے ، اگر آپ میرے پاس واپس آنا چاہتے ہیں تو مدینہ آ جائیں اور اگر عام فوجی کی طرح لڑنا چاہیں تو آپ کو لڑنے کی اجازت ہے۔ تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ واپس نہ آئے بلکہ ایک عام فوجی بن کر لڑنا قبول کیا۔ بعد میں کسی نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے پوچھا، حضرت! پہلے تو آپ فوج کے کمانڈر انچیف تھے اور ایک خط کے ذریعے آپ کو ایک عام فوجی بن کر لڑنا پڑا، آپ کے لئے تو یہ بڑا مشکل ہو گا۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے لئے کوئی مشکل نہیں تھا کیونکہ جب میں فوج کا امیر تھا تو اس وقت بھی میں اسی مالک کو راضی کرنا چاہتا تھا اور جب میں ایک سپاہی بن کر لڑا تب بھی میں اسی مالک کو راضی کر رہا تھا۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ کا اخلاص

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ حج کے سفر سے واپسی پر ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ ان کے قریب ایک ہندو جنٹلمین بھی بیٹھا ہوا تھا۔ دورانِ سفر اس کو بیت الخلاء جانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس نے جا کر دیکھا تو بیت الخلاء بہت گندہ تھا۔ چنانچہ وہ جلد ہی واپس آ گیا۔ کسی نے پوچھا کہ آپ گئے تھے اور جلدی ہی واپس آ گئے۔ اس نے کہا، لوگ گند مچا دیتے ہیں، بیت الخلاء میں صفائی ہی نہیں کرتے، مجھے ضرورت تو تھی لیکن بیت الخلاء اتنا گندہ تھا کہ میں اس کو استعمال ہی نہیں کر سکا۔

یہ بات کر کے وہ ہندو بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ الحدیث شیخ طریقت حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اٹھے اور ٹرین کے بیت الخلاء میں تشریف لے گئے اور سارے بیت الخلاء کو صاف کر دیا۔ جب صاف کرنے کے بعد واپس آ کر بیٹھے تو کہنے لگے کہ میں بیت الخلاء استعمال کرنے کے لئے گیا تو ابھی تو بڑا صاف تھا۔ یہ اس لئے کہا کہ وہ استعمال کر لے۔ اب جب ہندو دوبارہ گیا تو اس نے اس کو صاف

پایا۔ اس نے اسے استعمال کیا اور واپس آ کر کہنے لگا، جی واقعی کسی نے صاف کر دیا تھا۔

لوگوں کو تجسس ہوا کہ آخر اس کو کس نے صاف کیا۔ وہاں ایک عالم اور بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا نام خواجہ نظام الدین تھا۔ انہوں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں غائبانہ طور پر کچھ باتیں سنی ہوئی تھیں اور وہ ان کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے جب کھود کرید کی تو پتہ چلا کہ حضرت مدنیؒ نے بیت الخلاء صاف کیا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کھدر پوش فقیر کے سامنے خواجہ نظام الدین نے اپنے ہاتھ جوڑ دیئے اور کہنے لگے، جی آپ مجھے معاف کر دیں، میں نے عمر بھر آپ کی غیبت کی، مجھے آپ کی عظمتوں کا پتہ نہیں تھا، آج پتہ چلا کہ آپ کتنے عظیم انسان ہیں کہ ایک ہندو کی خاطر آپ نے ایسا کام کیا ہے۔ حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ میں نے تو اپنے محبوب ﷺ کی سنت پر عمل کیا ہے۔ لوگ حیران ہو کر پوچھنے لگے، وہ کیسے؟ تو فرمایا کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں ایک یہودی آیا۔ اس کو بھوک لگی ہوئی تھی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو کھانا دیا تو اس نے کھانا زیادہ کھا لیا۔ رات کو نبی علیہ السلام نے اس کو سونے کے لئے بستر دیا۔ پیٹ نرم ہونے کی وجہ سے قدرتاً اس کی ایسی کیفیت ہوئی کہ اسی بستر میں اس کا پاخانہ خارج ہو گیا۔ وہ صبح اسی حالت میں اٹھ کر وہاں سے چل دیا۔ جب وہ کچھ دور پہنچا تو اسے یاد آیا کہ وہ جلدی میں اپنا کچھ سامان وہاں بھول گیا ہے۔ چنانچہ جب وہ سامان لینے کے لئے واپس آیا تو دیکھا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ہاتھوں سے اس بستر کو دھو رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں سے آنسو نکل آئے اور اس نے کہا، آپ کو اللہ نے وہ خلق عطا کیے جو خلق دنیا میں کہیں کسی کے پاس نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا آپ مجھے کلمہ پڑھا کر مسلمان بنا دیجئے۔ تو حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ میرے آقا ﷺ نے مہمان کی خاطر

یہ عمل کیا تھا اور میں نے بھی اپنے آقا ﷺ کی سنت پر عمل کیا ہے۔ تو یہ مخلص لوگ تھے۔

حضرت عبدالمالک صدیقیؒ کا اخلاص

جب ریاء دل سے نکلتی ہے تو پھر ''میں'' کی دھجیاں اڑ جاتی ہیں اور انسان کے اندر عاجزی بھر جایا کرتی ہے۔ پھر وہ لوگوں کی کڑوی کسیلی باتیں بھی صبر کے ساتھ سن لیتا ہے...... حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ تعالیٰ نے دین کے خزانے تو کھولے ہی تھے آخری عمر میں ان پر دنیا کے دروازے بھی کھول دیئے تھے۔ چنانچہ ان کو خوب فتوحات حاصل تھیں۔ اس کی وجہ سے ان کے بعض ہم عصر علماء کبھی کبھی ادھر ادھر کی باتیں کر دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے، جی اتنی بڑی مسجد بنا دی، یہ پیسہ آ گیا وہ پیسہ آ گیا...... اللہ کی شان دیکھو کہ مسجد کوئی بناتا ہے اور مروڑ کسی اور کے دل میں اٹھتا ہے...... حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہی رہتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک شہر سے حضرت کے مرید ان سے ملنے کے لئے آئے۔ اس شہر کے ایک بڑے عالم تھے، وہ ان سے ملے اور پوچھا، کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا، جی میں حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا، اچھا ان کو میرا پیغام دے دینا کہ دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں، جب ایک سے نکاح کرتا ہے تو دوسری روٹھ جایا کرتی ہے...... اصل میں انہوں نے چوٹ کی تھی کہ اب آپ پر فتوحات کے دروازے کھل گئے ہیں لہٰذا اب آپ اپنے دین کی خیر منائیں۔

جب وہ صاحب حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں آئے اور ان سے ملے تو حضرت نے اس کے حال احوال پوچھے اور قدرتاً یہ بھی پوچھ لیا کہ آپ کے شہر کے وہ بڑے عالم کس حال میں ہیں۔ اس نے کہا، جی ٹھیک ہیں۔ پھر پوچھا کہ ان سے آپ کی ملاقات کب ہوئی تھی؟ انہوں نے کہا، جی آتے ہوئے ملاقات ہوئی تھی۔

حضرت نے پوچھا، بھئی انہوں نے کوئی بات کہی تھی؟...... جی ہاں، یہ اللہ والے جو اسیس القلوب (دلوں کے جاسوس) ہوتے ہیں...... جب یہ پوچھا تو وہ صاحب خاموش ہو گئے۔ اب حضرت صدیقیؒ کو اندازہ ہو گیا کہ کوئی بات ہے۔ چنانچہ حضرتؒ نے فرمایا، جو بات انہوں نے تمہیں کی تھی من وعن وہی بات تم مجھے کہو۔ اب وہ پھنس گیا۔ بہر حال اس نے بادلِ نخواستہ بتایا کہ حضرت! جب میں ان سے ملا اور بتایا کہ آپ کو ملنے جا رہا ہوں تو بڑے مسکرائے اور کہنے لگے کہ میرا پیغام دے دینا کہ دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں، جب بندہ ایک سے نکاح کرتا ہے تو دوسری روٹھ جایا کرتی ہے۔ یہ بات سن کر حضرت صدیقیؒ نے سر جھکا لیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو گرنا شروع ہو گئے۔ اتنے آنسو گرے کہ آپ کا دامن آنسوؤں سے تر ہو گیا۔

اب وہ آدمی پریشان ہوا کہ میں نے کون سی بات کر دی کہ حضرت اتنے غمزدہ ہوئے۔ جب حضرت کافی دیر روتے رہے تو پھر اس نے پوچھا، حضرت! اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو آپ مجھے معاف فرما دیں۔ آپ نے فرمایا، نہیں نہیں، آپ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ اس نے کہا، حضرت! پھر آپ اتنا کیوں روئے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں شکر کی وجہ سے رو رہا ہوں کہ الحمد للہ اس وقت بھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کو ہمارے سیدھے رہنے کی فکر موجود ہے اور وہ ہمیں نصیحتیں کرتے رہتے ہیں۔ اب بتائیے کہ حضرت اس کو جواب میں کیا کچھ کہہ سکتے تھے لیکن اپنی عالی ظرفی کی وجہ سے خاموش رہے۔ ہم ہوتے تو کیا کہتے؟ ہم کہتے کہ بڑے آئے بات کرنے والے۔ یہ نہیں دیکھتے وہ نہیں دیکھتے، مگر نہیں، اللہ والوں کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

مولانا خیر محمد جالندھریؒ کا اخلاص

حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ حضرت اقدس تھانویؒ کے خلفاء میں سے تھے۔

ایک مرتبہ آپ درس حدیث دے رہے تھے کہ آپ کو درس کے دوران ایک جگہ پر اشکال وارد ہوا۔ کافی سوچا اور حاشیہ بھی دیکھا مگر وہ اشکال رفع نہیں ہوتا تھا۔ حضرت نے تھوڑی دیر کے بعد طلباء کو بتا دیا کہ اس جگہ پر میرے دل میں یہ اشکال وارد ہوا ہے اور اس کا جواب میری سمجھ میں نہیں آ رہا...... کوئی ہم جیسا ہوتا تو گول ہی کر جاتا۔ جہاں سے آتا ہے پڑھا دیتے ہیں اور جہاں سے نہیں آتا اس کو ایسے پڑھا دیتے ہیں کہ دو دنوں میں دو مہینوں کا کورس ختم ہو جاتا ہے۔ جب طلباء پوچھتے ہیں کہ یہ کیسے ہے تو کہتے ہیں کہ اس کا جواب آگے آئے گا اور جب آگے چل کر پوچھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس کا جواب پیچھے گزر چکا ہے...... مگر وہ حضرات اخلاص والے تھے۔ چنانچہ انہوں نے خود طلباء کو بتا دیا کہ میرے دل میں یہ اشکال ہو رہا ہے اور میرے ذہن میں اس کا جواب نہیں آ رہا۔ طلباء سے بھی پوچھا کہ اگر آپ لوگوں کے ذہن میں کوئی جواب آ رہا ہو تو آپ بتا دیجیے۔ طلباء سوچتے رہے مگر ان کے ذہن میں بھی جواب نہیں آیا۔ اس وقت حضرت کے ایک شاگرد تھے جنہوں نے حضرت سے ہی دورۂ حدیث کیا تھا مگر چونکہ ان کی استعداد اچھی تھی اس لئے حضرت نے ان کو اپنے مدرسہ میں استاد رکھا تھا۔ وہ استادِ حدیث تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت کہنے لگے، اچھا میں ان سے پوچھ کر آتا ہوں۔ یہ دل میں نہیں تھا کہ یہ بچے میرے بارے میں کیا سوچیں گے۔ شیخ الحدیث ہو کر اپنے شاگرد سے پوچھنے چلے گئے۔

جب حضرت بخاری شریف لے کر جانے لگے تو ایک طالب علم پیچھے سے جلدی سے بھاگا کہ میں ان کو جا کر اطلاع دے دوں کہ حضرت تشریف لا رہے ہیں۔ وہ کلاس میں پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے جا کر ان کو بتایا کہ حضرتؒ آپ کے پاس تشریف لا رہے ہیں تو انہوں نے اپنا درس وہیں موقوف کیا اور جلدی سے باہر نکلے برآمدے میں استاد شاگرد کی ملاقات ہوئی۔ استاد نے پوچھا، مولانا! مجھے اس

جگہ اشکال وارد ہوا ہے اور کچھ بات سمجھ میں نہیں آرہی، میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ ہی ذرا بتا دیں۔ جب شاگرد نے وہ جگہ دیکھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں جواب ڈال دیا تو انہوں نے استاد کی خدمت میں عرض کیا، حضرت! جب میں آپ کے پاس پڑھتا تھا تو اس وقت اس مقام پر پہنچ کر آپ نے اس مسئلہ کو یوں حل کیا تھا اور آگے اس کا جواب بتا دیا۔ یہ نہیں کہا کہ حضرت! میرے دل میں یہ جواب آرہا ہے۔ جب استاد ایسے تھے تو پھر شاگرد بھی ایسے ہوتے تھے۔ کاش کہ ہمیں بھی ایسا اخلاص نصیب ہو جائے۔

مخلص بندے کے کام میں اللہ تعالیٰ کی مدد

یہ بات ذہن میں رکھنا کہ اخلاص کے اندر اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت رکھی ہے۔ ظاہر میں نظر آتا ہے کہ کام اٹک جائے گا اور رک جائے گا مگر مخلص بندے کے کام کو اللہ تعالیٰ کبھی اٹکنے نہیں دیتے، کبھی رکنے نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ اس کے کام کو کروا دیا کرتے ہیں۔ اب ذرا چند مثالیں سن لیجئے۔

(۱)...... ایک مرتبہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ جہاد کے دوران ایک کافر کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ آپ چاہتے تھے کہ اس کو خنجر سے ذبح کر دوں۔ اس نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے چہرۂ انور پر تھوک دیا۔ جیسے ہی اس مردود نے تھوکا آپ فوراً پیچھے ہٹ گے۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ اب تو انہیں ضرور ہی قتل کر دینا چاہیے تھا۔ وہ پوچھنے لگا کہ جی آپ نے مجھے قتل کیوں نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مارنا چاہ رہا تھا، اب تم نے میری طرف جو تھوکا تو میرے نفس کا غصہ بھی شامل ہو گیا اور میں اپنے نفس کی خاطر کسی کو قتل نہیں کرنا چاہتا۔ جب اس نے یہ سنا تو وہ اتنا متاثر ہوا کہ کہنے لگا، اچھا! پہلے تو میں کفر پہ مر رہا تھا اب آپ کا اخلاص مجھے اتنا اچھا لگا کہ آپ مجھے بھی کلمہ پڑھ کر مسلمان بنا دیجئے۔ اب ظاہر میں یہ نظر آرہا ہے کہ یہ پیچھے ہٹ گئے

تو یہ بندے کو نہیں ماریں گے مگر اللہ تعالیٰ کام کو ادھورا نہیں رہنے دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو کلمے کی توفیق عطا فرمادی۔

(۲)...... سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک علاقے کا شہزادہ تھا۔ وہ گرفتار ہو کر پیش ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ اس بندے کو قتل ہی کروا دیں کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف بہت ہی زیادہ مصیبت بنائی ہوئی تھی۔ چنانچہ آپ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ جب قتل کا حکم دے دیا تو اس نے کہا، جی کیا آپ میری آخری تمنا پوری کر سکتے ہیں؟ آپ نے پوچھا، کون سی؟ اس نے کہا، مجھے پیاس لگی ہوئی ہے لہٰذا مجھے پانی کا پیالہ پلا دیجئے۔ آپ نے حکم دیا کہ اسے پانی کا پیالہ پلا دو۔ چنانچہ اسے پانی کا پیالہ دے دیا گیا۔

جب اس نے پانی کا پیالہ ہاتھ میں لیا تو کانپنا شروع کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، بھئی! آپ کانپ کیوں رہے ہیں؟ کہنے لگا، مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ میں ادھر پانی پینے لگوں گا اور ادھر جلاد مجھے قتل کر دے گا اس لئے مجھ سے پیا ہی نہیں جا رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تو فکر نہ کر، جب تک تو یہ پانی نہیں پی لیتا اس وقت تک تجھے قتل نہیں کیا جائے گا۔ جیسے ہی آپ نے یہ کہا تو اس نے پانی کا وہ پیالہ زمین پر گرا دیا اور کہنے لگا، جی آپ قول دے چکے ہیں کہ جب تک میں پانی کا یہ پیالہ نہیں پیوں گا آپ مجھے قتل نہیں کریں گے، لہٰذا اب آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہاں میں نے قول دیا تھا لہٰذا اب میں تجھے قتل نہیں کرتا۔ جیسے ہی آپ نے کہا کہ میں تجھے قتل نہیں کرتا تو اس وقت وہ کہنے لگا، جی اچھا، آپ نے تو فرما دیا کہ آپ مجھے قتل نہیں کریں گے لیکن میری بات بھی سن لیجئے کہ آپ مجھے کلمہ پڑھا کر مسلمان بنا دیجئے۔ آپ نے پوچھا، بھئی! آپ پہلے تو مسلمان نہیں بنے اب بن رہے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ پہلے آپ میرے قتل کا حکم دے چکے تھے، اگر میں

اس وقت کلمہ پڑھ لیتا تو لوگ کہتے کہ موت کے خوف سے مسلمان ہوا ہے، لہٰذا میں چاہتا تھا کہ کوئی ایسا حیلہ کروں کہ موت کا خوف ٹل جائے، پھر میں اپنی مرضی سے اسلام قبول کروں اور لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اللہ کی رضا کے لئے اسلام قبول کیا ہے......تو مخلص بندے کا کام کبھی ادھورا نہیں رہتا بلکہ ہمیشہ اللہ رب العزت اس کو پورا کر دیتے ہیں۔

(۳)......ایک بادشاہ کے سو مٹکے شراب کے جا رہے تھے۔ ایک اللہ والے کو پتہ چلا تو ان کو غصہ آ گیا۔ چنانچہ انہوں نے مٹکے توڑنا شروع کر دیئے۔ انہوں نے ننانوے مٹکے توڑ کر ایک چھوڑ دیا۔ جب بادشاہ کو پتہ چلا تو اس نے انہیں گرفتار کروا لیا۔ اس نے پوچھا، تم نے مٹکے کیوں توڑے؟ وہ کہنے لگے، جب مجھے پتہ چلا کہ ان مٹکوں میں شراب ہے تو میری غیرت نے گوارا نہ کیا کہ تم مسلمان ہو اور شراب پیتے ہو، اس لئے میں نے ان کو توڑ دیا۔ اس نے کہا، اچھا ننانوے مٹکوں میں تو غیرت کام آئی لیکن سوویں مٹکے میں غیرت کیوں نہ کام آئی؟ فرمانے لگے، ننانوے تک تو میں توڑتا چلا گیا، جب ننانوے کا مٹکا توڑ رہا تھا تو میرے دل میں خوشی کی ایک لہر پیدا ہوئی کہ دیکھو میں نے کتنا بڑا کام کر لیا۔ پھر میں نے سوچا کہ اب تک کام اللہ کے لئے کیا تھا اور اگر اب اگلا مٹکا توڑوں گا تو وہ اپنے نفس کی وجہ سے توڑوں گا اس لئے سوواں چھوڑ دیا۔ جب بادشاہ نے یہ سنا تو ان کو سزا دینے کی بجائے ویسے ہی آزاد کر دیا...... اللہ اکبر!!!

(۴)......عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا نام مبارک تھا۔ وہ ایک آدمی کے غلام تھے۔ اس نے ان کو اپنے باغ کی نگرانی پر رکھا ہوا تھا۔ بعض کتابوں میں انار کا باغ آیا ہے اور بعض میں آم کا باغ۔ بہر حال پھلوں کا باغ تھا۔ ان کو وہاں کام کرتے تین سال گزر چکے تھے۔

ایک دن باغ کا مالک وہاں آ پہنچا۔اس نے ان سے کہا، بھئی! مجھے پھل کھلاؤ۔ وہ ایک درخت سے پھل لے کر آئے۔ جب اس نے کاٹا اور کھایا تو کھٹا تھا۔ مالک نے کہا، آپ تو کھٹا پھل لے آئے ہیں۔ وہ پھر گئے اور دوسری جگہ سے پھل اتار کر لے آئے، جب کاٹا تو وہ بھی کھٹا تھا۔ جب تیسری دفعہ لائے تو پھر بھی کھٹا۔ مالک بڑا ناراض ہوا۔اس نے کہا، تمہیں باغ کی رکھوالی کرتے ہوئے تین سال گزر چکے ہیں لیکن تمہیں اب تک پتہ نہیں چلا کہ کس درخت کا پھل شیریں ہے اور کس کا پھل کھٹا ہے۔ جب وہ خوب ناراض ہوا تو مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے بالآخر کہا، جی آپ نے مجھے باغ کی نگرانی کے لئے رکھا تھا پھل کھانے کے لئے تو نہیں رکھا تھا، میں نے تین سال میں کبھی کوئی پھل نہیں کھایا اس لیے مجھے نہیں پتہ کہ کس درخت کا پھل میٹھا ہے اور کس درخت کا پھل کھٹا ہے۔اس مالک کو ان کی یہ بات اتنی اچھی لگی کہ اس نے ان کو آزاد کر دیا۔ پھر اس نے اپنی بیٹی کے ساتھ ان کا نکاح بھی کر دیا اور ان کو اس باغ کا مالک بھی بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیٹا عطا فرمایا جس کا نام انہوں نے عبداللہ رکھا اور پھر وہ اپنے وقت میں عبداللہ بن مبارک بنا...... سبحان اللہ...... یہ ہوتا ہے اخلاص!!!

(۵)......ابنِ عقیل رحمۃ اللہ علیہ اپنا واقعہ لکھتے ہیں کہ میں بہت ہی زیادہ غریب آدمی تھا۔ ایک مرتبہ میں نے طواف کرتے ہوئے ایک ہار دیکھا جو بڑا قیمتی تھا۔ میں نے وہ ہار اٹھا لیا۔ میرا نفس چاہتا تھا کہ میں اسے چھپا لوں لیکن میرا دل کہتا تھا، ہرگز نہیں، یہ چوری ہے، بلکہ دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ جس کا یہ ہار ہے اسے میں واپس کر دوں۔ چنانچہ میں نے مطاف میں کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ اگر کسی کا ہار گم ہوا ہو تو آ کر مجھ سے لے لے۔ کہتے ہیں کہ ایک نابینا آدمی آیا اور کہنے لگا کہ یہ ہار میرا ہے اور میرے تھیلے میں سے گرا ہے۔ میرے نفس نے مجھے اور بھی ملامت کی کہ ہار تو

تھا بھی نابینا کا، اس کا کسی کو کیا پتہ چلنا تھا، چھپانے کا اچھا موقع تھا مگر میں نے وہ ہار اسے دے دیا۔ نابینا نے دعا دی اور چلا گیا۔

کہتے ہیں کہ میں دعائیں بھی مانگتا تھا کہ اللہ! میرے لئے کوئی رزق کا بندوبست کر دے۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ میں وہاں سے ''ہلہ'' آ گیا۔ یہ ایک بستی کا نام ہے۔ وہاں کی ایک مسجد میں گیا تو پتہ چلا کہ چند دن پہلے امام صاحب فوت ہو گئے تھے۔ لوگوں نے مجھے کہا کہ نماز پڑھا دو۔ جب میں نے نماز پڑھائی تو انہیں میرا نماز پڑھانا اچھا لگا۔ وہ کہنے لگے، تم یہاں امام کیوں نہیں بن جاتے۔ میں نے کہا، بہت اچھا۔ میں نے وہاں امامت کے فرائض سرانجام دینے شروع کر دیے۔ تھوڑے دنوں کے بعد پتہ چلا کہ جو امام صاحب پہلے فوت ہوئے تھے ان کی ایک جواں سال بیٹی ہے۔ وہ وصیت کر گئے تھے کہ کسی نیک بندے سے اس کا نکاح کر دینا۔ مقتدی لوگوں نے مجھ سے کہا، جی اگر آپ چاہیں تو ہم اس یتیم بچی کا آپ سے نکاح کر دیتے ہیں۔ میں نے کہا، جی بہت اچھا، چنانچہ انہوں نے اس کے ساتھ میرا نکاح کر دیا۔

شادی کے کچھ عرصہ کے بعد میں نے اپنی بیوی کو دیکھا کہ اس کے گلے میں وہی ہار تھا جو میں نے طواف کے دوران ایک نابینا آدمی کو لوٹایا تھا۔ اسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔

میں نے پوچھا، یہ ہار کس کا ہے؟

اس نے کہا، یہ میرے ابو نے مجھے دیا تھا۔

میں نے کہا، آپ کے ابو کون تھے؟

اس نے کہا، وہ عالم تھے، اس مسجد میں امام تھے اور نابینا تھے۔

تب مجھے پتہ چلا کہ اس کے ابو وہی تھے جن کو میں نے وہ ہار واپس کیا تھا۔ میں

نے اس کو بتایا کہ یہ ہار تو میں نے ان کو اٹھا کر دیا تھا۔ وہ کہنے لگی کہ آپ کی بھی دعا قبول ہوگئی اور میرے ابو کی بھی دعا قبول ہوگئی۔ میں نے کہا، وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ آپ کی دعا تو اس طرح قبول ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گھر بھی دیا، گھر والی بھی دی اور رزق بھی دیا اور میرے ابو کی دعا اس طرح قبول ہوئی کہ جب وہ ہار لے کر واپس آئے تو وہ دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ! ایک امین (امانت دار) شخص نے میرا ہار مجھے لوٹایا ہے، اے اللہ! ایسا ہی امین شخص میری بیٹی کے لئے خاوند کے طور پر عطا فرما دے۔ اللہ نے میرے باپ کی دعا بھی قبول کر لی اور آپ کو میرا خاوند بنا دیا...... تو مخلص بندے کا کام اللہ تعالیٰ کبھی رکنے نہیں دیتے، اٹکنے نہیں دیتے بلکہ اس کی کشتی ہمیشہ کنارے لگا دیا کرتے ہیں۔

(۶)...... احمد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن وضو کر رہے تھے۔ وضو کرنے کے بعد جب اٹھے تو نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے نیچے گر گئے۔ جو شاگرد وضو کروا رہا تھا اس نے پوچھا، حضرت! کیا ہوا ان کی زبان سے نکل گیا، میں تین دن سے فاقے سے ہوں، اس کمزوری کی وجہ سے چکر آیا اور میں گر گیا۔ وہ شاگرد ان کو مصلے پر چھوڑ کر کھانا لینے چلا گیا۔ کھانا لا کر اس نے عرض کیا، حضرت! کھانا کھا لیجئے۔ حضرت نے فرمایا، میں یہ کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اس نے پوچھا، کیوں؟ فرمایا، اس لئے کہ جب میں نے تمہیں بتا دیا کہ میں تین دنوں سے فاقے سے ہوں اور تم چلے گئے تو میرے دل میں خیال آیا کہ ممکن ہے کہ تم کھانے کی کوئی چیز لے کر آؤ۔ یہ جو طمع مخلوق کے ساتھ ہے، اس کو اشرافِ نفس کہتے ہیں۔ یہ بھی ماسوا کے ساتھ طمع ہے، میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا اور میں اپنی امیدیں فقط اللہ کے ساتھ رکھتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ مگر وہ شاگرد بھی اتنا ہونہار تھا کہ جب حضرت نے انکار کر دیا تو کہنے لگا، حضرت! اچھا اگر آپ کھانا نہیں کھاتے تو میں کھانا لے جاتا ہوں۔ وہ کھانا لے کر چلا

گیا۔ وہ پانچ دس منٹ نظر سے اوجھل رہا اور اس کے بعد پھر واپس آ گیا اور عرض کرنے لگا، حضرت! اب تو آپ کے دل سے طمع ختم ہو گئی ہے، اب میں دوبارہ کھانا لے آیا ہوں، آپ قبول فرما لیں۔ اب حضرت نے وہ کھانا قبول فرما لیا...... پتہ چلا کہ ہمارے مشائخ ہر کام اللہ رب العزت کی رضا کے لئے کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ بندے کی نیت کے مطابق معاملہ فرما دیتے ہیں۔

(۷)...... طولون نامی ایک حاکم گزرا ہے۔ وہ دیندار مزاج کا آدمی تھا...... اس وقت کے حاکم دنیا دار ہونے کے باوجود دیندار بھی ہوا کرتے تھے۔ اس نے ایک مرتبہ ایک بچے کو لاوارث پڑا دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ اسکی ماں نے اس کو جنا اور اسے یہاں چھوڑ دیا۔ چنانچہ اس نے بچے کو اٹھا لیا۔ اس نے اس بچے کا نام احمد رکھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ وہ احمد یتیم کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اب اس نے احمد یتیم کو بیٹوں کی سی محبت دی، اس کی اچھی تربیت کی اور پھر اس کو اپنا خاص مصاحب بنا دیا۔ احمد یتیم بھی بڑا دیانتدار، نیکوکار اور پرہیزگار نوجوان بنا۔

ارد گرد کے لوگ احمد یتیم سے بڑا حسد کیا کرتے تھے۔ ان کو پتہ تھا کہ یہ اس کا حقیقی بیٹا نہیں ہے بلکہ اس نے پالا ہوا ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد طولون کی وفات ہونے لگی تو اس نے اپنے بیٹے ابوالجیش کو اپنا نائب بنایا اور پوری سلطنت اس کے حوالے کر دی اور یہ وصیت کی کہ بیٹا! یہ (احمد) تیرا بھائی ہے، میں نے اس کی پرورش کی ہے، تم بھی ساری عمر اس کا خیال رکھنا۔ اس کے بعد وہ فوت ہو گیا۔ چنانچہ جب ابوالجیش نے کنٹرول سنبھالا تو اس نے بھی احمد یتیم کے ساتھ اچھا تعلق رکھا۔

ایک مرتبہ ابوالجیش کو کسی چیز کی ضرورت پڑی۔ اس نے احمد یتیم کو بلایا اور کہا کہ یہ چابی لیں اور فلاں راستے سے آپ میرے کمرے میں چلے جائیں اور یہ چیز

اٹھا کر لے آئیں۔ اس نے دن میں وہ راستہ کھولا اور کمرے میں چلا گیا۔ وہ جیسے ہی اس کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ ابو الجیش کی ایک باندی جو بڑی خوبصورت تھی اور ابو الجیش اس کے ساتھ بڑی محبت کرتا تھا وہ اس وقت اس کمرے میں کسی خادم کے ساتھ زنا کی مرتکب ہو رہی تھی۔ اس باندی کو توقع ہی نہیں تھی کہ دن کے وقت بھی مرد کمرے میں واپس آ سکتا ہے۔ جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا اور یہ معاملہ دیکھا تو وہ مرد بھاگ گیا اور عورت احمد یتیم کو اپنے چکر میں پھنسانے لگی اور اس کی منت سماجت کرنے لگی کہ تم بھی میرے ساتھ وہی کرو جو وہ کر رہا تھا۔ لیکن اس کے دل میں نیکی تھی لہٰذا کہنے لگا، ہرگز نہیں۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ط (یوسف: ۲۳)

سبحان اللہ، نیک لوگوں کا یہی دستور رہا ہے۔ چنانچہ احمد یتیم اس بدکار عورت کے چنگل سے نکل گئے اور وہ چیز اٹھا کر اس کمرے سے واپس آ گئے۔

اب اس باندی کے دل میں یہ بات کھٹک گئی کہ اگر یہ جا کر میری شکایت لگائے گا تو مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن انہوں نے اس کا پردہ رکھا اور آ کر وہ چیز ابو الجیش کو دے دی اور بات گول کر دی۔

ابو الجیش نے انہی دنوں میں ایک اور نکاح کر لیا اور دوسرا نکاح کرنے کی وجہ سے پہلی بیوی کے پاس وقت گزارنے میں ذرا کمی آنے لگی۔ چونکہ وہ دل میں سوچتی تھی کہ اس کا کوئی نہ کوئی ردعمل ہونا ہے اس لئے اس کے دل میں یہ بات کھٹک گئی کہ احمد یتیم نے میرے خاوند کو سب کچھ بتا دیا ہے جس کی وجہ سے میرے خاوند کی توجہ مجھ سے ہٹ گئی ہے۔

عورت کے دل میں جب حسد آ جائے تو پھر وہ کیا کیا مکاریاں کر گزرتی ہے۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ میں کسی طرح احمد یتیم کو راستے سے ہٹاؤں۔ ایک دن ابو

الجیش اس سے ملنے کے لئے آیا۔ جب اس نے دیکھا کہ میاں بڑی محبت کی نظر سے دیکھ رہا ہے اور پیار دے رہا ہے تو اس وقت وہ رونے لگ گئی۔ اس نے کہا، تم رو کیوں رہی ہو؟ وہ کہنے لگی، میں کیا بتاؤں، ایک دن احمد یتیم ہمارے کمرے میں آیا تھا، اس نے میرے ساتھ بدکاری کی کوشش کی اور میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو اس کے چنگل سے بچایا تھا۔

جب ابوالجیش نے یہ سنا تو اسے یاد آیا کہ ہاں میں نے ایک مرتبہ دن کے وقت احمد یتیم کو چابی دے کر بھیجا تھا اس وقت اس نے میرے حرم کے ساتھ خیانت کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ یہ سوچ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا کہ یہ اتنا خائن شخص ہے، اس نے اسی وقت نیت کر لی کہ میں احمد یتیم کو قتل کروا دیتا ہوں۔

چنانچہ جب وہ دربار میں آیا تو اس نے اپنے خاص بندے کو بلایا اور اسے کہا کہ میں ایک آدمی کو برتن دے کر آپ کی طرف بھیجوں گا اور وہ آپ کو میرا یہ پیغام دے گا کہ اس برتن کو کستوری سے بھر دو۔ آپ یہ کام کرنا کہ وہ برتن جو بندہ لے کر آپ کے پاس آئے گا، آپ اس کو قتل کر کے اس کا سر اس برتن میں ڈال کر میرے پاس لے آنا۔

پھر اس نے احمد یتیم کو بلوایا اور اس سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ جب اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا تو اس نے احمد یتیم کو وہ برتن دیا اور کہنے لگا کہ آپ فلاں بندے کے پاس جائیں اور اسے کہیں کہ وہ اسکو کستوری سے بھر کر لائے۔ احمد یتیم کو تو کچھ پتہ نہیں تھا۔ یہ برتن لے کر کچھ آگے گیا تو راستے میں اسی آدمی سے ملاقات ہوگئی جس نے باندی کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ اس نے احمد یتیم سے وہ برتن لے لیا کہ یہ کام میں کر دیتا ہوں۔ چنانچہ جب وہ آدمی اس خاص بندے کے پاس گیا تو اس نے اسے فوراً قتل کروا دیا اور اس کا سر برتن میں ڈال کر ابوالجیش کے پاس بھجوا دیا۔ جب

ابوالجیش کے سامنے احمد یتیم کی بجائے دوسرے آدمی کا سر لایا گیا تو وہ بڑا حیران ہوا۔ ابوالجیش نے احمد یتیم کو زندہ حالت میں دیکھا تو بڑا حیران ہوا کہ میں نے تو کچھ اور پلاننگ کی تھی، یہ کیا ہوا۔ احمد یتیم بھی بڑے حیران تھے کہ اس میں کستوری کی بجائے اسی خادم کا سر تھا۔

اس وقت ابوالجیش نے کہا کہ میں نے تو تمہیں مروانے کے لئے یہ کام کیا تھا۔ اب احمد یتیم کو واضح ہوا کہ اس باندی کے کہنے پر ابوالجیش نے میرے خلاف یہ سب کچھ کیا ہے۔ چنانچہ اب احمد یتیم نے اس کو پوری کہانی سنائی کہ جناب! میں نے آپ کی بیوی کی پردہ پوشی کی تھی مگر اس بدکار عورت نے مجھے راستے سے ہٹانے کے لئے آپ کو میرے خلاف کر دیا اور قدرتاً وہی بندہ مرا جو اس کا زیادہ چاہنے والا تھا۔ جب ابوالجیش کو پتہ چلا تو اس نے باندی کو گرفتار کروالیا۔ جب اس نے پوچھا تو اس نے اپنے گناہ کا اقرار کرلیا۔ ابوالجیش نے اس باندی کو بھی قتل کروا دیا۔ اب ابوالجیش کی نظر میں احمد یتیم کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی اور اس نے وصیت کی کہ میرے بعد ان کو بادشاہ بنایا جائے...... اللہ اکبر!!!...... تو دیکھئے کہ جس کے اندر اخلاص تھا اللہ رب العزت نے اس کو بچالیا اور بدکردار اور خائن لوگ اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ لہٰذا یہ دستور ذہن میں رکھ لیں کہ مخلص بندہ جب بھی کسی کام کے لئے قدم اٹھاتا ہے اللہ رب العزت ہمیشہ اس بندے کو سرخرو فرما دیتے ہیں۔

اخلاص کی وجہ سے جوڑ پیدا ہوتا ہے

اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ توڑ کی جگہ بھی جوڑ پیدا کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر

(۱)...... حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سماع کے قائل تھے۔ یعنی وہ اشعار سنا کرتے تھے۔ قوالی اور چیز ہوتی ہے، اس میں تو ساز و آواز ہوتے ہیں، وہ تو آج

کل گانے کو دینی رنگ دینے کا طریقہ ہے اور موسیقی سو فیصد حرام ہے۔ سماع کہتے ہیں ان اشعار کا سننا جو محبتِ الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ میں ہوں۔ وہ چشتیہ سلسلے کے بزرگ تھے۔ چونکہ اس سلسلہ کے بزرگ سنتے رہے ہیں اس لئے وہ بھی سنا کرتے تھے۔

اس وقت کے محتسبِ اعلیٰ قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ وہ بڑے دیندار آدمی تھے۔ وہ خود بھی ظاہرِ شریعت پر جمے رہتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی جمائے رکھتے تھے۔ ان کو جہاں پتہ چلتا کہ فلاں جگہ پر محفل ہو رہی ہے تو وہ وہاں پہنچ کر محفل برخاست کروا دیتے تھے۔ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ جب ان کو دیکھتے تو خاموشی سے محفل برخاست کر دیتے تھے۔ ان بزرگوں میں ساری زندگی یہی طریقہ رہا۔ مگر زبان سے نہ تو وہ اِن کے خلاف کچھ کہتے اور نہ ہی یہ اُن کے خلاف کچھ کہتے۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے۔ وہ بیماری ایسی تھی کہ وہ وقت ان کی زندگی کا آخری وقت تھا۔ جب خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو پتہ چلا تو وہ ان کی عیادت کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ انہوں نے دروازے پر دستک دی تو قاضی ضیاء الدین سنامیؒ نے اپنے شاگرد کو بھیجا کہ دیکھو دروازے پر کون ہے۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ دروازے پر کھڑے ہیں۔ انہوں نے آ کر بتا دیا۔ چونکہ ان کی طبیعت میں ذرا زیادہ سختی تھی اس لئے جب انہوں نے سنا کہ فلاں بزرگ آئے ہیں تو وہ کہنے لگے کہ وہ ایک بدعت پر عمل کرتے ہیں، ایسی محفل میرے نزدیک بدعت ہے اور اب میرا مرنے کا وقت قریب ہے، ایسے وقت میں مَیں کسی بدعتی سے ملنا بھی پسند نہیں کرتا۔ جب شاگرد نے آ کر بتایا کہ حضرت! وہ تو منع کر رہے ہیں کہ میرا موت کا وقت

قریب ہے اور میں اس وقت رجوع الی اللہ رکھنا چاہتا ہوں، لہٰذا میں کسی ایسے بندے کے ساتھ ملنا بھی نہیں چاہتا، تو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ ان کو جا کر کہو کہ بدعتی آپ کے ہاتھ پر توبہ کرنے کے لئے آیا ہے۔ جب یہ بات کہی اور قاضی ضیاء الدین سنامیؒ نے سنی تو وہ اس وقت لیٹے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے سر سے پگڑی اتاری اور شاگرد سے کہا کہ میرے بستر سے لے کر میرے دروازے تک میرے اس عمامے کو بچھا دو اور ان سے کہو کہ وہ میرے عمامے پر جوتوں کے ساتھ چل کے میرے پاس آ جائیں...... سبحان اللہ...... جب دونوں طرف اخلاص ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ توڑ کی بجائے جوڑ پیدا فرما دیتے ہیں۔

(۲)...... حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں تربیت میں بڑی سختی ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی ایک دوسرے سے بات بھی کرتا تو اس کو بھی خانقاہ سے نکال دیا جاتا تھا۔ گویا وہاں پر نظم و نسق میں خوب سختی تھی...... علماء نے لکھا ہے کہ جب شیخ کی طبیعت کے اندر سختی ہو تو اس میں مریدین کی بہت ہی زیادہ عظمت ہوتی ہے۔ پھر شیخ ان کی خوب تربیت کرتے ہیں اور وہ بہت جلدی سنور جاتے ہیں۔ یعنی شیخ کی سختی بھی ان کے حق میں رحمت بن جاتی ہے...... لیکن حضرت مدنیؒ کے ہاں بڑی رحمت کا معاملہ تھا۔ جو آتا اس کو مہمان بناتے، اس کو کھانا بھی کھلاتے اور کئی مرتبہ تو اس کے پاؤں بھی دبا دیا کرتے تھے۔ ان دونوں جگہوں پر طبیعتوں میں اتنا فرق تھا۔ دونوں پھول تھے مگر

ہر گل را رنگ و بوئے دیگر است

[ہر پھول کا رنگ اور خوشبو جدا ہوتی ہے]

ایک عالم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں چند دن گزارنے کے بعد حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں گئے۔ وہاں چند دن شہزادوں کی طرح گزارے

تو کہنے لگے، حضرت! میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ فرمایا، کیا بات پوچھنا چاہتے ہو؟ عرض کیا، حضرت! میں حضرت تھانویؒ کی خانقاہ سے ہو کر آیا ہوں، وہاں تو اتنی ڈانٹ ڈپٹ ہوتی ہے کہ بندے کو کس کر رکھتے ہیں اور یہاں پر اتنی محبت ملتی ہے کہ شہزادہ بنا کر رکھتے ہیں، آپ ذرا اس بات کی وضاحت فرما دیں...... اب کوئی عام بندہ ہوتا تو پتہ نہیں کہ آگے سے کیا جواب دیتا مگر وہ سنورے ہوئے لوگ تھے، لہٰذا دیکھیں کہ انہوں نے کیا ہی پیارا جواب دیا...... حضرت مدنیؒ نے فرمایا، دیکھو کہ وہاں پر بڑے طبیب ہیں، جراح ہیں اور سرجن ہیں، اور سرجن ہمیشہ جسم کو چیر لگاتا ہے اور پھوڑے کے اندر جو گندہ مواد ہوتا ہے وہ نکالتا ہے جس کی وجہ سے بندے کو تکلیف ہوتی ہے اس لئے تمہیں وہاں سختی محسوس ہوئی۔ میری حیثیت کمپوڈر کی سی ہے اور کمپوڈر یہ کام کرتا ہے کہ جب سرجن سرجری کر دیتا ہے تو وہ پھر زخموں کے اوپر فقط مرہم لگاتا ہے، چونکہ بندے کو مرہم لگانا اچھا لگتا ہے اس لئے وہ سمجھتا ہے کہ یہ میرے ساتھ پیار کا معاملہ کر رہا ہے۔...... ان کے اندر اخلاص تھا اس لئے ایسی بات کہی جو توڑ کی بجائے جوڑ پیدا کرنے والی ثابت ہوئی۔ اسی اخلاص کی وجہ سے دل جڑتے ہیں اور انسان ایک دوسرے کے قریب آ جاتے ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں بھی اخلاص کی یہ نعمت عطا فرما دے۔ (آمین)

ریا کار کی تین علامتیں

ہمارے اکابر نے ریا کار کی تین علامتیں لکھی ہیں جن سے انسان اپنے آپ کو تول سکتا ہے کہ میں کس حال میں ہوں۔

پہلی علامت...... خلوت میں سستی اور جلوت میں چستی۔ یعنی کہ وہ تنہائی میں عبادات کے اندر غفلت اور سستی برتتا ہے، نماز پڑھتا ہے تو مختصر سی، جبکہ لوگوں کی محفل میں بڑی چستی دکھاتا ہے۔ جب لوگ دیکھ رہے ہوتے ہیں تو پھر بڑا صوفی

صافی بن جاتا ہے، اس وقت وہ فقط اشراق کے نفل ہی نہیں پڑھتا بلکہ اسے پچھلی قضا نمازیں بھی یاد آجاتی ہیں اور جب لوگ نہیں دیکھ رہے ہوتے تو فرض نمازیں پڑھنا بھی مشکل نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ طلبا۔ جب تک مدرسے میں رہتے ہیں وہ بڑے اچھے معمولات کرتے رہتے ہیں اور جیسے ہی گھر جاتے ہیں بس گھر جاتے ہیں ...... یہ اخلاص کے منافی چیز ہے ...... جس طرح مدرسے میں اعمال کی پابندی کرتے ہیں ہمیں چاہیے کہ جب گھروں میں جائیں تب بھی اسی طرح اعمال کی پابندی کریں۔ اس لئے کہ جس پروردگار کو یہاں راضی کرنا تھا اسی پروردگار کو وہاں بھی راضی کرنا ہے۔

دوسری علامت...... وہ دنیاداروں سے تعریف کی توقع رکھے۔ یعنی اس کے اندر چاہت ہو کہ لوگ میری تعریف کریں۔ دیکھیں کہ تعریف ریاکار کی بھی ہوتی ہے اور مخلص بندے کی بھی، مگر دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ ریاکار دل میں پسند کر رہا ہوتا ہے کہ میری تعریف ہو اور جب مخلص بندے کی تعریف کی جائے تو اس وقت اس کا دل رو رہا ہوتا ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب کبھی کوئی بندہ ان کی تعریف کرتا تو ہمیشہ وہ تنہائی میں دعا کرتے، اے اللہ! آپ نے لوگوں کو میرے ساتھ جو حسنِ ظن عطا کر دیا اب مجھے ان کے حسنِ ظن کے مطابق بنا دیجئے۔

ایک تعریف ماں باپ اور پیر استاد کی ہوتی ہے۔ یہ تعریف مستحسن ہے بلکہ مطلوب ہے۔ اگر کوئی شاگرد اس لئے اچھا پڑھے کہ استاد میری تعریف کرے تو یہ اچھی بات ہے...... کیوں؟...... اس لئے کہ وہ استاد کو اللہ کا نیک بندہ سمجھتا ہے اور اس کی یہ نیت ہوتی ہے کہ اللہ کے اس نیک بندے کا دل خوش ہوگا، یہ دعا کرے گا اور اس کی دعا پر اللہ بھی مجھ سے راضی ہو جائے گا۔ کسی نے حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا، حضرت! یہ آپ کے مریدین آپ سے اتنا ڈرتے ہیں کہ اتنا تو خدا سے

بھی نہیں ڈرتے۔ حضرت نے ان کو بٹھا لیا۔ فرمانے لگے، بھئی! دیکھو، میں کوئی تھانیدار ہوں، وہ مجھ سے کیوں ڈرتے ہیں؟ اس نے کہا، جی وہ اس لئے ڈرتے ہیں کہ وہ آپ کو اللہ کا ولی سمجھتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر آپ خفا ہو گئے تو کہیں ان کی عاقبت ہی نہ خراب ہو جائے۔ اس پر حضرتؒ نے فرمایا، چونکہ وہ مجھے اللہ کا دوست سمجھتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر میں ناراض ہو گیا تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے اس لئے مجھ سے ڈرنا حقیقت میں اللہ کے خوف ہی کی ایک کرن ہے جو اللہ نے ان کے دل میں ڈال دی ہے...... اس لئے اللہ والوں کی تعریف، پیر کی تعریف، استاد کی تعریف اور ماں باپ کی تعریف اچھی ہوتی ہے اور ان کی دعاؤں سے انسان آگے بڑھتا ہے۔ ایک ہوتا ہے عام طور پر دل میں مخلوق سے تعریف کی نیت ہونا، یہ برا ہے۔ اس لئے تقریر کر کے پھر کہتے ہیں ...... کہہ دو سبحان اللہ...... اور سب سے اونچا اونچا کہلوا رہے ہوتے ہیں۔ اور اللہ کے بندے! یوں کہو کہ بھئی اللہ کو یاد کر لو، ورنہ اتنا کچھ کر کرا کے لوگوں کی چند دفعہ سبحان اللہ مل گئی تو آپ کو تو آپ کی تقریر کا بدلہ مل گیا۔ اگر ایسا کیا تو یہاں سے فارغ ہو کے جاؤ گے اور نامہ اعمال میں کچھ نہیں لکھا ہوگا۔ تو مخلوق سے تعریف کی طمع نہ ہو بلکہ دل میں یہ نیت ہو کہ اے میرے مولا! میں یہ کام آپ کی رضا کے لئے کر رہا ہوں، بس میں آپ کی بارگاہ میں قبولیت پا جاؤں۔

تیسری علامت...... جب مخلوق میں سے کوئی آدمی دین کے کام میں اس کی ملامت کرتا ہے تو وہ دین کا کام چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ چنانچہ ذرا سی کوئی بات کر دے تو سنت پر عمل ختم ہو جاتا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ شادی کے موقع پر اکثر عورتیں کہتی ہیں کہ اگر یوں کر دیا تو لوگ کیا کہیں گے۔ کیا انہوں نے کبھی یہ بھی کہا ہے کہ اس موقع پر یوں کیا تو اللہ کیا کہے گا یا نبی علیہ السلام کیا کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں سوچ ہی نہیں آتی۔ بلکہ سوچتے ہیں کہ ہم نے یوں کیا تو

ہماری ناک ہی کٹ جائے گی۔ او بھئی! دنیا میں کیا ناک کٹے گی، جو ناک قیامت میں کٹے گی اس کو ساری مخلوق دیکھے گی۔ آج اگر دو بندوں نے بات کر بھی دی کہ انہوں نے شادی پر ڈھول باجے نہیں بجائے تو کوئی بات نہیں۔اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ارے! لوگ کہتے ہیں تو کہتے رہیں ہم نے تو یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے پروردگار کیا کہتے ہیں جن کی رضا کے لئے ہم یہ کام کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ریاکار کی ان تینوں علامتوں سے محفوظ فرمائے اور ہمیں پوری زندگی میں اخلاص کے ساتھ اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مخلص بندے کی تعریفیں زیادہ ہوتی ہیں

ایک بات اور بھی ذہن میں رکھ لینا کہ ریاکار بندہ چاہتا ہے کہ میری تعریفیں ہوں لیکن یہ عاجز اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ ریاکار چاہتا ہے کہ میری تعریفیں ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ اس کی اتنی تعریفیں نہیں کرواتے جتنی اس مخلص بندے کی کرواتے ہیں جس کا دل مخلوق کی طرف سے تعریف ہونے پر رورہا ہوتا ہے۔ مزہ تو پھر اس لائن کا ہوا کہ اللہ کے ہاں اجر بھی ملا اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی زبان سے تعریفیں بھی کروا دیں۔

جتنا اخلاص...... اتنا اجر

ایک اصول یاد رکھئے کہ جتنا اخلاص زیادہ ہوگا اتنا اجر زیادہ ہوگا۔ عمل چاہے کتنا چھوٹا کیوں نہ ہو اخلاص کی وجہ سے چھوٹا عمل بھی اللہ رب العزت کی نظر میں موٹا بن جایا کرتا ہے۔ آپ نے ہیرا دیکھا ہوگا کہ چھوٹا سا ہوتا ہے اور اس چھوٹے سے ہیرے کی قیمت لاکھوں روپوں میں ہوتی ہے...... دیکھنے میں چھوٹا اور قیمت میں موٹا ...... اسی طرح اخلاص بندے کے عمل کو ہیرے کی طرح قیمتی بنا دیا کرتا ہے۔

امام ابوداؤدؒ کا اخلاص

اماابوداؤدؒایک بڑے محدث گزرے ہیں۔ایک مرتبہ وہ ایک کشتی کا سفر کررہے تھے۔ان کے سامنے سے ایک اور کشتی آرہی تھی۔ان کو سفر کے دوران اس وقت چھینک آئی جب سامنے سے آنے والی کشتی بالکل قریب تھی ...... جس بندے کو چھینک آئے اسے چاہیے کہ وہ الحمد للہ کہے۔اور الحمد للہ کے الفاظ سننے والے کو چاہیے کہ وہ اس کو جواب میں یرحمک اللہ کہے۔اس کے بعد چھینک والا آدمی اس کے جواب میں یھدیکم اللہ کہے ...... چنانچہ انہوں نے چھینک آنے پر الحمد للہ کہا۔ساتھ والی کشتی میں سے ایک آدمی نے ان کی زبان سے الحمد للہ سنا تو اس نے جواب میں یرحمک اللہ کہا۔لیکن جب حضرت ابو داؤدؒ نے جواب دینا تھا تو کشتی دور جا چکی تھی اور وہاں تک آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ جب حضرتؒ کنارے پر پہنچے تو وہاں جا کر انہوں نے ایک اور کشتی کرائے پر لی اور ایک درہم اس کو دیا اور کشتی سے واپس آئے اور واپس آکر اس بندے کو جس نے یرحمک اللہ کہا تھا اسے جواب میں یھدیکم اللہ کہا اور واپس آگئے۔رات کو جب سوئے تو خواب میں کسی کہنے والے نے کہا، ابوداؤد کو مبارک دے دو کہ اس نے ایک درہم کے بدلے میں اللہ سے جنت خرید لی ہے......اللہ اکبر!!!......محدثین اللہ کی رضا کے لئے یوں اخلاص کے ساتھ عمل کرتے تھے۔اس وجہ سے آج ان کا فیض جاری ہے۔آج دنیا ان کی کتابیں پڑھ رہی ہے اور اپنی زندگی شریعت کے مطابق گزار رہی ہے اور وہ حضرات اپنی قبروں کے اندر اس کا اجر وثواب پا رہے ہیں۔تو اخلاص والے بندے کی محنت چھوٹی اور اسے اجرت موٹی ملتی ہے۔وہ کام تو تھوڑا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر بڑا پالیتا ہے۔

رضائے الٰہی کے متلاشی

مخلص بندے کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی نیکیوں کو دوسروں سے اس طرح چھپاتا ہے جیسے لوگ اپنے گناہوں کو دوسروں سے چھپاتے ہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کام کر رہا ہوتا ہے۔ ہمارے اکابر بھی نیک کام کر کے دوسروں سے چھپاتے ہیں اور وہ کسی کو بھی نہیں بتاتے تھے۔اس کی بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

(۱)...... سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عمل یہ تھا کہ اگر کوئی سائل ان کے دروازے پر آتا تو اپنی خادمہ کے ہاتھ اس کو پیسے بھجوا دیتیں اور دروازے پر آ کر خود سنتیں کہ وہ کیا کہتا ہے۔خادمہ کو بھی اس بات کا پتہ تھا۔اس نے ایک دن پوچھ لیا کہ اے ام المؤمنین! آپ کے ایک عمل کی ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ آپ کے در پر جب بھی کوئی سائل مانگنے آتا ہے تو آپ اس کو ہمارے ہاتھ سے دلواتی ہیں مگر پردے کے پیچھے جا کر سنتی ہیں کہ اس نے لے کر کیا کہا، اس کی کیا وجہ ہے؟...... ام المؤمنین نے فرمایا کہ میں جا کر سنتی ہوں کہ وہ مجھے کیا دعا دے رہا ہے، جو دعا وہ مجھے دیتا ہے میں وہی دعا اس بندے کے لئے کر دیتی ہوں تا کہ میری دعا اس کی دعا کا بدلہ بن جائے، عمل کا اجر تو میں اپنے پروردگار سے چاہتی ہوں...... سبحان اللہ...... ان کو اس بات کا کتنا خیال ہوتا تھا کہ مجھے اپنے عمل کا بدلہ اللہ رب العزت سے چاہیے۔

(۲)...... حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب مدائن کو فتح کیا تو کچھ دنوں کے بعد ایک عام مجاہد ان کے پاس آیا۔اس نے کوئی چیز کپڑے میں لپیٹی ہوئی تھی۔اس نے وہ چیز نکالی اور کہنے لگا، اے امیر الجیش! میں آپ کی خدمت میں یہ امانت دینے کے لئے آیا ہوں۔ جب حضرت نے اس کو کھولا تو وہ مدائن کے بادشاہ کا تاج تھا۔وہ تاج سونے کا بنا ہوا تھا اور اس پر اتنے قیمتی ہیرے اور موتی لگے ہوئے تھے کہ اگر وہ مجاہد اس کو بیچ کر کھاتا تو اس کی سات نسلوں کو کمانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ جو بادشاہ

اس جنگ میں قتل ہوا تھا اس کے سر سے وہ تاج کہیں گرا تھا۔ وہ مٹی میں پڑا تھا اور اس مجاہد کو مل گیا۔ کسی کو پتہ ہی نہیں تھا کہ وہ تاج اس کے پاس ہے۔ اس نے بھی اس کو چھپا کر رکھا۔ جب ہر چیز سیٹل ہو گئی تو اس نے لا کر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو پیش کر دیا۔ حضرت اس کے اخلاص پر حیران ہوئے کہ کسی کو اس تاج کے بارے میں پتہ بھی نہیں تھا، یہ غریب سا بندہ ہے، یہ اسے اپنے پاس رکھ بھی سکتا تھا، لہٰذا انہوں نے اس کے اخلاص پر حیرانی کا اظہار کیا اور اس سے پوچھا، اے مجاہد! تیرا نام کیا ہے؟ اس سوال پر مجاہد نے اپنا رخ پھیر کر ان کی طرف اپنی پیٹھ کر دی اور کہا کہ جس رب کو راضی کرنے کے لئے میں نے یہ تاج واپس کیا ہے وہ رب میرا نام جانتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ ان کے دربار سے باہر چلا گیا۔

(۳)...... مسلمہ بن عبدالملک ایک حاکم تھا۔ ایک مرتبہ اس نے فوج کشی کی تو دشمن نے ایک قلعہ کے اندر چھپ کر پناہ لے لی۔ مسلمانوں نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ وہ محاصرہ کئی دن تک رہا۔ وہ لوگ اتنی مزاحمت کر رہے تھے کہ کوئی سبیل پیدا نہیں ہو رہی تھی دشمنوں میں سے ایک بندہ ایسا تھا جو دیوار کے اوپر چڑھ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہا کرتا تھا۔ مسلمان چاہتے تھے کہ ہم جلدی فتح کر لیں لیکن جب یہ قریب جاتے تو وہ دشمن تیروں کی ایسی بارش برساتا کہ یہ پیچھے ہٹ آتے۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ ایک دن ایک مسلمان نوجوان فوج کے ساتھ آگے گیا اور تیروں کی پروا کیے بغیر آگے بڑھتا رہا۔ تیر اس کے جسم میں چبھتے رہے چبھتے رہے، وہ فقط اپنا سر بچاتا رہا۔ بالآخر وہ تیروں کی بارش میں سے گزر کر دیوار کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا۔ اب وہ ایسی جگہ پر بیٹھا تھا کہ جہاں تیر مارنے والوں کے تیر اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ وہاں سے اس نے دیوار توڑنا شروع کر دی۔ اس کو دیکھ کر

کچھ اور مسلمان نو جوان بھی آگے چلے گئے اور ان سب نے مل کر بالآخر اس دیوار میں نقب لگا دی۔ جب اس میں سے چند مسلمان نو جوان اندر داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے وہ قلعہ فتح کروا دیا۔ اب اس نو جوان کی بہادری پر پورا لشکر حیران تھا کہ اس نو جوان نے تیروں کی بارش میں جان کی پروا نہیں کی، یہ تیروں پہ تیر کھاتا رہا اور بالآخر اتنے بڑے کارنامے کا سبب بنا۔ ہر بندہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ صاحبِ نقب کون ہے۔

جب فتح ہو گئی تو ایک موقع پر سب لوگ اکٹھے تھے۔ اس وقت امیرِ لشکر نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں صاحبِ نقب کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ میرے کہنے پر کھڑا ہو جائے تاکہ میں جانوں کہ وہ کون ہے۔ جب اس نے یہ کہا تو ایک نو جوان کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنا چہرہ چھپایا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا، امیر المؤمنین! میں بھی آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ نے مجھے کھڑا تو کر لیا، آپ میرا نام ہرگز نہ پوچھئے گا۔ چنانچہ امیر لشکر اس کا نام نہ پوچھ سکے اور وہ پھر اسی طرح گم ہو گیا اور کسی کو پتہ ہی نہ چلا۔ امیر لشکر اس کے اس عمل سے اتنا خوش ہوتا تھا کہ وہ دعا مانگا کرتا تھا، اے اللہ! قیامت کے دن میرا حشر بھی اس صاحبِ نقب کے ساتھ فرما دیجئے گا...... سبحان اللہ ...... وہ اتنا مخلص بندہ تھا کہ اس نے اتنا بڑا کام کر دیا اور وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ میرا نام بھی لوگوں کو معلوم ہو۔

(۳)...... چوتھی صدی ہجری میں ایک بزرگ ابو عمر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں۔ انکے وقت میں حاکم نے لوگوں کے فائدے کی خاطر ایک فلاحی کام کروانا تھا لیکن اس میں بہت زیادہ پیسہ لگتا تھا جبکہ ان کے پاس اتنی رقم نہیں تھی۔ اس نے ابو عمر مجاہدؒ سے عرض کیا، حضرت! میں چاہتا ہوں کہ میں یہ صدقہ جاریہ کا کام کروں لیکن میرے پاس خزانے میں اتنا پیسہ نہیں کہ میں یہ کام کر سکوں۔ حضرتؒ نے اس کو دو لاکھ دینار

دے دیئے۔ وہ یہ رقم لے کر بہت خوش ہوا۔

اگلے دن اس نے لوگوں کو بلایا اور ان کو ترغیب دی کہ جو رقم بچتی ہے وہ بھی آپ لوگ دے دیں اور بات کرتے کرتے اس نے لوگوں کو بتا دیا کہ ابو عمر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مجھے دو لاکھ دینار عطا کئے ہیں۔ جیسے ہی اس نے یہ کہا تو ابو عمر مجاہدؒ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے، امیر صاحب! مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے کہ میں نے یہ رقم آپ کو تو دے دی مگر میں اپنی والدہ سے اس کی اجازت نہیں لے سکا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان سے اجازت لے لوں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا، لہٰذا آپ میری رقم واپس کر دیجئے۔ اب جب اس نے اتنے لوگوں میں اپنی رقم واپس مانگی تو جو لوگ پہلے تعریفیں کر رہے تھے، اب ان سب نے اسے بری نظر سے دیکھا اور کہا کہ یہ کیسا بندہ ہے۔ امیر وقت کو بھی وہ رقم واپس کرنی پڑی۔ جب امیر وقت نے رقم واپس کر دی اور انہوں نے لے لی اور سب لوگ چلے گئے تو رات کے اندھیرے میں وہ وہی رقم (دو لاکھ دینار) لے کر دوبارہ آئے اور امیر سے کہنے لگے کہ آپ نے تو مجھے ذبح ہی کرنا چاہا مگر اللہ نے مجھے بچا لیا۔ میں نے والدہ کا بہانہ بنایا تھا، حالانکہ یہ رقم میری ہی ملکیت میں تھی، اب میں آپ کو یہ دوبارہ اللہ کے نام پر دیتا ہوں، آپ میرا نام کسی کے سامنے نہ لیجئے گا۔

(۴)...... سیدنا صدیق اکبرؓ کا ایک عمل دل کے کانوں سے سن لیجئے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر ابن الخطابؓ دربارِ صدیقی میں آئے۔ وہاں مدینہ منورہ کے نادار اور بے کس لوگوں کی فہرست پڑی تھی۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ...... یہ بوڑھا آدمی ہے ...... یہ بوڑھی عورت ہے...... یہ بیمار ہے...... یہ لاچار ہے اور ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ پھر جن جن لوگوں نے ان کی خدمت کرنے کی ذمہ داری قبول کی ان کے نام ان کے سامنے لکھے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے وہ ساری لسٹ پڑھی

۔اس میں ایک بوڑھی عورت کا نام لکھا ہوا تھا کہ یہ اکیلی ہے اور اس کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہے جو اس کے گھر میں جھاڑو دے اور اس کے لئے پانی بھر دے اور آگے جگہ خالی تھی ۔یعنی کسی نے اس عورت کی خدمت کے لئے نام نہیں لکھوایا تھا۔ لہٰذا حضرت عمرؓ نے ارادہ کر لیا کہ یہ کام میں اپنے ذمے لے لیتا ہوں ۔ چنانچہ انہوں نے اس عورت کا نام نوٹ کر لیا کہ اس کا یہ کام میں کر دیا کروں گا۔

چنانچہ اگلے دن فجر کی نماز پڑھنے کے بعد حضرت عمرؓ اس بڑھیا کے گھر گئے اور دروازہ کھٹکھٹا کر کہا، اماں! میں آپ کی خدمت کے لئے آیا ہوں۔اماں نے کہا، میری خدمت تو ہو چکی ہے۔ایک جھاڑو دینا ہوتا ہے اور ایک باہر سے پانی بھر کے لانا ہوتا ہے اور باقی کام میں خود کر لیتی ہوں۔حضرت عمرؓ نے پوچھا، اماں! یہ کام کرنے کے لئے کون آتا ہے؟ وہ کہنے لگی ، میں اسے پہچانتی نہیں کیونکہ میں نے تو اسے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ پوچھا، اس کا نام کیا ہے؟ وہ کہنے لگی کہ اس نے کبھی اپنا نام بتایا ہی نہیں ، وہ آ کر کہتا ہے کہ خدمت والا آ گیا ہے لہٰذا میں پردہ کر لیتی ہوں اور وہ دونوں کام کر کے چلا جاتا ہے اور جاتے ہوئے کہتا ہے کہ اب پردہ ختم ہو گیا ہے، لہٰذا پھر میں باہر آ جاتی ہوں۔وہ اتنے عرصے سے خدمت کر رہا ہے لیکن نہ تو میں نے اس کی شکل دیکھی ہے اور نہ ہی میں اس کا نام جانتی ہوں۔حضرت عمرؓ اس کی بات سن کر بڑے حیران ہوئے۔

اگلے دن انہوں نے تہجد کی نماز پڑھی اور اس کے بعد وہاں پہنچ گئے ۔ دروازے پر کھڑے ہو کر کہا، اماں! میں خدمت کے لئے آ گیا ہوں۔اماں نے کہا، خدمت کرنے والا تو خدمت کر کے جا چکا ہے۔وہ بھی عمر ابن الخطاب ؓ تھے، چنانچہ انہوں نے اگلے دن عشاء کی نماز پڑھی اور اس بڑھیا کے گھر کے راستے پر چھپ کر بیٹھ گئے تاکہ دیکھ سکیں کہ یہ مردِ خدا کون ہے۔

جب رات گہری ہوگئی اور لوگ میٹھی نیند سو گئے تو دیکھا کہ ایک آدمی بہت آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس بڑھیا کے گھر کے قریب آیا۔ اسے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور اس سے پوچھا، آپ کون ہیں؟ جواب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز آئی "میں ابوبکر ہوں"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حیران ہو کر پوچھا، اے امیر المؤمنین! آپ اس وقت اکیلے یہاں کیسے تشریف لائے؟ فرمانے لگے، ہاں! اس بڑھیا کی خدمت میں نے اپنے ذمے لی تھی اس لئے یہاں آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ امیر المؤمنین جوتوں کے بغیر چل کے آرہے ہیں تو پوچھا، اے امیر المؤمنین! آپ کے جوتے کہاں ہیں؟ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، میں نے جوتے گھر اتار دیئے اور ننگے پاؤں اس لئے آرہا ہوں کہ میرے جوتوں کی آہٹ سے کسی سونے والے کی نیند میں خلل نہ پڑ جائے...... سبحان اللہ...... یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نبی علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے جنت کی بشارتیں پائی تھیں، اس کے باوجود وہ اپنے اعمال کو اس طرح چھپ کر اللہ کی رضا کے لئے کیا کرتے تھے۔ آج اس کسوٹی پر اگر ہم اپنے اعمال کو دیکھیں تو ہمیں اپنا نامۂ اعمال خالی نظر آتا ہے۔

اخلاص کی چیکنگ

اس خلوص کو چیک کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں چیک پوسٹیں بنی ہوئی ہیں ...... جیسے دنیا کے اندر چیک پوسٹیں بنی ہوتی ہیں۔ بندے جا رہے ہوتے ہیں تو آگے سے انتظامیہ کے آدمی انہیں روک لیتے ہیں۔ وہ ان کو بھی چیک کرتے ہیں اور ان کی گاڑی کو بھی چیک کرتے ہیں۔ پھر وہ آگے جاتے ہیں اور پھر ایک اور چیک پوسٹ آ جاتی ہے۔ وہاں بھی چیکنگ ہوتی ہے...... اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بندے کے اخلاص کو چیک کرنے کے لئے سات چیک پوسٹیں ہیں۔ چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ جب کوئی بندہ نیک عمل کرتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے عمل کو لے کر آسمان پر جاتا ہے۔

وہ پہلے آسمان کا دروازہ بند پاتا ہے۔ وہ دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ اس دروازے پر متعین فرشتہ پوچھتا ہے، کون ہو اور کیوں اوپر جانا چاہتے ہو؟ وہ کہتا ہے کہ ایک بندے نے عمل کیا ہے، میں وہ عمل اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ فرشتہ کہتا ہے، مجھے عمل چیک کرواؤ۔ وہ فرشتہ دیکھتا ہے کہ اس نے یہ عمل اللہ کے لئے کیا ہے یا کسی مخلوق کے لئے۔ اگر وہ دیکھتا ہے کہ اللہ کے لئے عمل کیا ہے تو وہ اس کو اوپر جانے دیتا ہے اور اگر اللہ کے لئے نہ کیا ہو تو اسے واپس بھیج دیتا ہے۔ پھر اسی طرح دوسرے آسمان پر چیک پوسٹ آتی ہے۔ وہاں بھی فرشتہ چیک کرتا ہے ...... پھر تیسرے آسمان پر ...... پھر چوتھے آسمان پر ...... حتیٰ کہ ساتوں آسمانوں پر فرشتے اس کے خلوص کو چیک کرتے ہیں، بالآخر جب وہ عمل اللہ رب العزت کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود بھی اس عمل کو چیک کرتے ہیں، اگر سو فیصد اللہ کی رضا کے لئے عمل ہوتا ہے تو اللہ رب العزت قبول فرما لیتے ہیں اور اگر ایک فیصد بھی غیر کی طرف توجہ تھی تو اللہ تعالیٰ اس کئے ہوئے عمل کو بندے کے منہ پر مار دیتے ہیں۔

اسی لئے فرمایا

اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ هَالِكُوْنَ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ

انسان سب کے سب ہلاک ہونے والے ہیں سوائے علم والوں کے،

وَالْعَالِمُوْنَ كُلُّهُمْ هَالِكُوْنَ اِلَّا الْعَامِلُوْن

اہل علم سب کے سب ہلاک ہونے والے ہیں سوائے عمل کرنے والوں کے،

وَالْعَالِمُوْنَ كُلُّهُمْ هَالِكُوْنَ اِلَّا الْمُخْلِصُوْن

عمل کرنے والے سب ہلاک ہونے والے ہیں سوائے مخلصین کے،

وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰى خَطَرٍ عَظِيْمٍ

اور مخلص لوگ بھی بڑے خطرے میں ہیں۔

اب سوچئے کہ اس اخلاص کے بارے میں ہمیں کتنا فکرمند ہونا چاہیے۔

آج دنیا نے کارخانوں کے اندر کوالٹی کنٹرول ڈیپارٹمنٹ بنائے ہوئے ہیں۔ مالک کہتا ہے کہ میرا گاہک مجھ سے کوالٹی مانگتا ہے لہٰذا میری ہر چیز کوالٹی کے مطابق ہونی چاہیے۔ اگر کوالٹی کے مطابق نہ ہو تو اسے رد کر دیا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں عملوں کے لئے کوالٹی کنٹرول ڈیپارٹمنٹ بنا ہوا ہے اور ہر عمل کے خلوص کو چیک کیا جاتا ہے۔ جو عمل اس معیار پر پورا اترتا ہے اسے اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتے ہیں اور جو معیار پر پورا نہیں اترتا اس کو اللہ تعالیٰ رد فرما دیتے ہیں۔ جس گاہک نے ایک چیز کے بدلے میں چار ٹکے دینے ہوں وہ تو کوالٹی مانگے اور جس پروردگار نے ...... اپنی جنتیں دینی ہوں ...... اپنی رضا دینی ہو...... اپنی لقاء دینی ہو...... وہ بندے کے عملوں میں خلوص کو کیوں نہیں مانگے گا۔ اس لئے ہمیں یہ اخلاص اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے فکرمند ہونا چاہیے۔ ایک غم لگا ہوا ہو کہ اے اللہ! میرا ہر عمل آپ کی رضا کے لئے ہو اور مخلوق سے میری نگاہیں ہٹ جائیں۔

مخلص کی پہچان

ایک مرتبہ فقیہہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا، حضرت! مخلص کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا، کیا تم نے چرواہے کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا، جی ہاں۔ فرمایا، جب چرواہا بکریوں کے درمیان نماز کے لئے بیٹھتا ہے تو کیا اس کے دل میں یہ طمع ہوتی ہے کہ بکریاں میری تعریف کریں گی۔ اس نے کہا، نہیں، اس کو تو ذرا بھی توقع نہیں ہوتی کہ یہ بکریاں میری تعریف کریں گی۔ حضرتؒ نے فرمایا، جس طرح چرواہا بکریوں کے درمیان بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے اور اس کے دل میں بکریوں سے تعریف کی طمع نہیں ہوتی اسی طرح مخلص بندہ جب لوگوں کے درمیان بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اسے بھی لوگوں سے کوئی توقع نہیں ہوتی کہ یہ میری تعریفیں

کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا اخلاص عطا فرما دے۔ (آمین)

اللہ کا در اور اللہ کا ڈر

دو لفظ یاد رکھیے ...... ایک اللہ کا در اور ایک اللہ کا ڈر ...... ان دو چیزوں کو زندگی بھر نہیں چھوڑنا۔ نہ تو اللہ کے در کو یعنی دروازے کو چھوڑنا ہے اور نہ ہی اللہ کے ڈر کو چھوڑنا ہے۔ کبھی نڈر نہیں ہونا۔ کبھی یہ نہیں سوچنا کہ ...... میں نے بڑی تہجد پڑھ لی ...... بڑے ذکر مراقبے کر لئے ...... میں نے لا الٰہ کی بڑی ضربیں لگا لیں۔ کبھی بے خوف نہیں ہونا۔ ساری زندگی دل میں ڈر رہے کہ پتہ نہیں کہ قیامت کے دن میرا کیا بنے گا۔ اگر ساری زندگی یہ دو نعمتیں ساتھ رہیں گی تو سمجھ لینا کہ ہم محفوظ ہو کر اللہ تعالیٰ کے راستے پر قدم اٹھا رہے ہیں۔

ہر عمل کی قیمت ہوتی ہے

ہر عمل کی قیمت ہوتی ہے۔ اگر دل میں بات ہو کہ لوگ مجھے اچھا کہیں اور لوگوں نے اچھا کہہ دیا تو عمل کی قیمت مل گئی۔ اگر دل میں یہ ہو کہ لوگ میری تعریفیں کریں اور لوگوں نے تعریفیں کر دیں تو عمل کی قیمت مل گئی۔ قیامت کے دن ایک عالم کو پیش کیا جائے گا۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا لائے ہو؟ وہ کہے گا، اے اللہ! میں نے بڑی مسجدیں بنائیں، بڑے مدرسے بنائے اور دین کا بڑا کام کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، ہاں اس لئے کرتے تھے کہ لوگ تجھے بڑا عالم کہیں، فقد قیل، وہ تو کہا جا چکا ہے، اب ہمارے پاس تیرے لئے کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس بندے کو اوندھے منہ جہنم کے اندر داخل کر دیا جائے۔ میرے دوستو! اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم جو یہ سارا کچھ کرتے ہیں کیا کسی بندے کے ایک فقرے کی وجہ سے کر رہے ہوتے ہیں؟ اگر اس لئے کر رہے ہوتے ہیں تو پھر ہماری بربادی میں

کوئی شک نہیں۔ اس بندے کو قیامت کے دن کتنی حسرت ہوگی جس کے اتنے بڑے بڑے اعمال پیش ہوں گے مگر کہہ دیا جائے گا کہ اس کو اس کا بدلہ دنیا کے اندر دیا جا چکا ہے۔ لوگوں کی تعریفیں ہوتی ہیں، پتہ نہیں قیامت کے دن کیا بنے گا۔ اگر ہم نے اللہ کی رضا کے لئے یہ اعمال نہ جوڑے تو کل قیامت کے دن ہمارے لئے بڑی مشکل بنے گی۔

من ترا حاجی بگویم تو مرا قاضی بگو

سچی بات عرض کردوں کہ جب میں اکابر کے اخلاص میں اس معیار کو دیکھتا ہوں تو میرا دل کہتا ہے کہ نہ میں پیر بننے کے قابل ہوں نہ آپ مرید بننے کے قابل ہیں۔ ہماری حالت ان لوگوں کی سی ہے جو سارے رسوا ہو گئے تھے اور وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے،

"من ترا حاجی بگویم تو مرا قاضی بگو"

آپ کو میں سالک کہہ دیتا ہوں اور آپ مجھے پیر کہہ دیتے ہیں، پتہ نہیں اللہ کے ہاں ہمارا کیا بنے گا۔ آج وقت ہے ہم اپنے اللہ سے معافیاں مانگ لیں۔ یا اللہ! اگر ہمارے کسی عمل سے ریا کاری ہوئی ہو تو ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں، اے پروردگار! ہم آپ کو راضی کرنے کے لئے سب کچھ کرنا چاہتے ہیں، میرے مولا! قیامت کی مفلسی سے بچا لینا، قیامت کے دن کی غریبی سے بچا لینا اور قیامت کے دن کی حسرت سے بچا لینا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کے ساتھ تمام اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًاo
(التحریم:۸)

توبہ نصوح

یہ بیان 27 فروری 2004ء بروز جمعۃ المبارک بعد از نماز مغرب جامع مسجد اسامہ بن زید ٹیپو مارکیٹ اسلام آباد میں ہوا، حاضرین میں علمائے کرام اور طلباء کی کثیر تعداد موجود تھی۔

اقتباس

شیطان انسان کی نگاہوں میں گناہوں کو ہلکا کر کے پیش کرتا ہے۔ یہ اس کا ایک بڑا وار ہے۔ وہ گناہ کے بارے میں دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ

......یہ گناہ تو اکثر لوگ کرتے ہی رہتے ہیں

......یہ تو ہو ہی جاتا ہے

......اس سے بچنا تو بہت مشکل ہے

......آج کل تو بے پردگی بہت عام ہے، اس لئے نگاہوں کو بچانا تو بہت مشکل ہے۔

شیطان انسان کی نگاہوں میں ان گناہوں کو اس لئے چھوٹا کر کے پیش کرتا ہے تاکہ وہ کرتا ہی رہے۔ اسی لئے فاسق گناہ کو ایسے سمجھتا ہے جیسے کوئی مکھی بیٹھی تھی اور اس کو اڑا دیا۔ جب کہ مؤمن بندہ گناہ کو ایسے سمجھتا ہے جیسے سر کے اوپر کوئی پہاڑ رکھ دیا گیا ہو۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

توبۂ نصوح

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا○ (التحريم: ٨)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ اٰخَرَ ....

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا○ (النساء: ٣١)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ.
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ.
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ.

اللہ رب العزت کے حکم کے خلاف کوئی کام کرنا یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک سنت کے خلاف کرنا یا دین میں کسی نئی بات کا پیدا کرنا گناہ کہلاتا ہے۔ ہمیں پروردگار عالم نے گناہ سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔

گناہ کی تاثیر

ہر چیز کے اندر کوئی نہ کوئی تاثیر ہوتی ہے۔ گناہ کے اندر یہ تاثیر ہے کہ انسان کو اس سے ندامت ملتی ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ دو باتیں لوہے پر لکیر کی مانند ہیں۔ گناہ

سے انسان ندامت پاتا ہے اور نیکی سے انسان سلامت پاتا ہے۔ اگر ایک انسان کتنی ہی کامیابی کے ساتھ گناہ کیوں نہ کرے، اسے کوئی سمجھانے والا یا منع کرنے والا نہ ہو، گویا گناہ کے تمام اسباب مہیا ہوں اور وہ من مرضی سے گناہ کرے، پھر بھی گناہ اس شخص کے لئے دنیا و آخرت کی ندامت کا باعث بنتا ہے۔ اس لئے ہمارے اکابر نے فرمایا کہ مؤمن گناہ کو ایسے سمجھتا ہے جیسے کوئی بچھو ہوتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بچھو چھوٹا ہو یا بڑا، ہر کوئی اسے دیکھ کر ڈر جاتا ہے۔ آپ نے کبھی کسی ایسے آدمی کو نہیں دیکھا ہوگا جو اپنے ہاتھ میں بچھو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس لئے کہ بچھو چھوٹا ہو یا بڑا، اس میں زہر ہوتا ہے۔ اسی طرح گناہ چھوٹا ہو یا بڑا، بہر حال اس میں ندامت ہوتی ہے۔ ہمارے مشائخ کے نزدیک گناہ انگارے کی مانند ہے۔ انگارہ چھوٹا ہو یا بڑا، ہاتھ لگانے سے ہاتھ کو جلاتا ہے۔ بلکہ اگر چھوٹے انگارے سے غفلت برتی جائے تو بعض اوقات بھڑک اٹھتا ہے اور آگ لگا دیتا ہے۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

كُلُّ مَا نُهِيَ عَنْهُ فَهُوَ كَبِيْرَةٌ

[ہر وہ کام جس سے شریعت نے بچنے کا حکم دیا ہے، وہ کبیرہ گناہ ہے]

توبۂ نصوح کسے کہتے ہیں؟

توبۂ نصوح کسے کہتے ہیں؟

مفسرین نے لکھا ہے:

تَنْزِيْهُ الذَّنْبِ عَنِ الْقَلْبِ

[دل سے گناہ کو مٹا دینا]

یعنی دل سے گناہ کی نیت ہی ختم کر دینا۔ اگر آپ غور کریں تو یہ انتہائی مشکل کام ہے کہ انسان دل سے گناہ کا ارادہ بھی چھوڑ دے۔ کتنے ہی لوگ اس لئے گناہ نہیں

کرتے کہ ان کو گناہ کا موقع نہیں ملتا۔ اگر موقع مل جائے تو شاید کر ہی گزریں۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ توبۂ نصوح یہ ہے کہ تم گناہ سے توبہ کرنے کے بعد گناہ سے اتنی ہی نفرت کرنے لگو جس قدر تم کو اس سے پہلے اس گناہ کی رغبت تھی اور جب گناہ کا خیال آئے تو اس سے بارگاہِ خداوندی میں استغفار کرو۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ توبۂ نصوح چار چیزوں کا مجموعہ ہے۔ زبان سے استغفار، اعضائے بدن کو گناہوں سے روکنا، دوبارہ گناہ نہ کرنے کا دل سے عہد کرنا اور برے دوستوں کو چھوڑ دینا۔ گویا توبہ نصوح ایسی توبہ کو کہتے ہیں جس کے بعد دل میں بھی گناہ کرنے کا ارادہ نہ رہے اور توبہ کرتے وقت دل میں مکمل ارادہ ہو کہ آج کے بعد میں یہ گناہ نہیں کروں گا۔

گناہوں کو ہلکا اور مزین کر کے پیش کرنا

شیطان انسان کی نگاہوں میں گناہوں کو ہلکا کر کے پیش کرتا ہے۔ یہ اس کا ایک بڑا وار ہے۔ وہ گناہ کے بارے میں دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ

...... یہ گناہ تو اکثر لوگ کرتے ہی رہتے ہیں

...... یہ تو ہو ہی جاتا ہے

...... اس سے بچنا تو بہت مشکل ہے

...... آج کل تو بے پردگی بہت عام ہے، اس لئے نگاہوں کو بچانا تو بہت مشکل ہے۔

شیطان انسان کی نگاہوں میں ان گناہوں کو اس لئے چھوٹا کر کے پیش کرتا ہے تاکہ وہ کرتا ہی رہے۔ اسی لئے فاسق گناہ کو ایسے سمجھتا ہے جیسے کوئی مکھی بیٹھی تھی اور اس کو اڑا دیا۔ جب کہ مومن بندہ گناہ کو ایسے سمجھتا ہے جیسے سر کے اوپر کوئی پہاڑ رکھ دیا گیا ہو۔

بلکہ کئی مرتبہ تو شیطان گناہ کو مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ. (حم السجدة:۲۵)

[اور لگا دیئے ہم نے ان کے پیچھے ساتھ رہنے والے، پھر انہوں نے ان کی آنکھوں میں خوبصورت بنا دیا اس کو جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔ اور ٹھیک پڑ چکی ان پر عذاب کی بات ان فرقوں کے ساتھ جو گزر چکے ان سے پہلے جنوں کے اور آدمیوں کے، بے شک وہ تھے خسارہ پانے والے]

چھوٹے گناہ کو چھوٹا نہ سمجھئے

یہاں پر آ کر سالک کو احتیاط ضروری ہے کہ وہ حکمِ خدا کو حکمِ خدا سمجھے اور وہ اپنے دل میں عظمتِ الٰہی اتنی بٹھائے کہ حکمِ خدا کے خلاف اس کے ذہن میں خیال ہی پیدا نہ ہو۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ

لَا تَحْقِرَنَّ صَغِيْرَةً اِنَّ الْجِبَالَ مِنَ الْحَصٰى

[تم چھوٹے گناہ کو ہرگز چھوٹا نہ سمجھو اس لئے کہ بڑے بڑے پہاڑ چھوٹے چھوٹے پتھروں سے مل کر بنتے ہیں]

اس لئے جب انسان گناہِ صغیرہ پر اصرار کرتا رہتا ہے تو پھر وہ آہستہ آہستہ کبیرہ بن جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اندر ایک قول بہت مشہور تھا۔ اکثر صحابہ گفتگو کے دوران وہ قول ایک دوسرے کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔ اس قول کا مفہوم یہ بنتا ہے:

لَا صَغِيْرَةَ مَعَ الْاِصْرَارِ وَلَا كَبِيْرَةَ مَعَ الْاِسْتِغْفَارِ

''اصرار سے کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا اور استغفار سے کوئی گناہ کبیرہ نہیں رہتا''

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَتَحۡسَبُوۡنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمٌ. (النور: ۱۵)

[اور تم اس کو ہلکا سمجھتے ہو حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے]

مقامِ عبرت

بنی اسرائیل میں ایک راہب تھے۔ ان کا نام داموسؒ تھا۔ ان کے علاقے میں خشک پہاڑ تھے۔ ان پر سبزے کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ ایک مرتبہ وہ اپنے گھر سے باہر نکلے تو ان کی نظر پہاڑ پر پڑی۔ دل میں خیال آیا کہ اگر یہاں آبشاریں ہوتیں، مرغزاریں ہوتیں، درخت ہوتے تو کتنا اچھا منظر دکھائی دیتا۔ اب اگرچہ انہوں نے اپنے دل ودماغ میں یہ بات سوچی تھی، مگر جو زیادہ مقرب ہوتے ہیں، ان کی چھوٹی باتوں پر بھی پکڑ آجاتی ہے، لہٰذا ان پر اللہ رب العزت کی طرف سے عتاب ہوا اور دل میں یہ بات القاء ہوئی:

"اب تم نے بندگی چھوڑ دی اور ہمارے مشیر بن گئے، اب تمہیں ہماری تخلیق میں نقص نظر آتا ہے۔"

بس اس بات کے دل میں القاء ہونے پر ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ یہ تو آدابِ بندگی کے خلاف ہے۔ انہوں نے یہ سوچ کر رونا شروع کر دیا کہ میں نے ایسا کیوں سوچا...... یہ بھی اللہ رب العزت کی طرف سے توفیق ہوتی ہے کہ فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے...... اچھا، غلطی کا احساس ہونے پر انہوں نے یہ نیت کر لی کہ جب تک مجھے واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اشارہ نہیں مل جائے گا کہ میری غلطی کو معاف کر دیا گیا ہے۔ میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ ہی پیوں گا اور یوں اپنے نفس کو سزا دوں گا۔

ایک مرتبہ بستی والوں کے ہاں کوئی تقریب تھی۔ حضرت داموسؒ بھی وہاں پہنچ

گئے۔ کسی نے کہا، جی کھانے کے لئے تشریف لائیے۔ انہوں نے فرمایا، میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اس نے کہا، جی رات کے وقت تو روزہ نہیں ہوتا۔ انہوں نے فرمایا، روزے کی بات نہیں ہے، میں نے کھانا نہیں ہے۔ کچھ لوگ لسوڑھے کی مانند ہوتے ہیں اور وہ چمٹ جاتے ہیں۔ وہ اگلے بندے کی مجبوری کو سمجھنے کی بجائے اپنے مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کچھ بندوں نے کہا، نہیں حضرت! آپ ضرور تشریف لائیں۔ اب ادھر سے اصرار اور ادھر سے انکار۔ بالآخر ان میں سے کسی ایک نے کہا، جی! آپ یہ تو بتائیں کہ آپ نے کھانا پینا بند کیوں کیا ہے؟ اب انہوں نے صاف صاف بات بتا دی اور کہا کہ میں نے اسی وجہ سے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔ وہ عوام الناس تھے، وہ اس بات کو کیسے سمجھتے۔ لہٰذا وہ ہنس کر کہنے لگے، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ حتیٰ کہ ان سب نے مل کر کہا، جناب! آپ کے اس گناہ پر جو عذاب ہوگا وہ ہم سب مل کر تقسیم کر لیں گے، آپ کھانا کھائیں۔ جیسے ہی انہوں نے یہ الفاظ کہے تو داموسؑ کے دل میں فوراً الہام ہوا کہ اے میرے پیارے! یہ لوگ عذاب کو اتنا ہلکا سمجھ رہے ہیں لہٰذا آپ اس بستی کو فوراً چھوڑ دیجئے۔ ان سب کو ابھی ہلاک کر دیا جائے گا...... اللہ اکبر...... یوں بندہ اپنی اوقات بھول جاتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ پروردگار کی پکڑ پھر کیسے ہوتی ہے۔

خطرے کی بات

جب انسان کسی گناہ کو ہلکا سمجھنا شروع کر دے تو یہ بڑی خطرے کی بات ہوتی ہے۔ بلکہ مشائخ نے کہا کہ جس گناہ کو لوگ ہلکا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بڑا ہوتا ہے۔

☆ ...... ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اے دوست! یہ نہ دیکھنا کہ گناہ چھوٹا ہے یا بڑا، بلکہ اس ذات کی عظمت کو سامنے رکھنا جس کی تم نافرمانی کر رہے ہو۔

☆ ...... ایک بزرگ فرماتے تھے کہ اللہ رب العزت نے میرے دل میں القاء

فرمایا کہ میرے بندوں سے کہہ دو کہ یہ گناہ کرتے وقت باقی مخلوق سے پردہ کر لیتے ہیں اور ان تمام دروازوں کو بند کر دیتے ہیں جن سے مخلوق دیکھتی ہے۔ لیکن اس دروازے کو بند نہیں کرتے جس سے میں پروردگار دیکھتا ہوں، کیا اپنی طرف دیکھنے والوں میں سے یہ سب سے کم درجے کا مجھے سمجھتے ہیں۔

☆......اکمال الشیم میں ایک عجیب بات لکھی ہے کہ اگر اللہ رب العزت کے عدل و انصاف سے مڈبھیڑ ہوئی تو کوئی بھی گناہ صغیرہ نہیں اور اگر اس کے فضل کا سامنا ہوا تو کوئی بھی گناہ کبیرہ نہیں۔ لہٰذا میرے دوستو! اگر اللہ رب العزت فضل فرما دیں تو پھر چاہے جس گناہ کو معاف فرما دے لیکن اگر عدل فرمائیں گے تو پھر معاملہ مشکل بن جائے گا۔

بے وفائی نہ کیا کرو

ایک بزرگ اپنے سالکین کو بار بار فرمایا کرتے تھے کہ جفا نہ کیا کرو۔ جفا کہتے ہیں بے وفائی کو۔ کسی سالک نے پوچھا، حضرت! بے وفائی سے کیا مراد ہے؟ وہ فرمانے لگے، بے وفائی تین طرح کی ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت سے بے وفائی، مخلوق سے بے وفائی اور اپنے آپ سے بے وفائی۔ پھر وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا، اب وہی ہمیں رزق اور باقی نعمتیں دیتا ہے۔ اگر ہم اسی کا دیا ہوا کھا کر کسی اور کو اس کے ساتھ شریک بنائیں گے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے وفائی ہو گی...... پھر فرمایا کہ لوگوں کو ایذا پہنچانا مخلوق کے ساتھ بے وفائی ہے، اس لئے مخلوق کا دل نہیں دکھانا چاہیے...... پھر فرمایا کہ اللہ رب العزت کے حکم کو توڑنا اور گناہ کرنا، یہ اپنے آپ کے ساتھ بے وفائی ہے اس لئے کہ اس طرح انسان اپنے آپ کو جہنم میں جانے کے قابل بنا لیتا ہے۔

عالمِ مثال میں انسانوں کی شکلیں

سچی بات تو یہ ہے کہ اگر گناہوں کے اندر بدبو ہوتی تو ہم کسی محفل میں بیٹھنے کے قابل نہ ہوتے۔ یہ اللہ رب العزت کی ستاری ہے کہ اس کے صدقے ہم آج عزتوں کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اسی لئے ایک بزرگ فرماتے تھے، اے دوست! جس نے تیری تعریف کی اس نے درحقیقت تیرے پروردگار کی ستاری کی تعریف کی جس نے تجھے چھپایا ہوا ہے...... یقیناً اگر وہ حقیقت کھول دیتا ہے تو ہم چہرہ دکھانے کے قابل بھی نہ ہوتے۔ انسان کی ایک تو ظاہری شکل ہوتی ہے اور ایک شکل عالمِ مثال میں ہوتی ہے۔ بندہ جس طرح کے اعمال کرتا ہے ویسی ہی اس کی شکل ہوتی ہے۔ اگر جانوروں والے اعمال کرتا ہے تو اس کی شکل جانوروں جیسی ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر:

...... جس میں حرص زیادہ ہوتی ہے اس کی شکل عالمِ مثال میں کتے کی مانند ہوتی ہے اس لئے کہ کتا حریص ہوتا ہے۔

...... جس میں بے حیائی زیادہ ہوتی ہے اس کی شکل خنزیر کی مانند ہوتی ہے کیونکہ خنزیر میں بے شرمی اور بے حیائی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

...... جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ایذاء پہنچاتا ہو اور دل دکھاتا ہو، اس کی مثال بچھو کی مانند ہوتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور ان کے جانشین تھے۔ وہ خود بھی بڑے محدث تھے اور ان کے شاگرد بھی وقت کے اکابرین میں سے بنے۔ اللہ رب العزت نے ان سے دین کا بہت زیادہ کام لیا۔ ایک وقت تھا جب پاک و ہند میں ان کا فتویٰ چلا کرتا تھا۔ دہلی کی جامع مسجد سے چند ہی کلومیٹر کے فاصلے پر ان کا مدرسہ اور گھر تھا۔ انہوں نے اپنے گھر میں ایک مسجد

بنائی ہوئی تھی جسے ''مسجدِ بیت'' کہتے ہیں۔ تعلیم و تعلّم کی مصروفیت کی وجہ سے وہ اکثر نمازیں وہیں پڑھا کرتے تھے البتہ جمعۃ المبارک کی نماز جامع مسجد میں جا کر پڑھا کرتے تھے۔ ان کے مریدین ان کی زیارت کے لئے تڑپتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت زیادہ حسن و جمال عطا فرمایا تھا۔ ان کا چہرہ ایسا منور تھا کہ لوگ دیکھنے کو ترسا کرتے تھے۔ عام دنوں میں ان کی تعلیمی مصروفیت کی وجہ سے ان سے ملاقات نہ ہوسکتی تھی۔ البتہ جب وہ جمعہ کی نماز کے لئے جاتے تو اس وقت لوگ راستوں میں کھڑے ہوکر ان کا دیدار کیا کرتے تھے۔ ان کے خادم کا نام فصیح الدین تھا۔ وہ حضرت کو جمعہ پڑھانے کے لئے لے جایا کرتا تھا۔

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ جب حضرت شاہ صاحبؒ جمعہ پڑھنے بازار جاتے تو بازار سے گزرتے ہوئے اپنے چہرے کے اوپر گھونگھٹ کی طرح رومال ڈال لیتے۔ اب دیکھنے والوں کو چہرہ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ اب لوگ ان کے خادم سے کہتے کہ جی ہم تو دیدار سے بھی محروم ہو جاتے ہیں...... خادم اگر پرانے ہوں تو پھر بعض اوقات بے تکلفی بھی ہو جاتی ہے...... چنانچہ ایک دن فصیح الدین نے موقع پا کر عرض کیا، حضرت! سارا ہفتہ تو لوگ ویسے ہی انتظار میں رہتے ہیں اور جب آپ جمعہ کے لئے جاتے ہیں تو چہرے پر رومال ڈال کر ان کو دیدار سے محروم کر دیتے ہیں۔ حضرت بھی چل رہے تھے اور وہ بھی ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ جب اس نے بات کی تو شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنا رومال اتار کر فصیح الدین کے سر پر رکھ دیا۔ تھوڑی سی دیر کے بعد وہ غش کھا کر گر پڑا۔ لوگوں نے اس کو زمین سے اٹھایا اور جب ہوش آیا تو پوچھنے والے نے پوچھا کہ جی آپ کے ساتھ کیا بنا؟ وہ کہنے لگا کہ جیسے ہی شاہ صاحب نے اپنا رومال میرے سر پر ڈالا تو مجھے بھرے بازار کے اندر انسان تو تھوڑے نظر آئے لیکن کتے، بلے اور خنزیر زیادہ چلتے نظر آئے۔ ان کی اندر کی شکلیں

اس کو کشف کی صورت میں نظر آ گئیں۔ یہ تو اللہ رب العزت کا احسان اور کرم ہے کہ اس پروردگار نے گناہوں میں بدبو نہیں بنائی جس کی وجہ سے ہم آج آرام سے محفلوں میں بیٹھ کر زندگی گزارتے ہیں۔

جاہل اور اجہل میں فرق

دنیا کی معمولی سی لذتوں یا چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کی خاطر گناہوں کا مرتکب ہو جانا بہت نقصان کی بات ہے۔ عام طور پر بندہ یا تو لذت کی خاطر گناہ کرتا ہے یا ضرورت کی خاطر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے ہیں۔ ایک دفعہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی محفل میں بیٹھے تھے۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا، بتاؤ، جاہل کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، حضرت! جو بندہ اپنی دنیا کی خاطر اپنی آخرت کو تباہ کر بیٹھے، اسے جاہل کہتے ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں آپ کو بتاؤں کہ اجہل (اس سے بھی بڑا جاہل) کون ہے؟ انہوں نے کہا، جی حضرت، ضرور بتایئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جو انسان دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت تباہ کر بیٹھے اسے اجہل کہتے ہیں۔

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فصاحت و بلاغت

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ

[مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامتی میں ہوں]

یعنی وہ نہ تو کسی کو زبان سے تکلیف پہنچائے اور نہ ہی ہاتھ سے۔ عام طور پر تکلیف تو ہاتھ سے پہنچائی جاتی ہے لیکن یہاں یَدْ کے ساتھ لِسَان کا بھی تذکرہ ہے۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ لِسَانُ کو یَدُ پر مقدم کیا گیا ہے۔شارحینِ حدیث نے یہاں عجیب نکات لکھے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان میں بڑی فصاحت و بلاغت ہے۔لِسَانُ کو یَدُ پر مقدم کرنے میں بڑی گہرائی اور عمق موجود ہے۔اس لئے کہ

☆......اگر انسان کسی کو تلوار سے زخم لگائے تو وہ زخم مندمل ہو جاتا ہے لیکن جو زخم زبان سے دل پر لگایا جاتا ہے وہ کبھی مندمل نہیں ہوا کرتا۔

☆......ہاتھ سے تکلیف پہنچانی مشکل ہے اور زبان سے پہنچانی آسان ہے۔

☆......ہاتھ سے انسان فقط حاضرین کو تکلیف پہنچا سکتا ہے، نہ گزرے ہوؤں کو اور نہ ہی آنے والوں کو، مگر زبان ایسی شے ہے کہ اگر انسان اس سے حملہ کرے تو گزرے ہوؤں اور آنے والوں سب کو تکلیف پہنچا سکتا ہے۔آج بہت سے لوگ ایسے ہیں جو گزرے ہوؤں پر طعن کرتے ہیں اور انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں۔

گناہوں سے بچنے کا مقام

ہمارے اس سلوک میں لمبی چوڑی نیکیوں اور نفلی عبادتوں کا اتنا مقام نہیں جتنا مقام گناہوں سے بچنے کا ہے۔اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ دو بندے ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی تو دن رات تسبیح کا کبی بنا ہوا ہے، لمبی نفلیں، لمبی عبادتیں اور ذکر اذکار اور پتہ نہیں کیا کچھ نیکیاں کر رہا ہے، مگر ساتھ ہی گناہوں کا ارتکاب بھی کر لیتا ہے۔نہ آنکھ قابو میں آتی ہے اور نہ زبان قابو میں۔گویا اگر نیکیاں زیادہ کر رہا ہے تو گناہ بھی زیادہ کر رہا ہے۔اور اس کے بالمقابل ایک دوسرا سالک ہے جو لمبے چوڑے ورد وظیفے تو نہیں کرتا مگر کم از کم گناہوں سے بچتا ہے۔وہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ میرے ہاتھ پاؤں، دل و دماغ اور میرے جسم کے کسی بھی عضو سے کوئی

گناہ سرزد نہ ہو۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنے والا اس لمبے چوڑے وظیفے کرنے والے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ کیونکہ لمبے چوڑے وردو وظیفے کرنے والا ''اوپر سے لا الٰہ، اندر سے کالی بلا'' کا مصداق بن چکا ہوتا ہے۔

علم اور ارادے سے گناہ چھوڑنے کا انعام

گناہوں کے ترک کرنے سے اللہ رب العزت کا قرب زیادہ جلدی نصیب ہوتا ہے۔ ایک بات یاد رکھئے کہ جو شخص اپنے علم اور ارادے سے گناہ کرنا چھوڑ دیتا ہے، اللہ رب العزت اس بندے کی دعاؤں کو رد کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور اسے صدیقین میں شامل فرما دیتے ہیں۔ ایسے گناہ جو بے علمی میں ہو جائیں یا بلا ارادہ کے ہو جائیں، وہ بہت جلدی معاف ہو جاتے ہیں۔ البتہ نقصان دہ گناہ وہ ہوتا ہے جو سوچ سمجھ کر کیا جائے۔ تاہم جیسے ہی گناہ سرزد ہو توبہ میں دیر نہ کی جائے۔ اس لئے جب کوئی مؤمن گناہ کرتا ہے تو وہ غفلت کی وجہ سے کرتا ہے اور اس وقت اس کی عقل پر پردہ پڑ چکا ہوتا ہے۔

گناہ سے نفرت ایمان کا اثر

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ (الحجرات: ۷)

[اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر، گناہ اور نافرمانی کی]

تو جتنا زیادہ ایمان بڑھتا جائے گا اتنی ہی فسق و فجور سے کراہت بڑھتی جائے گی۔ اگر گناہ کر بیٹھے گا تو اس لئے کہ اس وقت اس کے اوپر غفلت کا پردہ پڑ گیا ہو گا۔ اس لئے مؤمن جب غلبۂ حال کی وجہ سے گناہ کر بیٹھتا ہے تو کرنے کے بعد اس

کے دل کو بڑا دکھ اور ندامت ہوتی ہے، پھر وہ ہمیشہ اپنے آپ کو کوستا رہتا ہے کہ اوہو! میں کیا کر بیٹھا۔ گناہ کرنے سے پہلے غفلت کا پردہ تھا اور کرتے ہی اپنی اصلیت سامنے آجاتی ہے اور وہ افسوس کرتا ہے کہ مجھے تو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اور یاد رکھیں کہ گناہ کے بعد ندامت محسوس کرنا اور دل کے اندر بوجھ اور بے قراری محسوس کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس بندے کے اندر ایمان سلامت ہے۔ ایک دانا کا قول ہے کہ نیکی تو ہر کس و ناکس کر لیتا ہے، جوانمرد تو وہ ہے جو گناہ کرنا چھوڑ دے۔ اور جو آدمی من چاہی چھوڑ کر رب چاہی زندگی اختیار کرنا چاہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کے ایام کو گناہوں سے خالی کر لے۔ اس کے لئے وہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے۔ وہ اس کوشش کے باوجود گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھے گا۔ پھر جب روزانہ بچنے کی کوشش کرتا رہے گا تو پہلے کی نسبت دن میں کم گناہ کرے گا۔ پھر اگلے دن اس سے بھی کم گناہ کرے گا۔ پھر ایک دن ایسا بھی آتا ہے کہ اس کا پورا دن گناہوں کے بغیر گزر جاتا ہے۔ پھر اسی طرح اگلا دن گزرتا ہے۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ گناہوں سے محفوظ فرما کر ایسی زندگی عطا کر دیتے ہیں کہ انسان گناہوں کی دلدل سے بچ نکلتا ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں لکھا کہ اس امت میں ایسے صدیقین گزرے ہیں کہ جن کے گناہ لکھنے والے فرشتوں کو بیس بیس سال تک گناہ لکھنے کا کوئی موقع ہی نہیں ملا۔ ہمارے دل کی بھی ایک تڑپ اور تمنا ہونی چاہیے کہ اے مالک! ہمیں بھی ایسی سچی اور سچی زندگی نصیب فرما دے۔ (آمین)

ترکِ معصیت اعمالِ طاعات پر فضیلت رکھتی ہے۔ یہ ایک بنیادی نقطہ ذہن میں بٹھانا تھا کہ ترکِ معصیت پر محنت زیادہ کریں، اس لئے کہ یہ اعمالِ طاعات پر فضیلت رکھتی ہے۔

گناہ سے بھی بری چار باتیں

گناہ بہت برا ہوتا ہے لیکن چار باتیں گناہ سے بھی زیادہ بری ہیں۔

۱...... گناہ کو ہلکا سمجھنا: اگر کوئی بندہ گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ گناہ کو گناہ تو سمجھے۔ اس گناہ کو ہلکا سمجھنا، گناہ سے بھی زیادہ برا کام ہے۔

۲...... گناہ کر کے خوش ہونا: جیسے عورتیں کہتی ہیں، دیکھا، میں نے اسے جلانے کے لئے یہ بات کی۔ اب وہ جو یہ کہہ رہی ہے کہ میں نے اسے جلانے کے لئے یعنی اس کے دل کو دکھ پہنچانے کے لئے یہ بات کی ہے، تو یہ گناہ پر خوش ہونے والی بات ہے۔ یا اگر کسی گناہ کا راستہ کھل جائے تو خوش ہو کہ اب میرے لئے گناہ کرنا آسان بن گیا ہے۔ یہ بھی گناہ کرنے سے زیادہ برا ہے۔

۳...... گناہ پر اصرار کرنا: ایک گناہ کو بار بار کرنا بھی بہت برا کام ہے۔

۴...... گناہ پر فخر کرنا: گناہ پر اترانا اور فخر کرنا بھی گناہ کرنے سے برا کام ہے۔

گناہِ کبیرہ میں دس خرابیاں

ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ 'تنبیہ الغافلین' میں فرماتے ہیں کہ ہر کبیرہ گناہ کے اندر دس باتیں ہوتی ہیں۔

۱)...... اس شخص سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ جو بھی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ اپنے مالک کو ناراض کرتا ہے۔

۲)...... وہ شیطان کو خوش کرتا ہے۔ کیونکہ گناہ کے صدور سے دشمن شیطان خوش ہوتا ہے۔

۳)...... وہ جہنم کے قریب ہو جاتا ہے۔

۴)...... وہ جنت سے دور ہو جاتا ہے۔

۵)......وہ اپنے نفس کے ساتھ بے وفائی کرتا ہے۔ گویا اس نے اس کو آگ میں پڑنے کے قابل بنا دیا۔

۶)......وہ اپنے نفس کو ناپاک کر لیتا ہے۔ ہر گناہ باطنی نجاست کی مانند ہے۔ جس طرح ظاہری نجاست پانی سے دھلتی ہے، اسی طرح گناہوں کی نجاست توبہ سے دھلتی ہے۔

۷)......وہ اپنی نگرانی پر مامور فرشتوں کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ وہ نگرانی کرتے ہیں اور یہ تکلیف پہنچاتا ہے۔

۸)......وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبر مبارک میں غمگین کرتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے نامۂ اعمال نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچائے جاتے ہیں تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنے امتی کے گناہ دیکھتے ہیں تو محبوب علیہ السلام کو غم پہنچتا ہے۔

۹)......وہ باقی مخلوق کے ساتھ بھی خیانت کرتا ہے۔ اس لئے کہ گناہ کے صدور سے اللہ رب العزت کی اترنے والی برکتیں بسا اوقات رک جاتی ہیں۔ اس طرح دوسری مخلوق بھی محروم رہ جاتی ہے۔ مثلاً بارشیں رک جاتی ہیں تو باقی مخلوق بھی اس سے متاثر ہوتی ہے۔

۱۰)......انسان جہاں گناہ کرتا ہے، وہ زمین کے اس ٹکڑے کو قیامت کے دن کے لئے اپنے خلاف گواہ بنا لیتا ہے۔

آج کل ویڈیو کیمروں کا زمانہ ہے۔ دکانداروں نے بھی اپنی حفاظت کیلئے وڈیو کیمرے لگا دیئے ہیں۔ کارخانوں میں بھی وڈیو کیمرے لگ گئے ہیں تاکہ چوری کا خطرہ نہ رہے۔ اگر کوئی ڈاکہ مار کر چلا جائے تو اس کی پوری فلم آٹومیٹکلی بن رہی ہوتی ہے، پھر اس سے چور کو پکڑنا آسان ہو جاتا ہے۔ جس طرح یہ وڈیو کیمرے حفاظت کیلئے لگائے گئے ہیں اور آج چور کو پکڑنا آسان ہو گیا ہے، اسی طرح اللہ رب العزت کی زمین کا ہر ٹکڑا بھی وڈیو کیمرہ بن کر گناہ کے اس منظر کو محفوظ کر لیتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَاo بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَاo (الزلزال: ۵-۴)

[اس دن کہہ دے گی وہ (زمین) اپنی باتیں، اس واسطے کہ تیرے رب نے حکم بھیجا اس کو]

معرفت بھری بات

ایک عجیب بات یہ ہے کہ انسان کئی مرتبہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اس کے باجود اپنے آپ کو بڑا سالک سمجھ رہا ہوتا ہے۔ انسان کی حالت تو یہ ہے کہ اسے دوسروں کے بارے میں گناہ کا شک ہو جائے تو وہ ان سے نفرت کرنی شروع کر دیتا ہے اور اپنے عیبوں کا یقین ہوتا ہے لیکن پھر بھی اپنے نفس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب معرفت بھری بات لکھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ دوسروں کی نظر میں اپنے آپ کو گرا دینا بڑا آسان کام ہے اور اپنی نظر میں اپنے آپ کو گرا دینا سب سے مشکل کام ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بعض دوست جو فرض کی پابندی بھی نہیں کر پاتے، وہ خواب میں کسی بزرگ شکل کو دیکھ لیتے ہیں تو وہ اسی پر مست پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جی حضرت! مجھے خواب بہت اچھے آتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ جو خوابوں کے شہزادے بنتے ہیں وہ ہمیشہ خسارے میں رہتے ہیں۔

گنہگار اللہ کی نظر سے گر جاتا ہے

ہمارے مشائخ نے کہا کہ انسان گناہ کرنے سے اللہ رب العزت کی نگاہوں سے گر جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے اعمال کی توفیق چھین لیتے ہیں۔ اور سب سے پہلے جو توفیق چھینتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس کو رات کے آخری پہر کی مناجات کی لذت

سے محروم کر دیتے ہیں۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ کئی مرتبہ بندہ تہجد میں اٹھتا بھی ہے لیکن اس کی دعاؤں میں کوئی حلاوت نہیں ہوتی۔ بلکہ دعا مانگنے کو اس کا دل ہی نہیں کرتا، دعا میں طبیعت چلتی ہی نہیں۔ یہ نہیں کہ طبیعت چل نہیں رہی ہوتی بلکہ وہ چلنے ہی نہیں دی جاتی۔ دن کے گناہوں کی وجہ سے بندہ رات کی عبادتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ایک شخص حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور عرض کیا، حضرت! مجھے تہجد کی توفیق نہیں ہوتی۔فرمایا، اے دوست! تو اپنے دن کے اعمال درست کر لے اللہ تعالیٰ تجھے رات کے اعمال کی توفیق عطا فرما دیں گے۔

ایمان سے محروم کر دینے والے گناہ

ہمارے مشائخ نے لکھا ہے کہ ہمارا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ تین گناہوں کے ارتکاب سے موت کے وقت کلمہ طیبہ کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔اس لحاظ سے یہ گناہ بہت خطرناک ہیں۔

۱)...... <u>احکامِ شریعت کو بوجھ سمجھنا:</u>

احکامِ شریعت کو بوجھ سمجھنا اور ان احکام کو عمل کے قابل نہ سمجھنا موت کے وقت ایمان کے سلب ہونے کا باعث بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر عورت ہے تو وہ پردے کو بوجھ سمجھے اور اگر مرد ہے تو رشوت اور سود سے بچنے کو بوجھ سمجھے۔آج کل اکثر یہ سنا جاتا ہے کہ آج کے زمانے میں شریعت پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔میرے دوست! اگر کوتاہی ہو جائے تو اپنے آپ کو گنہگار ضرور سمجھئے، کیونکہ گناہ کرنا اور پھر Justify (دلیل سے ثابت کرنا) کرنا بہت بڑی حماقت ہے۔

ایک آدمی کو موت کے وقت کلمہ پڑھنے کی تلقین کی گئی۔اس نے جواب میں کہا، میں نہیں پڑھتا اور اس وقت اس کی روح نکل گئی۔اس پر اس کے قریب کے کسی عالم

کو تشویش لاحق ہوئی اور اس نے اس کے اہل خانہ سے پوچھا کہ اس کی زندگی کا کوئی ایسا عمل تو بتاؤ کہ جس کا یہ وبال ہوا کہ یہ کلمہ بھی نہ پڑھ سکا۔ اس کی بیوی نے بتایا کہ یہ طبعاً سست اور کاہل تھا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ اس کو جب بھی غسلِ جنابت کی ضرورت ہوتی تھی تو کہتا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہاں تو غسلِ جنابت نہیں تھا، دین اسلام میں یہ ایک نیا حکم آ گیا ہے۔ گویا کہ وہ غسلِ جنابت کو بوجھ سمجھتا تھا۔ اس گناہ کی وجہ سے اس کو موت کے وقت کلمہ پڑھنے سے محروم کر دیا گیا۔

۲)...... سوءِ خاتمہ کا ڈر نہ ہونا:

دوسری بات یہ ہے کہ جس بندے کو دل میں موت کے وقت سوءِ خاتمہ کا بھی ڈر نہ رہے، اس کی وجہ سے بھی انسان آخری وقت میں کلمہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ بندہ جتنا بھی نیک، متقی اور پرہیز گار کیوں نہ ہو، اس کے دل میں یہ ڈر ضرور رہنا چاہیے کہ پتہ نہیں موت سے پہلے میرے ساتھ کیا ہوگا۔ وہ اس بات سے ڈرتا اور کانپتا رہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ. (الاعراف:۹۹)

[سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر گھاٹے میں پڑنے والے]

تو مؤمن کبھی اللہ رب العزت کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہو سکتا۔ وہ ساری عمر ڈرتے کانپتے گزارتا ہے کہ پتہ نہیں میرا کیا بنے گا۔

۳)...... نعمتِ اسلام پر شکر ادا نہ کرنا:

اگر انسان نعمتِ اسلام پر شکر ادا نہ کرے تو اس کی وجہ سے بھی آخری وقت میں کلمہ پڑھنے کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔ اسی لئے وضو کرتے وقت شروع میں بسم اللہ کے بعد یہ دعا پڑھتے ہیں:

اَلْاِسْلَامُ حَقٌّ وَالْكُفْرُ بَاطِلٌ

حدیث پاک میں بھی صبح وشام پڑھنے کے لئے ایک دعا سکھائی گئی ہے:

رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا

[میں اللہ کو رب ماننے پر، اسلام کو دین ماننے پر اور محمد ﷺ کو نبی ماننے پر راضی ہوں]

گویا ہم اپنے دل میں یہ سوچا کریں کہ الحمد للہ، ہم اس بات پر خوش ہیں کہ اللہ رب العزت نے ہمیں اسلام کی نعمت عطا فرمائی۔

گناہ کی سزا کی تین صورتیں

بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کا وبال بھی اس پر ضرور پڑتا ہے......توجہ فرمائیے گا ......علماء نے لکھا ہے کہ گناہ کی سزا تین طرح سے ملتی ہے۔

(۱)......ایک کو "نکیر" کہتے ہیں۔ یعنی گناہ کیا اور ادھر کوئی مصیبت پڑ گئی۔ کئی لوگوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے۔ ایک آدمی میرے پاس آ کر کہنے لگا، حضرت! میں نے تجربہ کیا ہے کہ جب میں کسی کا دل دکھاتا ہوں تو کوئی نہ کوئی میرا نقصان ہو جاتا ہے۔ اب وہ کسی کا دل دکھانے سے بہت گھبراتا ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کا اثر دنیا میں ضرور دیکھتا ہے۔ کبھی کوئی مصیبت آ پڑتی ہے اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اس کے ماتحتوں کو اس کا نافرمان بنا دیتے ہیں۔ مثلاً بیوی ہٹ دھرم اور ضدی مل جاتی ہے جو گھر کے سکون کی تباہی کا باعث بنتی ہے یا پھر اولاد میں سے کوئی ایسا بن جاتا ہے جو اسے موٹے موٹے آنسوؤں سے رلاتا ہے۔ یہ اس گناہ کی نقد سزا مل رہی ہوتی ہے۔ اسے نکیر کہتے ہیں۔

(۲)......کبھی کبھی گناہ کی سزا ملنے میں "تاخیر" ہو جاتی ہے۔ تاخیر سے کیا مراد ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فوری طور پر سزا نہیں دیتے بلکہ کچھ دیر کے بعد سزا دیتے ہیں۔ انسان گناہ تو جوانی میں کرتا ہے اور سزا بڑھاپے میں ملتی ہے اور

بڑھاپے کی سزا بڑی عبرتناک ہوا کرتی ہے۔فرض کریں کہ بڑھاپے میں بیوی نافرمان بن جائے اور اس وقت اولاد جوان ہو چکی ہو اور وہ اولاد ماں کا ساتھ دینے والی ہو تو پھر بوڑھے کا جو بڑھاپا گزرے گا وہ کسی کو بتا بھی نہیں سکے گا۔یا بڑھاپے میں کوئی ایسی بیماری لگا دی کہ دوسروں کا محتاج ہو گیا۔اس صورت میں بھی بندہ سزا بھگت رہا ہوتا ہے۔ایک صاحب اس عاجز کے پاس آ کر کہنے لگے،حضرت! میں گناہ بھی کوئی نہیں کرتا لیکن بڑی پریشانی رہتی ہے۔میں نے کہا،آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ نے زندگی میں جتنے بھی گناہ کیے،کیا ان سب گناہوں سے سچی توبہ کر لی ہے یا کچھ گناہ ایسے بھی ہیں کہ جن سے ابھی توبہ نہیں کی؟ کہنے لگے،جی نہیں،کچھ گناہ ایسے ہوں گے کہ جن سے ابھی توبہ نہیں کی۔میں نے کہا،وہ گناہ نامہ اعمال میں تو لکھے ہوئے ہیں اور ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا آ سکتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید ان کے ساتھ جا رہا تھا۔اس نے ایک بے ریش عیسائی لڑکے کو دیکھا تو حضرت سے پوچھنے لگا،حضرت! اللہ ایسے چہروں کو بھی جہنم میں ڈال دے گا۔اس کی بات سے حضرت سمجھ گئے کہ اس نے شہوت کی نظر سے اس کو دیکھا ہے۔حضرت نے اسے فرمایا کہ توبہ کرو کیونکہ تم نے اسے بری نظر سے دیکھا ہے۔وہ کہنے لگا،جی نہیں،میں تو ویسے ہی پوچھ رہا ہوں۔چنانچہ اس نے توبہ نہ کی اور نتیجہ یہ نکلا کہ وہ حافظِ قرآن تھا،اس گناہ کی نحوست کی وجہ سے بیس سال بعد قرآن پاک کے حفظ کے نور سے محروم ہو گیا۔یعنی وہ قرآن بھول گیا۔

(۳)......کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''خفیہ تدبیر'' ہوتی ہے۔خفیہ تدبیر یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کے باوجود اس کو نعمتیں دیتے رہتے ہیں تاکہ یہ اچھی طرح ان نعمتوں کو استعمال کر کے غافل ہو جائے اور پھر آخرت کی بڑی سزا کا مستحق بن

جائے۔اس لئے یاد رکھئے کہ جب انسان گناہ کر رہا ہو اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھی دیکھ رہا ہو تو یہ بہت ڈرنے کی بات ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَلَمَّا نَسُوْا مَاذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآاُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً.(الانعام: ۴۴)

[پھر جب وہ بھول گئے جو ان کو نصیحت کی گئی تھی، ہم نے ان کے لئے ہر چیز کے دروازے کھول دیئے حتیٰ کہ وہ خوش ہو گئے جو ان کو نعمتیں ملی تھیں، ہم نے ان کو اچانک اپنی پکڑ میں لے لیا]

کئی مرتبہ انسان اس کو سزا سمجھتا ہی نہیں اور یہ سب سے بڑی سزا ہوتی ہے اور بندے کو محسوس ہی نہیں ہوتا۔

بنی اسرائیل کا ایک عالم کسی گناہ میں ملوث ہو گیا۔وہ ڈرتا رہا کہ کہیں اس گناہ کا وبال نہ آ پڑے۔کچھ عرصہ بیت گیا۔ایک مرتبہ اس نے دعا مانگتے ہوئے یہ دعا مانگی، اے اللہ! تو کتنا مہربان ہے کہ میں تیری نافرمانی کر رہا ہوں اور تو مجھ پر اپنی تمام نعمتیں سلامت رکھے ہوئے ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اے میرے بندے! نعمتیں مجھ سے نہیں بلکہ تجھ سے لی گئی ہیں۔وہ حیران ہو کر کہنے لگا، اے اللہ! ایسی کون سی نعمت مجھ سے لی گئی ہے؟ فرمایا گیا کہ تو غور کر کہ جس دن سے تو گناہ کا مرتکب ہو ہے، اس دن سے ہم نے تجھے رات تہجد کے وقت رونے کی لذت سے محروم کر دیا ہے۔پھر اسے احساس ہوا کہ واقعی جب سے گناہ کا مرتکب ہو اتھا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے رات کو مناجات کی لذت چھین لی تھی۔تو اللہ تعالیٰ ان تینوں میں سے کسی نہ کسی ایک صورت میں گناہوں کی سزا ضرور دیتے ہیں۔اسی لئے کسی نے کہا۔

؎ عدل و انصاف فقط حشر پر موقوف نہیں
زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

چھ کام بے فائدہ ہوتے ہیں

چھ کام بے فائدہ ہوتے ہیں۔

۱)...... انسان یہ سمجھے کہ میرے دل میں اللہ کا بہت خوف ہے مگر وہ گناہوں سے نہ بچے تو یہ خوف بے فائدہ ہے۔

۲)...... جو انسان یہ کہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے بڑی امیدیں ہیں مگر وہ عمل کرنے کی کوشش نہ کرے تو یہ امید بھی بے فائدہ ہے۔ اس لئے عمل کی کوشش ضرور کرے۔

۳)...... آدمی اللہ تعالیٰ سے دعا تو مانگے مگر اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن نہ ہو تو وہ دعا بھی بے فائدہ ہے۔ کئی لوگ کہتے ہیں کہ ہماری تو اللہ تعالیٰ سنتا ہی نہیں۔ جب حسنِ ظن ہی نہیں ہوگا تو پھر دعا کیا قبول ہوگی۔

۴)...... ندامت کے بغیر استغفار بے فائدہ ہوتی ہے۔

۵)...... اصلاحِ باطن کے بغیر ظاہر بے فائدہ ہوتا ہے...... اور

۶)...... اخلاص کے بغیر عمل بے فائدہ ہوتا ہے۔

توبۃ نصوح کے لئے چار کام

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرے...... توبہ کیسے کرے؟ ذرا توجہ سے سنئے، اہم بات ہے۔

☆...... پہلا کام یہ کرے کہ جو گناہ ہو چکے ہوں ان پر دل میں نادم اور شرمسار ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا ارادہ ہو۔

☆...... پھر دوسرا کام یہ کرے کہ وہ اپنے دل کو حسد اور کینے سے خالی کر لے۔ کیونکہ

جب گناہ سے توبہ کر رہا ہو اور سینہ کینے سے بھرا ہوا ہو تو وہ توبہ بھلا کیا فائدہ دے گی۔ لہٰذا اس کے دل میں مؤمن کے بارے میں انتقام، نفرت اور دشمنی نہ رہے وہ سب کو اللہ کے لئے معاف کر دے۔ ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھا تو فرمایا کہ وہ جنتی آ رہا ہے، جنتی آ رہا ہے۔ سننے والے بہت حیران ہوئے۔ حتیٰ کہ ایک صاحب کے دل میں خیال آیا کہ میں پتہ تو کروں کہ اس کا کون سا خاص عمل ہے کہ اس کے لئے جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ چنانچہ وہ اسے کہنے لگے، میرا جی چاہتا ہے کہ میں تین دن آپ کے گھر مہمان بنو۔ انہوں نے کہا، جی ضرور تشریف لائیے۔ وہ ان کے گھر پہنچ گئے۔ انہوں نے تین دن تک اس کو دیکھا مگر ان کو کوئی خاص عمل نظر نہ آیا۔ جس طرح باقی لوگ تہجد اور دیگر نوافل پڑھتے تھے اسی طرح وہ بھی پڑھتے۔ ان کو کوئی انوکھی بات نظر نہ آئی۔ تین دن کے بعد انہوں نے پوچھا، بھئی! میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے آپ کے بارے میں یہ الفاظ سنے تھے اور اسی لئے میں آپ کے ہاں مہمان بنا کہ مجھے آپ کے اندر وہ خاص عمل نظر آئے جس کی وجہ سے آپ کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ لیکن مجھے تو آپ میں کوئی ایسا عمل نظر نہیں آیا، اگر کوئی ہے تو آپ خود ہی بتا دیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میرا اور تو کوئی خاص عمل نہیں ہے البتہ یہ ہے کہ جب میں رات کو بستر پر سونے کے لئے لیٹتا ہوں تو میں اپنے دل میں ایمان والوں کے بارے میں پائے جانے والے غصہ اور کینہ کو اللہ کے لئے ختم کر دیتا ہوں۔

☆......اس کے بعد تیسرا کام یہ کرے کہ وہ فاسق و فاجر لوگوں سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہو جائے۔ ہم روزانہ وتر میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں:

وَنَخْلَعُ وَ نَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ

[اور (اے پروردگار!) ہم جدا ہوتے ہیں اور چھوڑتے ہیں ہر اس بندے کو

جو فاسق و فاجر ہے]

ہم روزانہ رات کو عشاء کے وقت کھڑے ہو کر نماز میں اللہ تعالیٰ سے ہاتھ باندھ کر وعدہ کرتے ہیں اور دن پھر انہی لوگوں کے ساتھ گزار رہے ہوتے ہیں۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب ان سے کوئی تعلق ہی نہیں رہے گا چاہے رشتہ داری ہی ہو، نہیں، بلکہ اس کے ساتھ دوستی ختم کر دے۔لین دین کا معاملہ تو ہر ایک کے ساتھ کرنا ہی ہوتا ہے، وہ تو کافروں کے ساتھ بھی کرتے ہیں۔مگر ایک ہوتا ہے دوستی کا تعلق، قلب کا تعلق، وہ توڑ لے۔اور یہ مطلب بھی نہیں کہ اب اس کو سلام بھی کبھی نہیں کرنا، نہیں بلکہ جو اصول شریعت نے بنا دیئے ہیں ان کی حدود میں رہیں اور دل کی محبت کا جو تعلق تھا اس کو ختم کر لیں اور پرہیز گار لوگوں سے دوستی رکھیں۔اگر پھر بھی بدکار لوگوں کے ساتھ صحبت رہے گی تو پھر توبہ قبول نہیں ہو گی اور وہ لوگ پھر گناہوں میں ملوث کر دیں گے۔اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی گندی نالی میں پڑا ہو تو اس کے اوپر وہی پانی ڈالنے سے کچھ نہیں ہوتا۔اس کو نالی سے نکال کر پاک پانی میں ڈالیں تو پھر وہ صاف ہو گا۔اسی طرح ہم اگر اپنے دل کو پاک کرنا چاہتے ہیں تو فاسق و فاجر لوگوں کی گندی نالی سے اپنے آپ کو بچانا پڑے گا۔پھر اگر اس پر اللہ کے ذکر کے چند قطرے پڑ جائیں گے تو یہ دل پاک اور صاف ہو جائے گا۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے قول کا پاس کریں جو ہم روزانہ اپنے پروردگار کے سامنے کہہ رہے ہوتے ہیں۔

☆......اس کے بعد چوتھا کام یہ کرے کہ موت کی تیاری میں لگ جائے۔

جس بندے نے یہ چار کام کر لئے، وہ سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی توبہ النصوح کی توفیق عطا فرما دی ہے۔

توبۂ نصوح کے چار انعامات

جب بندہ توبۂ نصوح کر لیتا ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ بھی چار کام کر دیتے ہیں:

۱)......اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا:

اَلتَّائِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ

[گناہوں نے توبہ کرنے والا اللہ کا دوست بن جاتا ہے]

۲)......اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس طرح مٹاتے ہیں کہ جیسے اس نے کبھی گناہ کئے ہی نہیں تھے۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ

[گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے کہ جیسے اس نے کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہیں]

چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی توبہ کر لیتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت اس کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس بندے کو آئندہ شیطان کے فریب اور ہتھکنڈوں سے بچا لیتے ہیں۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ (الحجر: ۴۲)

[اے مردود! جو میرے بندے ہوں گے ان پر تیرا کوئی بس نہیں چل سکتا]

اس کا کیا مطلب؟......کیا وہ فرشتہ بن گیا؟ کیا اس سے کوئی گناہ صادر ہی نہیں ہو سکتا؟ نہیں، نہیں......اس کا مطلب یہ ہے کہ اب بھی اس سے کوئی ایسا گناہ تو ہو سکتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہوں سے گر جائے یا اسے اللہ کے دربار سے دھتکار دیا جائے لیکن اگر اس سے کوئی چھوٹی موٹی خطا ہوئی بھی تو فوراً اس سے توبہ کر

کے معافی مانگ لے گا۔

۴)......ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ اس کی موت سے پہلے فرشتوں کو بھیج کر اس کے اچھے انجام کی خوشخبری سنا دیتے ہیں۔

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ،اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ. (حٰم السجدة: ۳۰)

[ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ تم مت ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور خوشخبری سنو اس بہشت کی جس کا تم سے وعدہ تھا]

اللہ رب العزت ہمیں بھی یہ نعمت عطا فرمادے۔

میرے دوستو! توبہ کرتے رہیے کرتے رہیے۔حتیٰ کہ اتنی بار توبہ کیجئے کہ شیطان تھک جائے اور یہ کہے کہ یہ کیسا بندہ ہے کہ میں بار بار محنت کر کے گناہ کرواتا ہوں اور یہ توبہ کر کے سب پر پانی پھیر دیتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ انسان اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کرے۔

ایک شرابی کی بخشش کا واقعہ

ایک مرتبہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سوئے ہوئے تھے۔ان کو خواب میں کسی بزرگ کی زیارت ہوئی اور فرمایا گیا کہ تمہارے پڑوسی کا جنازہ تیار ہے،تم جا کر اس کا جنازہ پڑھو۔سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جانتے تھے کہ ان کا پڑوسی بڑا شرابی بندہ تھا۔ اب وہ اٹھ تو بیٹھے لیکن بڑے حیران تھے کہ اس پڑوسی کے بارے میں مجھے خواب میں فرمایا گیا کہ جاؤ اس کی نماز جنازہ پڑھ کے آؤ۔ پھر ان کے دل میں خیال آیا کہ ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی وجہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے اس کے اہل خانہ سے پچھوایا کہ اس کو موت کس حال میں آئی۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک غافل سا بندہ تھا لیکن

موت کے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور یہ اللہ تعالیٰ سے یوں فریاد کر رہا تھا:

''اے دنیا و آخرت کے مالک! اس شخص پر رحم فرما جس کے پاس نہ دنیا ہے نہ آخرت ہے۔''

اس عاجزی کے صدقے اللہ تعالیٰ نے موت کے وقت اس کے گناہوں کو معاف فرما دیا...... سبحان اللہ

بادشاہ کی پیشکش اور اس کا جواب

ایک بادشاہ نے ایک عالم سے کہا کہ آپ بہت دور رہتے ہیں، مجھے آپ سے بڑی محبت ہے، آپ آئیں اور میرے پاس آ کر رہیں ...... اگر آج کل کے کسی بندے کو بادشاہ دعوت دیتا تو وہ سر کے بل چل کر جاتا۔ لیکن وہ اللہ والے تھے ...... جب انہیں یہ پیغام ملا تو وہ آئے اور انہوں نے بادشاہ سے بھرے دربار میں کہا،

''بادشاہ سلامت! اگر میں آپ کے پاس آ کر رہوں اور آپ کی کوئی باندی ہو اور آپ مجھے کسی دن دیکھیں کہ میں آپ کی اس باندی کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو رہا ہوں تو آپ کا رویہ کیا ہوگا؟''

بادشاہ یہ سنتے ہی سخت غضب ناک ہوا اور کہنے لگا،

''کیا تو ایسا انسان ہے؟ تیری یہ کیسی جرأت ہے کہ تو میرے ہاں آئے اور پھر یہاں حرام کاری کا مرتکب ہو۔''

جب بادشاہ خوب غضب ناک ہو گیا تو وہ عالم کہنے لگے،

''بادشاہ سلامت! ابھی تو میں اس گناہ کا مرتکب ہی نہیں ہوا اور آپ مجھ پر ابھی سے غضب ناک ہو گئے، تو میں اس کریم کا در چھوڑ کر آپ کے در پر کیسے آؤں جو گناہ کرتے ہوئے دیکھ کر بھی مجھ پر غضب ناک نہیں ہوتا''...... سبحان اللہ

ایک کفن چور کی سچی توبہ کا واقعہ

فقیہہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ الغافلین میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضری کے لئے آئے تو راستے میں انہوں نے ایک نوجوان کو دیکھا جو بہت زار وقطار رو رہا تھا۔ اس کو روتا دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل پسیج گیا۔ انہوں نے پوچھا، اے نوجوان! کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا، میں ایک بڑے گناہ کا مرتکب ہو گیا ہوں، اب میں اللہ کے عذاب سے ڈر رہا ہوں کہ میں کیا کر بیٹھا۔ سخت پریشان ہوں، لہٰذا آپ مہربانی فرما کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں میری سفارش فرما دیجئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رو رہے تھے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، عمر! آپ رو کیوں رہے ہیں؟ عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا تھا، راستے میں ایک نوجوان کو دیکھا جو کوئی بڑا گناہ کر بیٹھا تھا۔ وہ بہت رو رہا تھا۔ اس کی آہ وزاری نے مجھے بھی رلا دیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، عمر! اس کو اندر بلا لو۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اندر آنے کی اجازت مرحمت فرما دی تو وہ نوجوان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہاں بھی رونا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، اے نوجوان! کیا ہوا؟ اس نے کہا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں بہت بڑا گناہ کر بیٹھا ہوں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کیا تیرا گناہ بڑا ہے یا اللہ کا عرش بڑا ہے؟

وہ کہنے لگا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میرا گناہ بڑا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تیرا گناہ بڑا ہے یا کرسی بڑی ہے؟

وہ کہنے لگا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میرا گناہ بڑا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کیا تو نے شرک کا ارتکاب کیا ہے؟

اس نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں نے شرک کا ارتکاب تو نہیں کیا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کیا تو نے اللہ کے کسی بندے کو قتل کر دیا ہے؟

اس نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں نے کسی بندے کو قتل بھی نہیں کیا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تو پھر ایسا کون سا گناہ ہے کہ جس کو تو اتنا بڑا سمجھ رہا ہے؟

اس نے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! میرا گناہ بہت بڑا ہے۔ میں کئی سالوں سے کفن چوری کا کام کرتا تھا۔ مُردوں کے کفن اتار کر بیچتا اور اپنی ضرورت پوری کرتا۔ چند دن پہلے انصار کی ایک نوجوان لڑکی دفن کی گئی۔ میں نے اپنی عادت کے مطابق رات کو جا کر اس کا کفن اتارا اور جب کفن اتار کر جانے لگا تو مجھ پر شیطان غالب آیا اور اس نے میری شہوت کو ابھار دیا۔ میں پلٹا اور میں نے اس مردہ لڑکی کے ساتھ زنا کیا...... جب میں زنا کر کے اٹھنے لگا تو مجھے یوں آواز آئی کہ جیسے وہ لڑکی بول رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ اے اللہ کے بندے! تو نے مجھے مُردوں کے مجمع میں ننگا کر دیا اور کل قیامت کے دن اللہ کے حضور حالتِ جنابت میں کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا...... اب اس آواز کی وجہ سے میرے دل پر ایسا رعب ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور میں اللہ کی پکڑ میں ہوں۔

جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سنا تو آپ کو بھی بڑا تعجب ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے تو بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ تو نے مردہ لڑکی کے ساتھ ایسا سلوک کیا......!!! جب اللہ کے محبوب ﷺ نے بھی فرما دیا کہ یہ ایک بڑا گناہ ہے تو وہ نوجوان اٹھا اور روتا ہوا باہر چلا گیا۔ اس نے سوچا کہ اس وقت اللہ کے محبوب ﷺ ناراض ہیں۔ کہیں کوئی ایسی بات آپ ﷺ کے پیارے منہ سے نہ نکل جائے جو

میری بربادی کا سبب بن جائے۔اس لئے وہ باہر چلا گیا۔

جب وہ وہاں سے نکلا تو سیدھا پہاڑوں میں چلا گیا۔وہ نوجوان چالیس دن تک نمازیں پڑھتا رہا، سجدے کرتا رہا اور معافی مانگتا رہا۔اس کے دل کو آگ لگی ہوئی تھی۔وہ رو رو کر اللہ تعالیٰ کو مناتا رہا۔وہ اللہ کے سامنے عاجزی کرتا کہ اے میرے مالک! میں آپ کے محبوب ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا اور انہوں نے بھی فرمایا کہ یہ تو بہت بڑا گناہ ہے، اے اللہ! میں اب کہاں جاؤں؟ میرا تو تیرے سوا کوئی نہیں ہے۔جیسے کہ کہنے والے نے کہا:

میں تیرے سامنے جھک رہا ہوں خدا
میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا

جب اس نے چالیس دن معافی مانگی اور اللہ تعالیٰ کو منایا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کی خدمت میں اللہ تعالیٰ کے سلام پیش کئے اور عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! اللہ رب العزت نے پوچھا ہے کہ اے محبوب ﷺ! بتایئے کہ کیا مخلوق کو آپ نے پیدا کیا ہے یا میں نے پیدا کیا ہے؟

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، اللہ رب العزت نے مجھے بھی اور ساری مخلوق کو بھی پیدا فرمایا۔

پھر جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا ہے کہ کیا مخلوق کو آپ رزق دیتے ہیں یا میں دیتا ہوں؟

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، مجھے بھی اور ساری مخلوق کو بھی اللہ رب العزت ہی رزق عطا فرماتے ہیں۔

جب یہ باتیں ہوگئیں تو تیسری بات پوچھی گئی کہ مخلوق کو میں نے معاف کرتا

ہے یا کسی اور نے کرنا ہے؟

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، اللہ رب العزت ہی نے مخلوق کے گناہوں کو معاف کرنا ہے۔

جب محبوب ﷺ نے یہ فرمایا تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض لیا کہ اللہ رب العزت نے پیغام بھیجا ہے کہ اے محبوب! اس بندے نے میرے سامنے رو رو کر اتنی معافی مانگی کہ میں نے اس بندے کے گناہ کو معاف کر دیا...... سبحان اللہ، سبحان اللہ ...... پھر اللہ کے محبوب ﷺ نے صحابی کو بھیجا کہ اس نوجوان کے پاس جاؤ اور اس کو خوشخبری سنا دو کہ تیری عاجزی اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہو گئی اور پروردگار نے تیری مغفرت کا پیغام بھیج دیا ہے۔

وہ پروردگار اتنا کریم ہے کہ وہ معافی مانگنے والے بندے کی معافی کو قبول فرما لیتا ہے۔ اس لئے میرے دوستو! ابھی آنکھیں سلامت ہیں، اپنے گناہوں پر آنسو بہا لیجئے۔ ابھی زبان سلامت ہے، اپنے رب سے معافی مانگ لیجئے۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ آنکھیں بند ہو جائیں گی اور یہ زبان بھی بولنے کے قابل نہیں رہے گی۔ اس سے پہلے پہلے اپنے رب کو منا لیجئے اور اپنے نامہ اعمال کی سیاہی کو دور کروا لیجئے۔ وہ پروردگار بڑا کریم ہے۔ جب اس کا کوئی بندہ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر اپنے رب کے در پر آ کر اپنے رب کے ساتھ صلح کرنے کی کوشش کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے خوش ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے تو پروردگار نے فرمایا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحاً. (التحریم: ۸)

[اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی توبہ کر لو]

قرآن مجید کی اس آیت کو سامنے رکھتے ہوئے آج کی اس محفل سے فائدہ اٹھایئے اور اپنے گزرے ہوئے گناہوں پر نادم و شرمندہ ہو کر سچی توبہ کی نیت کے

ساتھ اپنے رب کو منا لیجئے۔ کیا معلوم کہ اس محفل میں اللہ کا کوئی ایسا مخلص بندہ ہو جس کے اٹھے ہوئے ہاتھ اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں اور اس کی برکت سے ہماری بھی بگڑی بن جائے اور ہمارے بھی گناہ معاف ہو جائیں۔ یاد رکھئے کہ اگر ہم معافی کے بغیر اس مسجد سے اٹھ کر چلے گئے تو پھر دوسرا تو کوئی در نہیں جہاں جا کر ہم معافی مانگیں گے۔ میرے دوستو! اگر کوئی مسجد سے نکل کر جہنم میں چلا گیا تو اس پر کوئی حسرت نہیں، حسرت تو اس پر ہے جس کی معافی قبول نہ ہو اور وہ مسجد سے نکل کر جہنم میں چلا جائے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہم پر رحم فرمادے اور اس محفل سے اٹھنے سے پہلے ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے اور ہماری عاجزی کو قبول فرما کر ہمیں بھی اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمالے۔ (آمین ثم آمین)

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العٰلمین.

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ .(البلد:۴)

عزت دین میں ہے

یہ بیان 21 اکتوبر 2002ء بمطابق ۱۴ شعبان ۱۴۲۳ھ کو جامع مسجد مدینہ جھنگ میں آٹھویں سالانہ نقشبندی تربیتی اجتماع کی اختتامی تقریب میں بعد نماز فجر ہوا۔ اس اجتماع میں شمولیت کے لئے اندرون و بیرون ملک سے حضرت اقدس دامت برکاتہم کے خلفائے کرام اور ہزاروں سالکین طریقت موجود تھے۔

اقتباس

جو انسان رب کریم کو راضی کر لیتا ہے پھر اللہ رب العزت اسے دنیا میں بھی عزت دیتے ہیں اور آخرت میں بھی عزتیں دی جاتی ہیں۔ اس دین کی لائن سے وہ عزتیں ملتی ہیں جو دنیا کے پیچھے بھاگنے والوں کو نہیں ملتیں .....دین اسلام میں عجیب لذت ہے .....ایسا تو ہوا کہ وقت کے بادشاہ نے شاہی چھوڑ دی اور اس نے فقیری اختیار کر لی لیکن آج تک ایسا نہیں ہوا کہ کسی باخدا فقیر نے فقیری چھوڑ کر شاہی اختیار کر لی ہو۔ سچی بات یہ ہے کہ جو مزہ فقیری میں ہے وہ مزہ شاہی میں نہیں ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

عزت دین میں ہے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ (البلد: ۴)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

ہر حال آزمائش کا حال ہے

دنیا دارالعمل ہے اور آخرت دارالجزاء ہے۔ دنیا دارالفنا ہے اور آخرت دارالبقاء ہے۔ دنیا دارالغرور ہے اور آخرت دارالسّرور ہے۔ ہم سب کے سب یہاں مسافر ہیں۔ ہم خوشی کے عالم میں ہوں یا غمی کے عالم میں، صحت مند ہوں یا بیمار، مشغول ہوں یا فارغ، ہمیں احساس ہو یا نہ ہو، ہمارا سفر ہر حال میں جاری و ساری ہے۔ ہم اپنی منزل کی طرف ہر وقت رواں دواں ہیں۔ ہر دن ہمیں منزل کے قریب سے قریب تر کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ دنیا امتحان گاہ بھی ہے لہٰذا یہاں ہر انسان آزمایا جا رہا ہے۔ پروردگارِ عالم کسی کو کھلا رزق دے کر آزماتے ہیں اور کسی کا رزق تنگ کر کے آزماتے ہیں۔ کسی کو عزت دے کر آزماتے ہیں اور کسی کو ذلت دے کر آزماتے ہیں۔ کوئی صحت کی کیفیت میں آزمائش میں ہے اور کوئی بیماری

کی حالت میں آزمائش میں ہے۔کامیاب انسان وہ ہے جو ہر حال میں اللہ رب العزت کے حکموں کو مدِ نظر رکھے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک سنتوں پر عمل کرے۔

حقیقی معنوں میں بے وقوف انسان

اس دنیا میں اللہ رب العزت نے ایسے جال اور پھندے بنوا دیئے ہیں کہ انسان ان میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ بڑے بڑے عقلمندوں کو دھوکے لگتے ہیں۔ کہنے کو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں مگر ان کو نماز کی فرصت نہیں ہوتی۔ کہنے کو بڑے ذہین ہوتے ہیں لیکن اللہ کے گھر کا دروازہ کبھی دیکھا ہی نہیں ہوتا۔ ایسا عقلمند حقیقت میں بے وقوف انسان ہوتا ہے۔اس لئے اللہ رب العزت نے کافروں کے بارے میں کہا،

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَا یَعْقِلُوْنَ

[یہ لوگ وہ قوم ہیں جنہیں عقل ہی نہیں]

ان کو حقیقت سمجھ میں ہی نہیں آتی کہ اصل بات کیا ہے۔انسان وقتی لذتوں اور واہ واہ کے پیچھے ایسا الجھ جاتا ہے کہ مقصودِ حقیقی سے نظر ہٹ جاتی ہے۔

جاہی اور باہی گناہ

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) جاہ سے تعلق رکھنے والے گناہ

(۲) باہ سے تعلق رکھنے والے گناہ

جاہ سے مراد وہ گناہ جو مقام اور مرتبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔مثلاً مجھے بڑا عالم سمجھا جائے.....جو صفات مجھ میں ہیں وہ کسی اور میں نہیں.....اعرفونی (مجھے پہچانو) ''ہم چوں ما دیگرے نیست''یعنی ہم جیسا اور کوئی نہیں۔حقیقت میں وہ کہتے ہیں

''ہم چوں ماڈنگرے نیست''، یعنی جیسے ڈنگر ہم ہیں ایسا کوئی اور ہے ہی نہیں۔
دوسرے گناہ باہ یعنی شہوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ان دونوں میں سے جو گناہ جاہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ زیادہ نقصان دہ ہیں کیونکہ عمومی طور پر جو انسان باہ کے گناہوں میں ملوث ہوتا ہے اس کے دل میں ندامت ہوتی ہے۔وہ دل ہی دل میں اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہا ہوتا ہے۔لہٰذا اس کی ندامت کسی بھی وقت معافی کا سبب بن سکتی ہے لیکن جاہ کے گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو راہ راست پر سمجھ رہا ہوتا ہے۔عجب، خود پسندی اور تکبر جاہی گناہ ہیں۔ایسے گناہوں کا انسان کے اندر سے نکلنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔خود پسندی اور تکبر تو اتنے خطرناک گناہ ہیں کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِی قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ کِبْرٍ

[جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوسکتا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا]

ذرہ انگریزی میں ایٹم کو کہتے ہیں۔اس لئے یہ عاجز کہتا ہے کہ تکبر ایک ایٹمی گناہ ہے۔کیونکہ جس طرح ایٹمی ہتھیار تباہی پھیلاتے ہیں اسی طرح تکبر بھی زندگی میں تباہی پھیلا دیتا ہے۔یہ بڑی دیر کے بعد نکلتا ہے۔

حدیث پاک میں ہلاک کر دینے والے کاموں میں ایک بات یہ بھی بتائی گئی ہے :وَ اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ ''بندے کا اپنے اوپر عجب کرنا'' یاد رکھئے کہ نیکی کے ساتھ خود پسندی، عجب اور تکبر بھی چلتا رہتا ہے۔آدمی ایک طرف پرہیز گاری کی زندگی بھی گزارتا ہے مگر دوسری طرف اپنے جیسا کسی کو نہیں سمجھتا۔ایک بات یاد رکھئے کہ لوگوں کی نظر میں اپنے آپ کو گرانا بہت آسان ہے مگر اپنی نظر میں اپنے آپ کو گرانا بہت مشکل کام ہے۔انسان اللہ کا دوست اس وقت بنتا ہے جب اپنے آپ کو اپنی نظر میں گراتا ہے۔اسی لئے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَيْنِیْ صَغِیْرًا

[اے اللہ! مجھے میری نظر میں چھوٹا بنا دے]

آج کل جسے چند سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق حاصل ہو جاتی ہے وہ اپنی نیکیوں پر فریفتہ ہوا پھرتا ہے۔ اس اجتماع کا مقصد اس خود پسندی کے بت کو توڑنا اور اپنے آپ کو مٹانا ہے۔ نفس کو مارنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ کوئی زندہ چیز ہے جس کا گلا گھونٹ دیا جائے گا بلکہ نفس کو مارنے کا مطلب اپنے اندر کی خواہشات کو قابو میں لے آنا ہے۔

آخرت کو دنیا پر مقدم رکھنے کا حکم

دنیا فانی ہے اور اس کی حیثیت کھیل تماشے سے زیادہ نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ (العنکبوت: ۶۴)

[اور یہ دنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل تماشا]

اس لئے چاہیے کہ انسان کے دل میں دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو جائے اور اس کے اندر اللہ رب العزت کی محبت آ جائے۔ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا اللہ رب العزت کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ پیغام پہلی کتابوں میں بھی دیا گیا اور آخری کتاب میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس بات کو کھول کر بیان کر دیا ہے:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَاo وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰیo (الاعلیٰ: ۱۷-۱۶)

[تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت اس سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔]

یہ ایسا پیغام ہے جو انسانیت کو شروع سے لے کر آج تک مل رہا ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ٥ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ٥

(الاعلیٰ: ۱۸۔۱۹)

[بے شک یہی کچھ پہلے صحیفوں میں بھی تھا، ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں]

ہمیں ان آیات میں آخرت کو دنیا پر مقدم رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اگر دنیا فنا ہونے والا سونا ہوتا اور آخرت باقی رہنے والی ٹھیکری ہوتی تو پھر بھی عقل کا تقاضا یہ تھا کہ ہم آخرت کو دنیا پر مقدم کرتے۔ جب کہ معاملہ الٹ ہے۔ دنیا فنا ہونے والی ٹھیکری کی مانند ہے اور آخرت باقی رہنے والے سونے کی مانند ہے، ہم اس آخرت کو بھول جاتے ہیں اور دنیا کی چاہتوں کو پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ دنیا سے کنارہ کشی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان دین کو دنیا پر ترجیح دے۔ جس شخص نے دین کو دنیا پر ترجیح دینا شروع کر دی اس نے گویا دنیا سے کنارہ کشی شروع کر دی۔ دنیا میں اتنے پھندے ہیں کہ ہلاک ہونے والوں پر تعجب نہیں ہوتا بلکہ تعجب ان پر ہوتا ہے جو ان پھندوں سے ایمان سلامت لے کر چلے جاتے ہیں کہ وہ کتنے عظیم لوگ ہیں..... ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ تعجب ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا بغیر محنت دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اور ہم یہاں دنیا سمیٹنے کے لئے محنت کرتے ہیں جب کہ آخرت کو محنت کے ساتھ مشروط کیا ہے اور ہم اس کے لئے ہرگز محنت نہیں کرتے ...... یاد رکھئے کہ اس دنیا میں سب طمع کے یار ہیں۔ اصل یار اللہ رب العزت ہے یا پھر اللہ کے پیارے محبوب ﷺ ہیں یا پھر وہ اولیاء جو ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر ایک کو طمع ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ تعلق رکھتا ہے۔ رہ گئی بات رشتہ داری اور برادری کی، ان کو تو اگر اپنے گوشت کا قیمہ بنا کر بھی کھلا دو تو پھر بھی وہ خوش نہیں ہوں گے۔

دنیا کی حقیقت

حقیقتِ دنیا دیکھئے کہ انسان کا بہترین لباس ریشم کا لباس ہے جو ایک کیڑے کی تھوک ہے اور انسان کا بہترین مشروب شہد ہے اور یہ ایک مکھی کا لعاب ہوتا ہے۔ کیڑے کی تھوک ریشم بنا اور مکھی کا لعاب شہد بنا۔ یہ ریشم اور شہد دنیا کا بہترین لباس اور بہترین مشروب ہے۔ یہ حقیقت ہے دنیا کی کہ جس کے پیچھے لگ کر انسان اپنے مالک کو ناراض کر لیتا ہے۔ یہ کتنا بڑا نقصان ہے۔

وہ مزہ شاہی میں نہیں

جو انسان رب کریم کو راضی کر لیتا ہے پھر اللہ رب العزت اسے دنیا میں بھی عزت دیتے ہیں اور آخرت میں بھی عزتیں دی جاتی ہیں۔ اس دین کی لائن سے وہ عزتیں ملتی ہیں جو دنیا کے پیچھے بھاگنے والوں کو نہیں ملتیں ..... دین اسلام میں عجیب لذت ہے ..... ایسا تو ہوا کہ وقت کے بادشاہ نے شاہی چھوڑ دی اور اس نے فقیری اختیار کر لی لیکن آج تک ایسا نہیں ہوا کہ کسی باخدا فقیر نے فقیری چھوڑ کر شاہی اختیار کر لی ہو۔ سچی بات یہ ہے کہ جو مزہ فقیری میں ہے وہ مزہ شاہی میں نہیں ہے۔

اللہ والوں کے خادم

دنیا کے بادشاہوں کے خادم عام لوگ ہوتے ہیں اور اللہ والوں کے خادم وقت کے بادشاہ ہوا کرتے ہیں.....

☆ ..... ہمیں سمرقند میں امیر تیمور کا مقبرہ دیکھنے کا موقع ملا۔ اس کے مقبرے کے دروازے پر ''امیرِ عالم'' کا خطاب لکھا ہوا ہے۔ اسے اپنے وقت کا فاتحِ دنیا کہا جاتا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ جہاں اس کی قبر تھی اس کے بالکل اوپر ایک اور قبر تھی۔ ہم نے

حیران ہو کر پوچھا کہ فاتح دنیا کی قبر کے اوپر کس کی قبر ہے؟ لوگ کہنے لگے کہ یہ اس کے شیخ کی قبر ہے۔ اس نے وصیت کی تھی کہ جب میں مروں تو مجھے اس طرح دفن کرنا کہ میرا سر میرے شیخ کے قدموں کے بالکل قریب ہو۔

☆......حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ سرہند شریف میں آرام فرما رہے ہیں۔ ان کے مقبرے پر جانے کے لئے ایک کشادہ سڑک پر جاتے ہیں۔ مگر راستے میں ایک قبر کی وجہ سے اس سڑک کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پھر ایک کر دیا گیا ہے۔ اس عاجز نے وہاں کے سجادہ نشین سے پوچھا کہ اتنی اچھی سڑک جا رہی تھی اور اس قبر کی وجہ سے دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ کیا سڑک بعد میں بنی یا قبر؟ وہ کہنے لگے کہ قبر بعد میں بنی۔ میں نے کہا کہ اتنی اچھی سڑک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ کہنے لگے، جی بات یہ ہے کہ اس قبر میں مدفون شخص افغانستان کا بادشاہ تھا۔ وہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کا مرید تھا۔ اس نے وصیت کی تھی کہ جب میں مروں تو مجھے اپنے شیخ کی قبر کے راستے میں دفن کرنا.....اللہ اکبر.....!!!

اللہ والوں کی حکومت

یاد رکھئے کہ بادشاہوں کی عزت وقتی ہوتی ہے جب کہ اللہ والوں کی عزت دائمی ہوتی ہے۔ اور بادشاہوں کی حکومت لوگوں کے جسموں پر ہوتی ہے جب کہ اللہ والوں کی حکومت لوگوں کے دلوں پر ہوتی ہے.....ایک انگریز اجمیر شریف آیا۔ جب وہ واپس گیا تو اس نے لوگوں کو اپنے Comments (تاثرات) بتائے۔ وہ کہنے لگا کہ میں نے زندہ لوگوں کو تو حکومت کرتے بہت دیکھا ہے، میں ایک ایسے ملک میں گیا ہوں جہاں قبر میں پڑا ہوا ایک شخص لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے۔

صبر جمیل اور ہجرِ جمیل

دو باتوں کی وجہ سے انسان دنیا کے معاملات کو بہت جلدی سمیٹ لیتا ہے۔

(۱) صبر جمیل (۲) ہجر جمیل

صبر جمیل اسے کہتے ہیں کہ کوئی بھی نا گوار کام ہو تو انسان صبر کرے اور شکوہ ہرگز نہ کرے۔ چنانچہ علماء نے بھی صبر کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ

الصبر التی لاشکوٰی فیه

[صبر وہ ہوتا ہے جس کے اندر شکوہ نہ ہو]

اگر کسی نے دکھ بھی دیا ہو تو انسان اس سے شکوہ ہی نہ کرے۔ مؤمن دنیا کی خاطر نہیں الجھتا۔ نہ تو وہ مقابلہ بازی کرتا ہے اور نہ ہی ضِد بازی کر کے جھگڑا بڑھاتا ہے۔ اسے اگر کوئی تکلیف پہنچتی بھی ہے تو وہ "صبر جمیل" کا مظاہرہ کرتا ہے۔

اگر کوئی بہت ہی زیادہ ایسا معاملہ ہو تو "ہجر جمیل" پر عمل کرتا ہے۔ ہجر جمیل کا مطلب یہ ہے کہ پھر وہ اس سے اچھے انداز میں جدائی اختیار کر لیتا ہے۔ آج تو تعلق بھی ہوتا ہے اور عداوت بھی چلتی ہے۔ دشمن کے رنگ میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کر رہے ہوتے ہیں ..... کچھ پتہ نہیں چلتا کہ دوست کون ہے اور دشمن کون ہے ..... اس دنیا میں انسان کو مختلف قسم کے امتحانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ خوشی بھی امتحان ہے اور غم بھی امتحان ہے مگر اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اگر میرے بندے کو خوشی ملے تو یہ میری بارگاہ میں شکر ادا کرے اور اگر اس کو کوئی غم ملے تو یہ اس پر صبر کر کے میرے نیک بندوں میں شامل ہو جائے۔ شکر کرنے والا بھی جنتی اور صبر کرنے والا بھی جنتی۔

حق و باطل کی جنگ

یہ دنیا اضداد کا مجموعہ ہے۔ اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ

وَ بِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءَ

[اور ضد سے چیزیں واضح ہوتی ہیں]

مثلاً.....

......اگر رات نہ ہوتی تو دن کی قدر نہ آتی،

......اگر اندھیرا نہ ہوتا تو روشنی کی قدر نہ آتی،

......اگر دھوپ نہ ہوتی تو سائے کی قدر نہ آتی،

......اگر بیماری نہ ہوتی تو صحت کی قدر نہ آتی،

......اگر موت نہ ہوتی تو زندگی کی قدر نہ آتی،

اسی طرح حق اور باطل بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسان کو حق کی طرف بلاتے ہیں اور شیطان انسان کو باطل کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان کس کی مان کر زندگی گزارتا ہے۔ آیا نفسانی اور شیطانی خواہشات کے پیچھے لگ کر زندگی گزارتا ہے یا ان خواہشات کو دبا کر اپنے مالک کی فرمانبرداری میں زندگی گزارتا ہے۔ حق و باطل کی یہ جنگ مخفی طور پر موت تک چلتی رہتی ہے البتہ قرب قیامت میں اللہ تعالیٰ حق و باطل کی کھلی نشانیاں بھی دکھائیں گے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا اور دجال کا ظاہر ہونا بھی حق و باطل کا ایک واضح مقابلہ ہو گا۔ اگر آپ غور کریں تو آپ کو اس میں بڑی مناسبتیں ملیں گی۔ مثال کے طور پر.....

⊙......اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی صورت انسانی بنائی اور فطرت ملکوتی بنائی اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے دجال کو پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت انسانی بنائی اور فطرت شیطانی بنائی۔

⊙......اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح ہدایت کا لقب عطا کیا اور دجال کو مسیحِ ضلالت کا لقب دیا۔ گویا ایک طرف مسیح ہدایت ہیں اور دوسری طرف مسیح ضلالت

ہے۔

⊙......اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں میں رکھا۔قرب قیامت میں ان کو بیت المقدس مسجد کے مینار کے اوپر نازل فرمائیں گے.....حدیث پاک میں ان کے لئے یَنزِلُ کا لفظ آیا ہے یعنی نازل ہوں گے.....اور اللہ تعالیٰ نے دجال کو پیدا کیا اور ایک جزیرے کے اندر محبوس فرما دیا .....حدیث پاک میں اس کے لئے یَخرُجُ اور یَظْهر کا لفظ آیا ہے۔یعنی وہ ظاہر ہوگا۔

⊙......جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نیچے اتریں گے تو اس وقت ان کی کہولت (ادھیڑ پن) کی عمر ہوگی اور جب دجال ظاہر ہوگا تو اس کی بھی کہولت (ادھیڑ پن) کی عمر ہو گی۔

⊙......حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو انہوں نے پیدا ہوتے ہی عبدیت کا دعویٰ کیا۔قرآن عظیم الشان گواہ ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا اِنِّی عَبْدُاللّٰهِ (بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں)"اور جب دجال ظاہر ہوگا تو وہ اپنی الوہیت کا دعویٰ کرے گا۔

⊙......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں مال میں اتنی برکت ہوگی کہ کوئی بندہ بھی زکوٰۃ لینے والا نہیں ملے گا اور جب دجال آئے گا تو اس کے ساتھ مال کی اتنی بہتات ہوگی کہ دنیا کے خزانے اس کے ساتھ چلیں گے۔

⊙......اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ کے اذن سے دجال بھی استدراج کے طور پر مردوں کو تھوڑی دیر کے لئے زندہ کر سکے گا۔

⊙......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام پوری دنیا میں پہنچے گا۔چنانچہ قرآن پاک میں بتا دیا گیا ہے کہ ان کو اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک سب لوگ راہ راست پر

نہیں آ جائیں گے۔ دجال کا فتنہ بھی مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب میں پھیلے گا ..... بالآخر حق و باطل کی اس جنگ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فتح نصیب ہو گی اور وہ دجال کو مقام لُد پر لے جا کر قتل فرمائیں گے۔

مخفی طور پر یہ جنگ ہماری زندگی میں بھی ہو رہی ہے۔ ہر انسان کے دل پر اللہ رب العزت نے فرشتے کو متعین کیا ہوا ہے جو اس میں خیر کا جذبہ ڈالتا ہے۔ اور ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ شیطان بنی آدم کے دل کے اوپر ڈیرے ڈال کر بیٹھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کو خیر کی طرف بلا رہے ہوتے ہیں جب کہ شیطان اس کو شر کی طرف بلا رہا ہوتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے اوپر خیر غالب آتی ہے یا شر۔ انسان اللہ والوں کی محفلوں میں بیٹھے تو اس کے اندر سے شر نکل جاتا ہے اور خیر آ جاتی ہے۔ اس طرح دل سے دنیا کی محبت نکل جاتی ہے اور اس کی جگہ اللہ رب العزت کی محبت دل میں آ جاتی ہے۔

نبی علیہ السلام کی مسکنت پسندی

یاد رکھیں کہ ہم سب نے مرنے کے بعد مٹی میں جانا ہے اس لئے بہتر ہے کہ ہم زندگی میں ہی مٹی سے مانوس ہو جائیں اور اپنے نفس کو خود ہی مٹا دیں۔ جو اپنے آپ کو مٹی جیسا بنائے اس کو مسکین کہتے ہیں اور یہ مسکین لوگ اللہ رب العزت کو زیادہ پسند ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے فقرائے مہاجرین کی زندگی مسکنت کی زندگی تھی۔ ان کے پاس دنیا کا مال پیسہ بہت تھوڑا تھا۔ انکے جسم پر لباس بھی پھٹا ہوا ہوتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محفل میں حاضر ہوتے تو ایک دوسرے کے پیچھے چھپ کر بیٹھتے تھے تاکہ کپڑے کی پھٹی ہوئی جگہ سے ہمارے جسم کا جو حصہ ظاہر ہے اس پر کہیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ نہ پڑ جائے۔

لیکن انہی فقرائے مہاجرین کا اللہ رب العزت کے ہاں اتنا مرتبہ تھا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض موقعوں پر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے ان فقرائے مہاجرین کا تذکرہ کیا کہ اے اللہ! ان کی برکت سے ان دعاؤں کو قبول فرمالے۔ خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک عجیب دعا مانگی۔ فرمایا،

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِىْ مِسْكِيْنًا وَّاَمِتْنِىْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِىْ فِىْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ

[اے اللہ مجھے مسکینوں میں زندہ رکھنا، اور مسکینوں میں موت دینا اور میرا حشر مسکینوں میں کرنا]

سبحان اللہ، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا مانگتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِىْ صِدِّيْقًا

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِىْ صَالِحًا

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِىْ عَابِدًا

کیونکہ اگر ان الفاظ سے دعا مانگتے تو صدیق، عالم اور عابد کہنے سے دعویٰ کا اظہار ہوتا، اس لئے محبوب ﷺ نے اپنے لئے مسکین کا لفظ پسند فرمایا۔ سبحان اللہ

فقراء کی امتیازی شان

ایک مرتبہ فقراء کی محفل میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اے فقراء! اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں تین چیزیں ایسی عطا کریں گے جو اغنیاء کو بھی حاصل نہیں ہوں گی۔

(۱)..... میری امت کے فقراء قیامت کے دن میری امت کے امیروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل کردیئے جائیں گے اور وہاں کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

(۲)..... فقراء کو تسبیح پڑھنے پر اللہ تعالیٰ وہ اجر عطا فرمائیں گے جو مالدار انسانوں کو مال کے خرچ کرنے پر بھی نہیں مل سکتا۔

(۳)..... اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت میں فقراء کو اتنے بلند درجے عطا فرمائیں گے کہ مالدار لوگ جنت میں ان فقراء کے محلات کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح دنیا میں آسمان کے ستاروں کو دیکھا کرتے ہیں..... سبحان اللہ..... اللہ تعالیٰ یوں فقراء کو امتیازی شان عطا فرمائیں گے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ فقراء سے دوستی رکھا کرو، اس لئے کہ قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا کہ تم سے جن لوگوں نے دوستی کی یا تم نے جن لوگوں سے محبت کی، تم خود بھی جنت میں داخل ہو جاؤ اور ان کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک فقیر کو فرمائیں گے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ لیکن وہ کھڑا رہے گا۔ فرشتے اس سے پوچھیں گے کہ آپ کو تو اجازت مل گئی ہے پھر آپ کیوں کھڑے ہیں؟ وہ کہے گا کہ مجھے شرم آ رہی ہے کہ میں تو جنت میں چلا جاؤں اور جن لوگوں نے مجھے کھلایا اور پلایا وہ ابھی پیچھے ہیں۔ اللہ رب العزت اس کی اس بات کو پسند فرما کر حکم دیں گے کہ جتنے لوگوں کو تم سے محبت کا تعلق تھا تم ان سب کو لے کر جنت میں چلے جاؤ۔ سبحان اللہ۔

حوصلہ افزائی ہو تو ایسی

ابو سلیمانی دارانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے بزرگ تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی بندہ غربت اور وسائل کی کمی کی وجہ سے اپنی کوئی تمنا پوری نہیں کر سکتا اور اس کی وجہ سے وہ ٹھنڈی سانس لے لیتا ہے تو اس کا یہ ٹھنڈی سانس لینا غنی آدمی کی سو سالہ عبادت سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے..... اس کے علاوہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ **افضل العبادۃ انتظار** مصائب کے اندر رحمتِ الٰہی کا انتظار کرنا عبادتوں میں سے

سب سے افضل عبادت ہے۔

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ حضرت! بڑی دعائیں مانگتے ہیں لیکن حالات ہی نہیں بدلتے، اتنی مدت سے پریشان ہیں، یہ پریشانیاں ہی جان نہیں چھوڑتیں ......وہ حضرات ذرا اس حدیث کو تو سنیں کہ جو آدمی مصائب کے اندر گرفتار ہو جائے اور دعائیں مانگتا ہو کہ اے اللہ! ان مصیبتوں کو ختم کر دے تو اس انتظار پر اس کو وہ اجر ملتا ہے جو عبادت کرنے والوں کو عبادت کرنے پر بھی نہیں ملتا۔ اگر حالات دنیا کے اعتبار سے اچھے نہ ہوں تو صبر کے ساتھ وقت گزاریں اور اپنے رب کی رضا پر راضی رہیں۔

اہلِ دل کسے کہتے ہیں؟

ایک علمی نکتہ سنئے ......آپ نے دیکھا ہوگا کہ مکھی کے پر ہوتے ہیں مگر اس کو پروانہ نہیں کہتے۔ اس لئے کہ اس کا مطلوب نجاست ہے۔ چونکہ نجاست اس کا مطلوب ہے اس لئے پر ہونے کے باوجود اسے پروانہ نہیں کہتے۔ اسی طرح دنیا دار بندہ دل تو رکھتا ہے لیکن چونکہ اس کا مطلوب دنیا ہوتی ہے اسی لئے اس کو اہل دل نہیں کہتے۔ اہل دل ان کو کہتے ہیں جن کے دل اللہ رب العزت کی محبت سے لبریز ہوتے ہیں۔

ایک عبرت آموز واقعہ

یاد رکھیں کہ کسی غریب یا گنہگار کو کم نظر سے نہ دیکھا کریں کیونکہ کیا پتہ کہ وہ غریب آدمی اللہ کی نظر میں اس امیر آدمی کی نسبت بہت زیادہ پسندیدہ ہو اور کیا پتہ کہ وہ گنہگار آدمی ایسی توبہ کر لے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دے۔

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں آپ نے ایک گنہگار آدمی کو دیکھا۔ وہ اپنے گناہوں پر بہت ہی نادم اور شرمندہ ہو رہا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تمہاری خواہش کیا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ میں نے بڑے بڑے گناہ کیے ہیں، میری تو بس یہی خواہش ہے کہ کہ میرا مالک مجھے معاف فرما دے۔ پھر تھوڑا سا آگے جا کر آپ نے ایک عبادت گزار آدمی کو دیکھا۔ آپ نے اس سے بھی پوچھا کہ تمہاری خواہش کیا ہے؟ اس نے اس گنہگار آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا حشر اس کے ساتھ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرما دی کہ اے میرے پیارے روح اللہ! آپ ان دونوں سے کہہ دیں کہ میں نے ان دونوں کی دعاؤں کو قبول کرلیا ہے۔ جو گنہگار مجھ سے رحم طلب کر رہا تھا میں نے اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل کر اس پر جنت واجب کر دی ہے اور عبادت گزار نے یہ دعا مانگی تھی کہ مجھے اس کے ساتھ اکٹھا نہ کرنا، اب چونکہ وہ گنہگار جنت میں پہنچ چکا ہے اسلئے اب میں اس عبادت گزار کو جنت کی بجائے جہنم میں داخل کروں گا ..... اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ نہ تو ہم اپنی عبادت پر ناز کریں اور نہ ہی کسی گنہگار کو نفرت کی نگاہ سے دیکھیں۔

غریبوں کی آہ سے ڈرو

امیروں سے نہ ڈرو بلکہ غریبوں کی آہ سے ڈرو۔ اس لئے کہ اگر امیر بھاگے گا تو وہ حاکم کے دروازے پر جائے گا اور اگر غریب نے آہ بھر لی تو وہ اللہ تعالیٰ کے دروازے کو کھٹکھٹائے گا۔

ایک مرتبہ سردارانِ قریش، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں تھے۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاہت تھی کہ اگر یہ لوگ دین میں آ جائیں تو انکی وجہ سے بہت سارے لوگ دین میں آ جائیں گے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نصیحت فرمانا

شروع کر دی۔ جب آپ ﷺ انکو نصیحت فرما رہے تھے تو اس وقت ایک نابینا صحابی چلتے ہوئے آئے اور محبوب ﷺ کی خدمت میں طلب گار ہوئے کہ مجھے بھی نصیحت کی جائے۔ اس وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں یہ بات آئی کہ یہ تو اپنا ہے، اس کو تو بعد میں بھی نصیحت کر سکتے ہیں اور یہ قریش مکہ اس وقت آئے بیٹھے ہیں اس لئے اس وقت میں کسی اور سے بات نہیں کرتا۔ لہٰذا جب نابینا صحابی نے اپنی بات بڑھانے کی کوشش کی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں کچھ رنجش سی پیدا ہوگئی اور آپ کے چہرہ انور پر غصے کے آثار ظاہر ہوگئے کہ یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہا۔ محبوب ﷺ کے مبارک چہرے پر جو غصے کے تھوڑے سے آثار ظاہر ہوئے ان کے بارے میں اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں آیات اتار دیں اور اپنے محبوب ﷺ سے محبوبانہ خطاب فرمایا کہ

عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی. اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰی. وَ مَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰۤی . اَوۡ یَذَّکَّرُ فَتَنۡفَعَهُ الذِّکۡرٰی. اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰی . فَاَنۡتَ لَهٗ تَصَدّٰی. وَ مَا عَلَیۡکَ اَلَّا یَزَّکّٰی . وَ اَمَّا مَنۡ جَآءَکَ یَسۡعٰی. وَ هُوَ یَخۡشٰی .

(عبس: ۱ تا ۹)

[تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس بات سے کہ آیا اس کے پاس اندھا۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید کہ وہ سنورتا یا سوچتا تو کام آتا اس کا سمجھانا۔ وہ جو پروا نہیں کرتا، سو تو اسکی فکر میں ہے اور تجھ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ درست نہیں ہوتا۔ اور وہ جو آیا تیرے پاس دوڑتا ہوا اور وہ ڈرتا ہے]

اللہ تعالیٰ نے اس نابینا صحابی کی دو صفات خاص طور پر گنوائیں۔

(۱).....وَ اَمَّا مَنۡ جَآءَکَ یَسۡعٰی

[اور وہ تیز تیز چل کر محفل میں آیا۔]

(۲)..... اور دوسری خاص صفت یہ کہ

وَ هُوَ يَخْشٰى

[اور اس کے دل کے اندر خشیت بھی تھی]

معلوم ہوا کہ سچی طلب کی نشانی یہ ہے کہ آدمی نیک محفلوں میں جائے تو ایک تو وہاں پہنچنے میں جلدی کرے اور تیز تیز چل کر جائے اور دوسرا یہ کہ دل میں خشیتِ الٰہی بھی ہو۔ ایسے بندے کی اللہ رب العزت کے ہاں بڑی قدر ہوتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس نابینا صحابی رضی اللہ عنہ کو ایسی عزت عطا فرمائی کہ روایت میں آیا ہے کہ اس کے بعد جب بھی وہ صحابی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آتے تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھا دیا کرتے تھے..... جی ہاں! وہ سچی طلب لے کر آئے تھے، اس لئے اللہ رب العزت کے ہاں ان کا جو مقام تھا اس مقام کا کوئی عشر عشیر حصہ بھی ان سردارانِ قریش کے لئے نہیں تھا۔

عزت کا پیمانہ

اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت کا پیمانہ یہ ہے کہ دل میں خشیت ہو، طلب ہو اور اللہ کی محبت ہو۔ اگر اس کی ظاہری حالت غریبوں والی بھی ہو تو اس سے اللہ کے ہاں انسان کے مرتبے میں کوئی فرق نہیں پڑتا..... آج پیمانے بدل گئے ہیں..... جن کے پاس مال ہوتا ہے ان کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ جی یہ بڑے لوگ ہیں۔ ان کی بڑی بڑی کوٹھیاں ہوتی ہوں تو کہتے ہیں کہ یہاں بڑے لوگ رہتے ہیں۔ ان کے دلوں میں دنیا کی بڑائی ہوتی ہے۔ دنیا والے ان کو بڑے لوگ کہتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ وہ بڑے لوگ نہیں ہوتے بلکہ وہ بڑے بوجھ والے لوگ ہوتے ہیں، ان بے چاروں کو تو پتہ ہی نہیں کہ حساب کتاب دینے میں کتنا وقت لگے گا۔ جس بندے نے مالدار بندے کی عزت کی، اس کے مال کی وجہ سے اس کا تیسرا حصہ ایمان ضائع ہو گیا۔ اس

لئے ہماری نظر میں شریعت اور نیک اعمال کی عزت ہو اور ان لوگوں کی عزت ہو جن کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت ہو۔

ایک اہم نکتہ

ایک نکتے کی بات ذرا سن لیجئے..... جتنے اعمال ہم لوگ کرتے ہیں وہ بخشوانے کے لئے کم نہیں ہیں، اخلاص کی کمی ان کو کم بنا دیتی ہے۔ اگر اخلاص کم نہ ہوتو ذکر فکر کرنے والے جتنے اعمال کر رہے ہیں یہ بخشوانے کے لئے کافی ہیں مگر چونکہ اخلاص نہیں ہوتا اور ریاکاری آجاتی ہے اس لئے بڑے اعمال ہونے کے باوجود ہم ان سے فائدہ نہیں اٹھا پاتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اخلاص کی قدر ہے۔ مخلص بندہ اگر دو رکعت پڑھے گا تو اسے اتنا اجر ملے گا کہ غافل بندے کو ہزاروں رکعتیں پڑھنے پر بھی وہ اجر نہیں ملے گا۔ اس لئے حدیث پاک میں آیا ہے کہ متقی آدمی کی دو رکعت پر اللہ تعالیٰ اسے اتنا اجر دے دیتے ہیں جو غیر متقی آدمی کو ہزار رکعتوں پر بھی نہیں دیتے۔

ریاکاری کے باعث اجر سے محرومی

ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ طٰہٰ کی تلاوت کی۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک قرآن مجید ہے جس کے اوپر سنہری حروف میں لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے خواب میں بھی سورۃ طٰہٰ پڑھی۔ وہ بڑے خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے نامہء اعمال میں سورۃ طٰہٰ کی تلاوت کا اجر لکھ دیا گیا ہے۔ جب شوق شوق سے دیکھ رہے تھے تو ایک صفحہ پر دیکھا کہ درمیان میں سے کچھ آیتوں کی جگہ خالی ہے۔ وہ خواب میں ہی بڑے حیران ہوئے کہ یہ جگہ خالی کیوں ہے۔ سوچتے رہے، سوچتے رہے، بالآخر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور خواب میں ہی یہ خیال آیا کہ ہاں جب میں تلاوت کر رہا تھا تو اس وقت ان آیات کی تلاوت کرتے وقت ایک واقف بندہ

میرے قریب سے گزرتا تھا اور میرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ یہ بندہ میری تلاوت سن کر خوش ہوگا۔ بس دل میں اتنے سے خیال کے پیدا ہونے پر اللہ تعالیٰ نے ان آیات کی تلاوت کے اجر سے محروم فرما دیا کہ دل میں یہ خیال کیوں پیدا ہوا کہ یہ بندہ تلاوت سن کر خوش ہوگا۔

وزنِ اعمال اور سائنسی نقطہ نظر

امام بخاریؒ صحیح بخاری میں آخری حدیث یہ لے آئے:

كلمتان حبيبتان الى الرحمن خفيفتان على اللسان ثقيلتان فى الميزان سبحان الله و بحمده سبحان الله العظيم

[دو کلمے اللہ تعالیٰ کو بڑے پسند ہیں، زبان پر (پڑھنے میں) بڑے ہلکے ہیں لیکن وزن میں بہت بھاری ہیں وہ ہیں **سبحان الله و بحمده سبحان الله العظيم**]

اس حدیث پاک میں وزنِ اعمال کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ختم بخاری شریف کی محفلوں میں درس حدیث دینے والے اکثر علماء وزنِ اعمال پر خوب تفصیل سے بات کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اعمال کو تولا جائے گا۔

پہلے دور میں لوگ اشکال پیش کیا کرتے تھے کہ اعمال کو کیسے تولا جائے گا۔ اس وقت کے علماء نے ان کو سمجھایا کہ ہاں جب اللہ کے محبوب ﷺ نے فرما دیا ہے تو اعمال کو ضرور تولا جائے گا۔

آج سائنس کی دنیا ہے۔ کئی باتیں سائنس کی وجہ سے سمجھنے میں آسانی پیدا ہوگئی ہے۔ آج کے دور میں تو ہر چیز کی پیمائش کے پیمانے بن گئے ہیں۔ مثلاً.....

.....تھرمامیٹر کے ذریعے گرمی اور سردی کو بھی تولا جا سکتا ہے،

.....بیرومیٹر کے ذریعے ہوا کا دباؤ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے،

...... یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ ہوا میں نمی کتنی ہے۔

اسی طرح اگر سائنسی نقطہ نظر سے سوچا جائے تو یہ بات اور زیادہ آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اعمال کو تولا جاسکتا ہے۔

سائنسی نقطہ نظر سے وزن کے فارمولا میں ایک کمیت ہوتی ہے اور ایک کششِ ثقل ہوتی ہے۔ فارمولا لکھتے ہوئے کمیت کو m لکھتے ہیں اور کششِ ثقل کو g لکھتے ہیں ...... m اور g کو ضرب دیتے ہیں تو کسی بھی چیز کا وزن نکل آتا ہے..... چنانچہ اگر ایک آدمی زمین پر ہے تو اس کا وزن زمین کی کششِ ثقل کے مطابق ہوگا۔ وہی آدمی اگر چاند پر چلا جائے تو چونکہ اس کی کششِ ثقل وہاں کم ہوگی اس لئے اسی بندے کا وزن وہاں جا کر کم ہو جائے گا اور اگر وہی بندہ مریخ پر چلا جائے تو چونکہ وہاں کششِ ثقل بہت زیادہ ہے اس لئے وہاں اسی بندے کا وزن کئی گنا بڑھ جائے گا..... بندہ وہی ہے مگر کشش بڑھنے سے وزن بڑھ جاتا ہے اور کشش کے گھٹنے سے وزن گھٹ جاتا ہے۔..... حتیٰ کہ اگر وہی بندہ خلا میں چلا جائے جہاں کشش ہے ہی نہیں تو کمیت ہونے کے باوجود وہاں اس بندے کا وزن نہیں رہے گا۔ چنانچہ جو لوگ خلا میں جاتے ہیں وہ روئی کے گالوں کی طرح اڑ رہے ہوتے ہیں کیونکہ جسم کی کمیت ہونے کے باوجود وہاں کشش نہ ہونے کی وجہ سے بے وزن بن جاتے ہیں۔

آج سائنس نے اس بات کو کھول کر رکھ دیا ہے کہ قیامت کے دن جس بندے کے اندر ایمان کی کشش ہوگی اس کے اعمال وزن والے ہوں گے اور جس بندے کے اندر ایمان کی کشش نہیں ہوگی، اگر اس نے پہاڑوں کے برابر بھی خیر کے اعمال کئے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے عملوں کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ اسی لئے قیامت کے دن کافروں کے عملوں کا کوئی وزن ہی نہیں ہوگا۔ یہ نہیں فرمایا کہ قیامت کے دن ان کافروں کے عملوں کو پیش ہی نہیں کریں گے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (الکھف:۱۰۵)

[قیامت کے دن ہم ان (کافروں کے) عملوں کا وزن ہی قائم نہیں کریں گے]

انکے اعمال قیامت کے دن پیش تو کیے جائیں گے کیونکہ انہوں نے کسی کی ہمدردی کی ہوگی...... کسی غریب کی مدد کی ہوگی ...... کوئی ہاسپٹل بنوایا ہوگا ...... لیکن ان کے اچھے کاموں کا وزن ہی نہیں ہوگا کیونکہ ان کے اچھے کاموں کے اندر ایمان کی کشش نہیں ہوگی۔ جب ان کے عملوں کی g زیرو ہے تو پھر اگر کمیت ساری دنیا سے بھی زیادہ ہو جائے تو وزن پھر بھی زیرو ہی آئے گا۔

معلوم ہوا کہ ایمان اور اخلاص Gravitational force کی مانند ہیں۔ ہم ان کو جتنا زیادہ بڑھاتے جائیں گے اسی قدر ہم زیادہ اجر پائیں گے اور جس قدر ایمان اور اخلاص میں کمی آتی جائے گی اسی قدر اجر میں بھی کمی ہوتی جائے گی۔

ہدایات برائے سالکین

ہمارے اس اجتماع کا بنیادی مقصد اپنی زندگی میں اخلاص کو بڑھانا ہے۔ آپ میں سے ہر بندہ اس بات پر غور کرے کہ کیا میرا ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو رہا ہے یا دنیا کی واہ واہ کے لئے ہو رہا ہے۔ یہ ایک غم ہے جو آپ اپنے دلوں میں لے کر یہاں تشریف لائے ہیں۔

☆...... اس قیام کے دوران آپ دنیا کے تذکروں سے پرہیز کیجئے۔ اسی لئے تو دنیا کے Topic کو اتنا کھول کر بیان کیا ہے۔ یہ دنیا اللہ رب العزت کو اتنی ناپسند ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ [دنیا ملعونہ ہے]

اللہ تعالیٰ نے جب سے اس دنیا کو پیدا کیا ہے آج تک اس کو خوشی کی نظر سے

نہیں دیکھا۔

☆......شیطان کوشش کرے گا کہ آپ جس کمرے میں مل کر بیٹھے ہیں وہاں گپیں لگانا شروع کر دیں۔ اس لئے ادھر ادھر کی باتوں سے مکمل پرہیز کیجئے۔

☆......ان دنوں میں اپنے دلوں کو اللہ کی طرف متوجہ رکھئے۔ وقوفِ قلبی اور رابطہ قلبی کے ساتھ اپنا وقت گزاریئے۔ جیسے معتکف آدمی اعتکاف میں بیٹھ کر سمجھتا ہے کہ میں نے یہ وقت اللہ کے لئے وقف کر دیا ہے اسی طرح آپ بھی یہی سمجھیں کہ آپ نے یہ چند دن اللہ کے لئے وقف کر دیئے ہیں۔ لہٰذا جب آپ مسجد میں ہوں تب بھی اللہ کی طرف توجہ رکھئے اور جب دار العلوم میں کھانا کھانے کے لئے تشریف لے جائیں تب بھی اللہ کی طرف توجہ رکھئے۔ جب آپ یوں اللہ کے دھیان میں اپنا وقت گزاریں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ میرے اندر سے دنیا کی طلب گھٹ گئی ہے اور اللہ رب العزت کی طلب بڑھ گئی ہے۔

چنے ہوئے لوگوں کا مجمع

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں ایک بار پھر اس محفل کی دعاؤں میں شمولیت کا موقع مل گیا ہے۔ بھئی! اگرچہ ہم گناہ گار ہیں اور ہماری دعائیں قبول ہونے کے قابل نہیں ہیں تو اس محفل میں اخلاص والے نیک لوگ بھی آئے ہوئے ہیں، کیا پتہ کہ ان نیکوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں بھی قبول فرمالیں۔

☆ اس مجمع میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو روزانہ پانچ ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ کا ذکر کرتے ہیں۔

☆ ایسے لوگ بھی ہیں جو روزانہ سات ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہیں۔

☆ ایسے بھی ہیں جو روزانہ دس ہزار بار لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے ہیں۔

☆ ایسے بھی ہیں جو روزانہ ایک پارہ پڑھتے ہیں۔

☆ ایسے بھی ہیں جو روزانہ ایک منزل پڑھتے ہیں۔

☆ ایسے بھی ہیں جو روزانہ پندرہ پارے پڑھتے ہیں۔

☆ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا معمول ایک قرآن پاک روزانہ پڑھنے کا ہے

☆ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کو خواب میں ایک بار نہیں، دو بار نہیں بلکہ درجنوں مرتبہ نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہو چکی ہے۔

☆ ہمارے ایک دوست ایسے بھی ہیں جنہوں نے بتایا کہ میری زندگی کا کوئی ہفتہ بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار کے بغیر نہیں گزرتا۔

☆ ایک دوست ایسے بھی ہیں جنہوں نے بتایا کہ گزشتہ گیارہ سالوں سے میری ایک دن کی بھی تہجد کی نماز قضاء نہیں ہوئی۔

یہ باتیں یا وہ جانتے ہیں یا ان کا شیخ جانتا ہے۔ الحمدللہ، یہ چنے ہوئے لوگوں کا مجمع ہے۔ یہ باتیں عام طور پر نہیں کی جاتیں لیکن آپ دوستوں کی ترغیب کے لئے کی ہیں تاکہ آپ کے دل میں یہ احساس پیدا ہو کہ ہم کس مجمع کے اندر وقت گزار رہے ہیں۔ لہٰذا اس وقت کو قیمتی بنائیں۔ اگر آپ کو معمولات میں کمی کا شکوہ ہے تو اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں کہ اللہ تعالیٰ ان میں استقامت عطا فرمائیں اور اگر آپ اپنے آپ کو اپنے نفس کے سامنے عاجز محسوس کرتے ہیں تو تہجد کے وقت اٹھ کر اپنے رب کے سامنے اپنی فریاد پیش کریں۔

آیئے عہد کریں

اجتماع کے یہ دن ایک سال کے بعد آتے ہیں جس کی قسمت میں ہوں، یہ تجدید عہد کا موقع ہوتا ہے۔ آج ہم یہ عہد کریں کہ ہم اپنی زندگی میں دینداری اختیار کریں گے اور ہر کام شریعت وسنت کے مطابق کریں گے۔ تاکہ ہمیں دنیا میں بھی عزتیں ملیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظر میں بھی سرخرو ہو سکیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے یہاں اکٹھے ہونے کو قبول فرمالے اور اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ہم سب کی بخشش فرما دے۔ہم عاجز مسکینوں کے ٹوٹے پھوٹے نیک عملوں کو قبول فرمالے اور ہمیں اپنی حقیقت سے آگاہ کردے۔(آمین ثم آمین)

وآخر دعونا ان الحمد لله رب العٰلمين

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَ مِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْکُنُوْا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَوَدَّةً وَّ رَحْمَةً . (روم: ۲۱)

اسلام میں نکاح کا تصور

حضرت اقدس دامت برکاتہم کا یہ بیان چھٹے سالانہ نقشبندی اجتماع پر 9 نومبر 2000ء مطابق شعبان ۱۴۲۱ھ کو بعد از نماز عصر تقریب نکاح میں ہوا۔

اقتباس

سب انبیائے کرام علیہم السلام نکاح کرتے تھے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً (الرعد:۳۸)

[اے میرے محبوب ﷺ! ہم نے آپ سے پہلے کتنے ہی انبیاء کو بھیجا اور ہم نے ان کے لئے بیویاں اور اولادیں بنائیں]

سوچنے کی بات ہے کہ جب انبیائے کرام نکاح کرنے کے باوجود اللہ کے محبوب اور مقبول بندے تھے تو آج ہم نکاح کریں گے تو ہمیں اللہ رب العزت کی معرفت کے راستے میں رکاوٹ کیوں پیش آئے گی۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

اسلام میں نکاح کا تصور

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَ مِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْکُنُوْا اِلَیْھَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَوَدَّۃً وَّ رَحْمَۃً اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ○

وقال اللہ تعالیٰ فی مقام آخر

فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (النساء: ۳)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اللہ تعالیٰ سے نفع حاصل کرنے کا طریقہ

دنیا میں ہر چیز سے فائدہ لینے کا ایک طریقہ ہے۔ پانی سے نفع لینے کا طریقہ ور ہے اور آگ سے نفع لینے کا طریقہ اور ہے۔ ہوا سے نفع لینے کا طریقہ اور ہے اور مین سے نفع لینے کا طریقہ اور ہے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب لعزت کی ذات سے نفع حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس بات کو سمجھانے کے لئے

انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لائے۔ ہر ایک نے آکر یہ بات واضح کی کہ اے لوگو! اگر تم میری زندگی کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لو گے تو تم اللہ رب العزت کی رحمتوں سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والے بن جاؤ گے۔ دنیا میں بھی فائدہ ملے گا اور آخرت میں بھی فائدہ ملے گا۔ گویا دین اسلام ہمیں دنیا اور آخرت کی عزتیں دینے کے لئے آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ فرمایا کرتے تھے،

اعزنا الله تعالیٰ بهٰذا الدين

(اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دین کی وجہ سے عزتیں عطا فرمائی ہیں)

یہ ممکن ہی نہیں کہ انسان دین پر عمل کرے، دین کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے، دین کی خاطر اس کا جینا مرنا ہو اور پھر اس کو دنیا و آخرت کی عزتیں نہ ملیں۔ سچے پروردگار نے اپنے سچے کلام میں فرمایا

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (منافقون: ۸)

[عزت اللہ کے لئے اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں کے لئے ہے]

تقویٰ کی برکات

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی زندگی کا مقصد دین کی شان و شوکت بن جائے۔ اگر ہمارے تمام اعمال شریعت و سنت اور تقویٰ و پرہیز گاری کے مطابق ہوں گے تو اللہ رب العزت کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں گی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا،

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰىٓ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف: ۹۶)

[اور اگر یہ بستی والے ایمان لاتے اور تقویٰ کو اختیار کرتے تو ہم ان کے لئے آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے]

جو بندہ اپنے آپ کو اللہ رب العزت کے سپرد کر دیتا ہے اللہ رب العزت اس بندے کو ہی متبرک بنا دیتے ہیں۔ اس کی زندگی میں، اس کے وقت میں، اس کے کلام میں، اس کے رزق میں، صحت میں، اور دعاؤں میں برکت ہی برکت ہو جاتی ہے۔ جس طرف اس بندے کے قدم اٹھ جاتے ہیں اس طرف برکتیں آ جاتی ہیں۔ لہٰذا اگر ہم اپنے خوشی اور غمی کے موقعوں پر شریعت و سنت کی پاسداری کریں گے تو اللہ رب العزت ہمیں دنیا و آخرت میں سرفرو فرما دیں گے۔

آج کا عنوان

آج نکاح اور اس کے لوازمات کے بارے میں آپ کے سامنے کچھ بیان کیا جائے گا۔ یہ عنوان خاص طور پر نوجوانوں کے کام آئے گا۔ چونکہ جمعہ کے عام خطبات میں یہ مضمون چھیڑا نہیں جاتا اور نہ ہی نکاح کی محفلیں روزانہ ہوتی ہیں اس لئے اکثر لوگوں کو ان باتوں کا علم نہیں ہوتا۔

ہر چیز جوڑا جوڑا

اللہ رب العزت نے ہر چیز کا جوڑا جوڑا بنایا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا (یٰسٓ: ۳۶)

[پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کا جوڑا جوڑا بنا دیا]

شریعت کے مطابق میاں بیوی کا اکٹھے ہو کر ایک دوسرے سے ملنا اللہ کے ہاں عبادت کہلاتا ہے۔ دین اسلام کا حسن دیکھئے کہ انسان اپنی ہی خواہش پوری کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر بھی اس کو اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں۔

اسلام دین فطرت ہے

دین اسلام دین فطرت ہے۔ اس نے انسانوں کو مجرد زندگی گزارنے کا حکم

نہیں دیا۔اس نے یہ تعلیمات نہیں دیں کہ تم جنگلوں اور غاروں میں جا کر رہنا شروع کردو بلکہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا،

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً . (النساء:٣)

[پس تم نکاح کرو ان عورتوں کے ساتھ جو تمہیں پسند ہوں، دو ہوں، تین ہوں، چار ہوں، پس اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کرسکو گے تو پھر تم صرف ایک سے نکاح کرو]

شریعت نے مرد سے کہا کہ وہ عورت کے حقوق کا خیال رکھے اور عورت سے کہا کہ وہ مرد کے حقوق کا خیال رکھے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا،

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرۃ:٢٢٨)

[عورتوں کا حق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق مردوں کا حق عورتوں پر ہے]

اگر میاں بیوی دنوں اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے رہیں تو دنیا میں ہی جنت کے مزے آجائیں۔

اچھی بیوی کون ہے؟

اسلام ہمیں اعتدال اور میانہ روی کا درس دیتا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں فرمایا گیا،

خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا (سب سے بہتر کام وہ ہے جو اعتدال والا ہو)

جب انسان عقل کی بنیاد پر فیصلے کرتا ہے تو وہ افراط وتفریط کا شکار ہو جاتا ہے لیکن اسلام ایک بہترین اور کامیاب زندگی گزارنے کی رہنمائی کرتا ہے۔حتی کہ دین اسلام بیویوں کے انتخاب کے لئے بھی گائیڈ کرتا ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

تنکح المراة لاربع لما لها ولحسبها ولجمالها ولدینها فاظفر بذات الدین تربه یداک

[عورت سے نکاح چار وجوہات کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب ونسب کی وجہ سے، اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اور اس کی دینداری کی وجہ سے۔تیرے ہاتھ مٹی آلودہ ہوں،تو دین کے ذریعے سے عزت پالے]

گویا اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمادی کہ تم دین کی نسبت سے رشتہ ڈھونڈو۔

یاد رکھنا کہ جو لوگ دینداری کی نسبت کے علاوہ کسی اور وجہ سے نکاح کرتے ہیں وہ خوشگوار زندگی نہیں پاسکتے۔کیونکہ خوبصورت عورت کو دیکھنے سے آنکھیں خوش ہوتی ہیں لیکن نیک سیرت عورت کو دیکھنے سے انسان کا دل خوش ہوتا۔اگر ظاہر میں نقش نین اچھے بھی ہوں مگر عمل اچھے نہ ہوں تو زندگی کیسے اچھی گزرے گی۔یہ ظاہری حسن تو Just skin deep ہے،یعنی اس حسن کی گہرائی فقط اتنی ہے جتنی جلد کی گہرائی ہے،اب خود سوچ لیں کہ جلد کی گہرائی کتنی ہے۔ویسے بھی اگر نقش نین شروع میں دیدہ زیب ہوں بھی سہی مگر وہی چہرہ بڑھاپے میں چھوہارے کی مانند نظر آتا ہے ان نقش نین کو کیا کرنا جو چند دنوں کے بعد چھوہارہ بن جائے۔جوانی میں جس کی زلف فتنہ گر ہوتی ہے ذرا بڑھاپا آئے تو وہی زلف دمِ خر(گدھے کی دم)بن جاتی ہے۔

انبیائے کرام کی چار سنتیں

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ چار چیزیں سنن المرسلین ہیں۔

الحیاء والعطر والسواک والنکاح

[حیا، خوشبو، مسواک، اور نکاح]

(۱) شرم وحیا:

دنیا میں جتنے بھی انبیاء گزرے وہ سب کے سب باحیا تھے۔ آج تو یورپ کی دنیا کہتی ہے کہ

Shiness is a sickness. (شرم ایک بیماری ہے)

گویا ان کے نزدیک جتنا کوئی بے شرم ہوگا اتنا ہی وہ صحتمند ہوگا۔ اسلام نے حیا کو عورت کا حسن قرار دیا ہے۔ بلکہ یہاں تک فرمادیا کہ

الحیاء شعبة من الایمان (حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے)

یہیں سے اندازہ کرلیجئے کہ اسلامی نظریات میں آج کے کفر کی زندگی میں کتنا فرق ہے۔ یاد رکھیں کہ جس معاشرے کی بنیاد ہی بے حیائی پر ہو وہاں مادر پدر آزاد پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے اندر انسانیت نہیں بلکہ حیوانیت ہوتی ہے۔

(۲) خوشبو:

سب انبیائے کرام خوشبو استعمال کیا کرتے تھے۔ دین اسلام نے شروع سے ہی پاکیزگی اور صفائی کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (توبہ:۱۰۸)

(اور اللہ تعالیٰ پاک صاف رہنے والوں سے محبت فرماتے ہیں)

آپ سکھوں کو دیکھ لیجئے۔ ان کے ہاں گندا رہنا ان کا دین ہے۔ وہ اپنے جسم کے کسی حصے کے بال بھی عمر بھر نہیں تراشتے۔ آپ خود سوچیں کہ ان بالوں میں کتنی ناپاکی اور گندگی ہوتی ہوگی۔ اسی طرح سادھو بھی نہا دھو کر ستھرے نہیں رہتے۔ مگر دین اسلام کا حسن و جمال دیکھئے کہ کبھی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

الطھور شطر الایمان (طہارت ایمان کا حصہ ہے)
اور کبھی فرمایا،
الطھور نصف الایمان (طہارت آدھا ایمان ہے)
جو اپنے ظاہر کو پاک نہیں رکھ سکتا وہ بھلا اپنے باطن کو کیا پاک کر سکے گا۔

(۳) مسواک:

تمام انبیائے کرام مسواک کیا کرتے تھے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے امت پر بوجھ کا ڈر نہ ہوتا تو میں مسواک کرنے کو فرض قرار دے دیتا۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بھی نبی علیہ السلام گھر میں تشریف لاتے تھے تو مسکراتے ہوئے تشریف لاتے اور آکر سب سے پہلے آپ ﷺ مسواک فرمایا کرتے تھے تا کہ اہل خانہ کے پاس بیٹھیں تو منہ صاف ہو اور بو نہ آئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے۔ وہ اس نماز سے ستر گناہ فضیلت رکھتی ہے جو مسواک کے بغیر پڑھی جائے۔

ایک اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اپنے منہ کو صاف رکھا کرو اس لئے کہ فرشتہ نماز کی تلاوت سنتا ہے حتی کہ فرشتہ اس کے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اس قاری کے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیتا ہے۔ یہ فضیلت اس نمازی کے لئے ہے جو مسواک کر کے نماز پڑھ رہا ہو۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اپنے منہ کو صاف رکھو تو تمہاری عورتیں زنا کا ارتکاب نہیں کیا کریں گی۔ یاد رکھنا کہ منہ کو صاف رکھنے کی دو سنتیں ہیں۔ منہ کو صاف رکھنا بھی سنت ہے اور منہ میں مسواک مارنا بھی سنت ہے۔ کئی لوگ لکڑی کی مسواک تو کر لیتے ہیں لیکن منہ صاف نہیں ہو پاتے۔ جس کی وجہ سے بدبو آرہی ہوتی ہے۔ اس سے ایک سنت پر تو عمل ہو جاتا

ہے لیکن منہ کو صاف رکھنے والی سنت حاصل نہیں ہوتی۔ پہلے زمانے میں غذائیں سادہ تھیں۔ وہ جو کی خشک روٹی کھاتے یا ستو پھانکتے اور پھر اوپر سے پانی یا دودھ استعمال کرتے تھے جس کی وجہ سے منہ کو صاف رکھنا آسان تھا۔ اس وقت نہ تو آج کے دور کی آئس کریم ہوتی تھی اور نہ ہی مرغن غذائیں۔ آج کے دور کی غذاؤں سے اپنے منہ کو صاف کرنے کے لئے اگر مسواک کام پورا نہیں کرتا تو آپ کو چاہیے کہ برش پر دوائی لگا کر استعمال کریں اور منہ کو بو سے صاف رکھیں۔ ہم نے بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ تو انگریزوں کا طریقہ ہے...... نہیں، ہرگز نہیں...... بلکہ منہ کو صاف کرنا شروع ہی سے ہمارے مشائخ کا طریقہ رہا ہے۔

آج کے دور میں عورتیں سمجھتی ہیں کہ مسواک کرنا مردوں کے لئے سنت ہے۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ مسواک کرنا مردوں کے لئے بھی سنت ہے اور عورتوں کے لئے بھی سنت ہے۔ عورتیں لکڑی کے مسواک کی جگہ کیکر، بادام یا اخروٹ کی چھال استعمال کریں ان کے لئے یہی سنت ہے۔ اخروٹ کی چھال دانتوں کو اتنا صاف کر دیتی ہے کہ دانت کتنے ہی میلے کیوں نہ ہوں، آپ اخروٹ کی سبز چھال لے کر منہ میں لگائیں تو ایک منٹ کے اندر اندر دانت ایسے صاف ہو جائیں گے جیسے آپ کسی ڈینٹل کلینک سے دانت صاف کروا کر باہر نکل رہے ہوں۔

(۴) نکاح:

سب انبیائے کرام علیہم السلام نکاح کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَھُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّیَّۃً (الرعد: ۳۸)

[اے میرے محبوب ﷺ! ہم نے آپ سے پہلے کتنے ہی انبیاء کو بھیجا اور ہم نے ان کے لئے بیویاں اور اولادیں بنائیں]

سوچنے کی بات ہے کہ کہ جب انبیائے کرام نکاح کرنے کے باوجود اللہ کے محبوب اور مقبول بندے تھے تو آج ہم نکاح کریں گے تو ہمیں اللہ رب العزت کی معرفت کے راستے میں رکاوٹ کیوں پیش آئے گی۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا،

اَلنِّکَاحُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ (نکاح آدھا ایمان ہے)

کنوارا آدمی جتنا بھی نیک اور متقی بن جائے، پھر بھی اس کا ایمان آدھا ہوگا۔ اسے کامل ایمان اس وقت نصیب ہوگا جب وہ نکاح کر کے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے قابل ہو جائے گا۔

آج دین سے دوری کا یہ حال ہے کہ کئی گھروں میں بچیاں دس دس پندرہ پندرہ سال سے جوان ہو چکی ہوتی ہیں لیکن ان کے والدین کہتے کہ ان کا رشتہ باہر نہیں کرنا، یقین جانیے کہ وہ اپنے لئے جہنم خرید رہے ہوتے ہیں۔

بزرگوں کی احتیاط

ہمارے حضرات ان معاملات میں بڑے محتاط ہوتے تھے۔ ہم نے اپنے بزرگوں کی حالاتِ زندگی میں پڑھا ہے کہ اگر کسی کے ہاں جوان العمر بیٹی ہوتی اسے جوان ہوئے چند سال ہو چکے ہوتے اور اس کا والد اس کا نکاح نہ کر رہا ہوتا تو وہ اس کے کنویں سے پانی بھی نہیں پیا کرتے تھے کہ اس نے جوان بیٹی کو گھر میں بٹھایا ہوا ہے۔ اور جس بندے نے قرض لیا ہوتا ہے اور وہ ارادتاً قرض نہیں لوٹا رہا ہوتا تھا تو ہمارے بزرگ اس کی دعوت قبول نہیں کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کے گھر کا کھانا کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ اگر اس کے پاس پیسے اتنے فالتو ہیں کہ وہ دعوت کر رہا ہے تو وہ قرض ادا کیوں نہیں کرتا۔

نکاح ایسے بھی ہوتا تھا......!!!

جہاں نکاح سستا ہوگا وہاں زنا مہنگا ہوگا اور جہاں نکاح مہنگا ہوگا وہاں زنا

سعا ہو گا۔ یہ دین اسلام کا حسن ہے کہ اس نے انسانی ضروریات کو جائز طریقے سے پوری کرنے کے لئے خود ترغیب دی ہے کہ تم اس معاملہ میں جلدی کرو۔ شریعت نے ہمیں یہ کہا کہ تم نکاح کو عام اور سستا کرو تا کہ لوگ آسانی سے نکاح کر سکیں۔

صحابہ کرام کے دور میں تو نکاح کا یہ حال تھا کہ ایک صحابی ﷺ کسی گھر میں نکاح کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ اس گھر والے آپ کے واقف ہیں لہٰذا آپ میرا پیغام پہنچا دیں۔ انہوں نے کہا، بہت اچھا۔ انہوں نے جب ان کے گھر میں جا کر ان کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے بات سن کر کہا کہ ان سے نکاح کرنے کو تو ہمارا دل نہیں چاہتا البتہ اگر آپ نکاح کرنا چاہتے ہیں تو آپ سے کر دیتے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ اچھا پھر مجھ ہی سے کر دیں۔ گھر کے مرد وہیں موجود تھے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ گواہ بن گئے اور وہیں ان کا نکاح کر دیا گیا۔ جب وہ باہر نکلے تو اپنے دوست سے معذرت کرنے لگے کہ معاف کرنا، میں تو آپ کے نکاح کا پیغام لے کر گیا تھا، وہ انہوں نے قبول نہ کیا اور مجھے کہا کہ اگر آپ نکاح کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ سے نکاح کر دیتے ہیں، چنانچہ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے میں نکاح کر لیتا ہوں۔ آپ اس سوچ میں تھے مگر میرا نکاح ہو گیا ہے، لہٰذا میں معذرت خواہ ہوں۔ وہ جواب میں ان سے معذرت کرنے لگے کہ مجھے معاف کر دینا کہ اس نے آپ کی بیوی بننا تھا اور میں اپنے لیے کوششیں کرتا رہا۔ سبحان اللہ دوستی بھی قائم رہی اور نکاح بھی ہو گیا۔ اس وقت میں نکاح اس قدر سستا کیوں تھا؟ اسلئے کہ زنا بالکل ختم ہو چکا تھا۔

جوان بیٹیوں کو گھر میں بٹھانے کا وبال

ہم جب بھی شریعت کے مطابق زندگی گزاریں گے تو گناہوں سے بچیں گے اور جب شریعت کو نظر انداز کریں گے تو گناہوں میں پھنسیں گے۔ آج حالت یہ

ہوئی ہے کہ ابھی بڑی بچی کے نکاح کا فیصلہ نہیں کیا ہوتا اور نیچے کی چار بچیاں جوان ہو چکی ہوتی ہیں۔ بعض اوقات تو لوگ بڑی بچی کی منگنی کر کے سوچتے ہیں کہ پھر کچھ عرصہ بعد نکاح کر دیں گے اور پھر اگلے سال رخصتی کریں گے۔

یہ سوچ انتہائی غلط سوچ ہے۔ شریعت نے جہیز وغیرہ کی کوئی پابندی نہیں لگائی بلکہ اس نے تو موٹا سا اصول سمجھا دیا ہے کہ جب مناسب رشتہ مل جائے تو تم اپنے سر سے فرض ادا کر دو۔ یاد رکھیں کہ بچیاں جوان ہونے کے بعد جتنا عرصہ اپنے ماں باپ کے گھر میں رہتی ہیں۔ اور وہاں رہنے کے دوران اگر سوچ میں کوئی گناہ کریں یا ویسے گناہ کریں تو اس گناہ کا وبال ان کے والدین یا سرپرست پر پڑے گا۔ جنہوں نے ان کا فرض ادا کرنے میں کوتاہی کی۔

زنا اور نکاح میں فرق

زنا اور نکاح میں یہ فرق ہے کہ زنا فقط جنسی تقاضے کو پورا کرنے کا نام ہے۔ جبکہ نکاح میں اس عورت کی ذمہ داری لینی پڑتی ہے، اس کو مہر ادا کرنا پڑتا ہے اور عورت اس کی وراثت میں شامل ہو جاتی ہے۔ یاد رکھنا جہاں بے اعتدالی کی زندگی ہوتی ہے وہاں لوگ نکاح سے گھبراتے ہیں کیونکہ وہ عورت کو ایک کھلونا سمجھ کر اس سے جنسی لذت حاصل کرتے ہیں۔

☆...... فرانس کا ایک انجینئر تھا...... میں اس کی بات سمجھانے کے لئے بتا رہا ہوں ورنہ سچی بات یہ ہے کہ وہ بات نقل کرنے کے قابل بھی نہیں ہے...... وہ کسی جگہ ایک فیکٹری کی Inspection (معائنے) کے لئے آیا۔ وہاں کے انجینئر لوگ اس سے مذاق کرتے تھے کہ تو ایک مہینے کے لئے آیا ہے، جب تو واپس جائے گا تو معلوم نہیں کہ تیری بیوی تیرے پاس ہوگی یا نہیں۔ وہ آگے سے کہتا تھا کہ فکر کی کوئی بات نہیں کیونکہ

Womem are like buses if you miss one, take another one.

[عورتیں بسوں کی مانند ہوتی ہیں، اگر تم ایک سے رہ جاؤ تو پھر دوسری پر سوار ہو جاؤ]

استغفر اللہ، جس معاشرے میں پڑھے لکھے حضرات کا یہ حال ہو وہاں عورت کا کیا مقام ہوگا۔ یورپ کی عورت نے اپنا مقام خود گرایا ہے۔

☆......ایک مرتبہ مجھے UK کا ایک لکھا پڑھا انجینئر ملا۔ اس نے مجھ سے پوچھا، آپ کے کتنے بچے ہیں؟ میں نے اسے بتا دیا۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کے کتنے بچے ہیں؟ وہ جواب میں کہنے لگا، میں ابھی کنوارا ہوں۔ میں نے کہا، آپ کی عمر تو زیادہ لگتی ہے۔ وہ کہنے لگا، ہاں اس وقت میری عمر باون (۵۲) سال ہے۔ میں نے اسے کہا کہ تم انجینئر بھی ہو اور اتنی عمر بھی ہو چکی ہے، تو تم نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ اس نے جواب دیا،

If you can find milk in the market, there is no need to have a cow in your house.

[جب تمہیں بازار سے دودھ مل جاتا ہے تو پھر تمہیں گھر میں گائے پالنے کی ضرورت نہیں ہے]

اندازہ کریں کہ وہ کیسا بے شرمی اور بے حیائی کا معاشرہ ہوگا جہاں پڑھے لکھے لوگ ایسا ذہن رکھتے ہوں۔ اسلام نے اس بے حیائی کی پرزور مخالفت کی ہے اور اس کے مقابلے میں شرم وحیا والی زندگی اپنانے کی تعلیم دی ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کی آنکھوں میں وہ حیا دیکھی جو مجھے مدینہ کی کنواری لڑکیوں کی آنکھوں میں بھی نظر نہیں آئی۔ شریعت نے کہا ہے کہ اگر تم زندگی کا ساتھی چاہتے ہو تو تمہارا **Long time descion** (لمبے

عرصے کے لئے فیصلہ) ہونا چاہئے۔ تھوڑی دیر کے ساتھی تو بڑے ملتے ہیں لیکن زندگی کے ساتھی بہت کم ملتے ہیں۔

نکاح کی تشہیر کا حکم

حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا،

اَفْشُوا النِّكَاحَ بَيْنَكُمْ (نکاح کی ایک دوسرے کے درمیان تشہیر کرو)

اس حدیث پاک سے پتہ چلا کہ نکاح خفیہ طور پر نہیں ہوتا۔ جیسے کچھ لوگوں کے ہاں متعہ ہوتا ہے۔ انہوں نے زنا کا دوسرا نام متعہ رکھ دیا ہے۔ جہاں انسان نکاح کو چھپائے گا سمجھ لینا کہ وہاں کوئی نہ کوئی گڑ بڑ ضرور ہے۔ جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد مسجد میں نکاح کا پڑھنا سنت ہے کیونکہ مسجد میں زیادہ لوگ ہوتے ہیں اور حکم بھی یہی ہے کہ زیادہ لوگوں کو بلانا چاہیے تا کہ نکاح کی تشہیر ہو جائے۔ اس میں اجر بھی زیادہ ملتا ہے۔

آج جائز موقعوں پر تو زیادہ لوگوں کو بلاتے نہیں اور برتھ ڈے منانے کے لئے مجمع اکٹھا کر لیتے ہیں۔ جب جائز موقعوں پر لوگوں کو نہیں بلائیں گے تو ناجائز موقعوں پر ضرور بلائیں گے۔ اس لئے ایک اصول یاد رکھیے کہ شریعت نے جو جائز خوشیاں بنائی ہیں ان کو خوب خوشی خوشی مناؤ۔ اس لئے کہ اگر جائز خوشیوں کو ٹھیک طرح سے نہیں مناؤ گے تو پھر تم ناجائز خوشیوں کو منایا کرو گے۔

مسجد میں نکاح کا فائدہ

مسجد میں نکاح کرنے میں ایک خاص بات ہے۔ اگر گھروں میں نکاح ہوگا تو آپ دیکھیں گے کہ کوئی تو بیٹھا گپیں مار رہا ہوگا، کوئی سگریٹ پی رہا ہوگا، کوئی تصویریں بنا رہا ہوگا گویا سب دل غافل ہوں گے۔ حالانکہ نکاح وہ وقت ہوتا ہے جب دو افراد کی نئی زندگی کی بنیاد رکھی جا رہی ہوتی ہے۔ اور اس بنیاد میں ان کو

دعاؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نکاح کے وقت زیادہ لوگوں کو بلانے کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ زیادہ لوگوں کی دعاؤں سے ان کے نئے گھر کی بنیاد پڑے۔ اس لئے گھر میں اور مسجد میں پڑھے گئے نکاح میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اب دیکھیں کہ آپ یہاں مسجد میں جتنے بھی بیٹھے ہیں، باوضو ہیں اور سگریٹ پینے والے بھی اس وقت سگریٹ نہیں پی سکتے کیونکہ یہ مسجد ہے، دل اللہ کی طرف متوجہ ہیں اور خیر کی بات ہو رہی ہے۔ جب نکاح پڑھیں گے اس وقت بھی دعا کرتے ہوئے اللہ کی طرف دل متوجہ ہوں گے۔ گویا بچے اور بچی کو آپ کی طرف سے دعاؤں کی شکل میں تحفہ مل رہا ہوگا۔

کیونکہ یہ اجتماع کا موقع ہے اس لئے بعض دوستوں نے نیک لوگوں کی دعائیں لینے کے لئے آج کے دن نکاح کروانا پسند کیا ہے۔ اس مجمع میں سینکڑوں علماء موجود ہیں، کئی شیوخ الحدیث موجود ہیں، کئی مدارس کے مہتمم حضرات موجود ہیں، کئی حفاظ قرآن موجود ہیں کئی حفاظ حدیث موجود ہیں اور معلوم نہیں کہ کتنے تہجد گزار موجود ہیں۔ ان کو ان سب کی دعائیں نصیب ہوں گی اور اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کی برکت سے ان دوستوں پوری زندگی خوشیاں نصیب ہوں گی۔

نکاح کی تقریب میں قبول اسلام

ہم نے یورپ اور امریکہ میں دیکھا کہ نکاح کی محفل کو دیکھ کر کئی غیر مسلم عورتیں اور مرد مسلمان ہو جاتے ہیں۔ ہم نے نکاح کی ایک تقریب میں بیان کیا۔ پھر نکاح پڑھا۔ جس لڑکی کا نکاح تھا وہ ایک دفتر میں کمپیوٹر انجینئر تھی، اس کے دفتر کی دوسری لڑکیاں بھی آئی ہوئی تھیں ...... ان میں سے کئی غیر مسلم بھی تھیں۔ وہ نکاح کی اس تقریب سے متاثر ہو کر کہنے لگیں کہ اسلام میں تو بہت ہی احسن طریقے سے نکاح ہوتا ہے لہٰذا ہم بھی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتی ہیں۔

افراط وتفریط سے بچیں

چونکہ اسلام دین فطرت ہے اس لئے ہمیں اعتدال سکھاتا ہے۔لیکن جب انسان اپنی عقل کی بنیاد پر فیصلے کرتا ہے تو وہ افراط وتفریط کا شکار ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے پریشانیاں اس کا مقدر بن جاتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ لوگ لاکھوں روپیہ خرچ کر کے بچیوں کو گھر سے رخصت کرتے ہیں اور وہ دوسرے دن روتی ہوئی گھر آ جاتی ہیں۔گویا نکاح کی جو اصل روح تھی وہ نکل چکی ہے اور مردہ باقی رہ گیا ہے۔یاد رکھیں کہ جو عمارت دین کی بنیاد پر بنے گی اللہ تعالیٰ اس کو پائیداری عطا فرمائیں گے۔

قابل افسوس واقعہ

لاہور میں ایک صاحب کی بیٹی کی شادی ہونی تھی۔اس نے ایک سال پہلے اس کی پلاننگ شروع کر دی۔کارڈ چھپوائے اور بڑے پیسے خرچ کئے۔حتی کہ اس نے یہاں تک انتظام کیا کہ اس نے بارات کے ساتھ آنے والے ہر مہمان کے گلے میں ایک ہزار روپے کا ہار ڈالا۔اور وہ برتن جن میں باراتیوں نے کھانا کھایا وہ پتھر کے بنے ہوئے انمول قسم کے برتن تھے۔وہ برتن اس نے خود بنوائے تھے۔ان برتنوں پر اس نے اس شادی کی یادگار بھی لکھوائی تھی۔ ہر باراتی کو اجازت تھی کہ وہ اپنے استعمال میں آنے والے برتن یادگار کے طور پر لے جا سکتا ہے۔

ادھر لڑکے والوں نے بھی کیا خوب انتظام کیا کہ چڑیا گھر سے کرایے پر ہاتھی لے آئے دولہا میاں اس ہاتھی پر بیٹھ کر سسرال پہنچا...... جیسے جنگ کرنے چلا ہو...... اس کے علاوہ بھی انہوں نے پیسہ پانی کی طرح بہایا۔

جب رخصتی ہو گئی اور مرد گھر واپس آئے تو عورتوں نے لڑکی کے والد سے پوچھا کہ حق مہر کتنا مقرر کیا ہے؟ اس وقت ان کو خیال آیا کہ ہم نے تو نکاح پڑھا ہی

نہیں ہے۔ تب انہوں نے باراتیوں کی طرف پیغام بھجوایا کہ بارات کو یہیں راستے میں ہی روک لیا جائے تا کہ بچی کا نکاح کرنے کے بعد اس نئے گھر میں داخل کیا جائے۔

اندازہ کیجئے کہ اتنے پیسے خرچ کئے اور اتنے عرصے سے پلاننگ کی۔ ہر چیز کا تو خیال رکھا لیکن اللہ کے حکم کا خیال نہ رکھا۔ یہ دین سے دوری کا نتیجہ ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ دینداری کی بنیاد پر اپنے نئے گھر کی بنیاد رکھتے ہیں وہ دنیا ہی میں جنت کے مزے لیتے ہیں۔

دنیا میں جنت کے مزے

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا تعلق سکھ گھرانے سے تھا۔ آپ ابتدائے جوانی میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور دار العلوم دیوبند میں داخلہ لے لیا۔ حتی کہ آپ دورۂ حدیث کے درجے تک پہنچ گئے۔

آپ یہ واقعہ خود سنایا کرتے تھے کہ جب میرے سسر کو ان کے گھر والوں نے کہا کہ اب ہماری بچی جوان ہے اس لئے کوئی مناسب رشتہ تلاش کر کے نکاح کر دینا چاہیے۔ وہ پنجاب کے مدارس کے دورے پر نکلے تا کہ انہیں اپنی بچی کے لئے کوئی عالم فاضل نوجوان مل سکے۔ حتی کہ دار العلوم دیوبند پہنچ گئے۔ جب انہوں نے دورۂ حدیث کی کلاس کو دیکھا تو ان کی نگاہیں میرے اوپر ٹک گئیں۔ انہوں نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ سے پوچھا کہ یہ بچہ کون ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ سکھ گھرانے سے تعلق رکھتا ہے اور مسلمان ہو کر ہمارے پاس علم حاصل کیا ہے۔ انہوں نے پوچھا، کیا یہ شادی شدہ ہے؟ شیخ الہندؒ نے فرمایا نہیں، انہوں نے شیخ الہندؒ سے پوچھا، کیا یہ شادی کرنا چاہتا ہے؟ تو میرے استاد محترم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم شادی کرنے کے لئے تیار ہو؟ میں نے عرض کیا، حضرت! میں مسلمان ہوں اور

میرا سارا خاندان کافر ہے، اب مجھ اکیلے کو کون اپنی بیٹی دے گا۔ انہوں نے پوچھا کہ اگر کوئی اپنی بیٹی آپ کو دے تو آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے کہا، حضرت! میں اس سنت کو ضرور ادا کروں گا، میں اس کے ترک کا گناہ اپنے سر کیوں لوں۔ چنانچہ میرے سسر صاحب نے فرمادیا کہ کل عصر کے بعد نکاح ہوگا۔

فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اپنے دوستوں کے پاس آیا اور انہیں بتایا کہ کل میرا نکاح ہے۔ طلباء طلباء ہی ہوتے ہیں۔ وہ یہ سن کر مجھے سے محبت پیار کی باتیں کرنے لگ گئے۔ کافی دیر کے بعد ایک دوست نے کہا، جی آپ کے کپڑے بڑے میلے ہیں لہٰذا آپ کو چاہیے کہ آپ کسی دوست سے ادھار کپڑے لے لیں اور وہ پہن کر نکاح کی تقریب میں جائیں۔ میں نے کہا کہ میری عزت نفس اس بات کو گوارا نہیں کرتی، میں جو کچھ ہوں سو ہوں، میں ادھار تو نہیں مانگوں گا...... طلباء بھی منطقی ہوتے ہیں، آسانی سے نہیں چھوڑتے...... چنانچہ وہ کہنے لگے، اچھا اگر کسی دوسرے سے نہیں مانگنا تو آپ اسی سوٹ کر دھو کر دوبارہ پہن سکتے ہیں تاکہ صاف کپڑے ہوں۔ حضرت کے اپنے الفاظ ہیں کہ۔

''میرے بھیڑ کد پے'' یعنی میری بدبختی آ گئی کہ میں نے اپنے دوست کی بات مان لی چنانچہ میں نے اگلے دن دھوتی باندھی اور کپڑے دھو لیے۔ سردی کا موسم تھا اور اوپر سے آسمان ابر آلود ہو گیا۔ عصر کا وقت آ گیا۔ میں نے مسجد کے ایک طرف کپڑے ہوا میں لہرانے شروع کر دیئے اور ساتھ ہی دعائیں بھی مانگنی شروع کر دیں کہ اے اللہ! ان کپڑوں کو خشک فرما دے۔ اور موسم کی خرابی کی وجہ سے کپڑے خشک ہونے پر نہیں آ رہے تھے۔ حتی کہ عصر کی اذان ہو گئی اور میں نے سردی کے موسم میں گیلے کپڑے پہنے اور مجمع میں آ کر بیٹھ گیا، لیکن میرے سسر کا دل بھی سونے کا بنا ہوا تھا کہ ان کی نظر ان چیزوں پر بالکل نہیں تھی، انہوں نے دیکھا کہ کل بھی یہی کپڑے تھے اور میلے تھے اور آج بھی وہی کپڑے ہیں اور گیلے ہیں اور اس کے پاس کوئی دوسرا جوڑا

بھی نہیں ہے۔انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔کچھ عرصے کے بعد رخصتی ہو گئی۔

ابتداء کے چند دنوں میں میرے اوپر فاقے آئے کیونکہ میں طالب علم تھا اور تازہ تازہ پڑھ کر فارغ ہوا تھا۔کمائی کا کوئی ایسا سلسلہ بھی نہیں تھا۔کبھی کھانے کو مل جاتا اور کبھی نہ ملتا۔کچھ عرصہ میری دلہن میرے گھر میں رہی۔اس کے بعد جب وہ اپنے والدین کے گھر گئی تو اس کی والدہ نے اس سے پوچھا،بیٹی! تو نے اپنے نئے گھر کو کیسے پایا؟ فرماتے ہیں کہ میری بیوی تقیہ،نقیہ،نیک اور پاک عورت تھی،اس کی نظر میری دینداری پر تھی،چنانچہ اس نے اس کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی والدہ سے کہا،

''اماں! میں تو سمجھتی تھی کہ مر کر جنت جائیں گے لیکن میں جیتی جاگتی جنت میں پہنچ گئی ہوں''۔

حضرت لاہوریؒ فرمایا کرتے تھے۔

''میرے سسر نے مجھے اس وقت پہچان لیا تھا جب احمد علی احمد علی نہیں تھا اور آج تو احمد علی احمد علی ہے''۔

نیک بیوی کی چار نشانیاں

نبی علیہ السلام نے نیک بیوی کی چار نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔

۱)...... پہلی نشانی یہ ہے کہ جب اس کو خاوند کسی بات کا حکم کرے تو وہ اس کے حکم کو مانے۔ضد کرنے والی نہ ہو۔ماں باپ کو اپنی بچیوں کی تربیت کرنی چاہیے اور سمجھانا چاہیے کہ تم نے خاوند کے پاس جانا ہے تو ضد نہ کرنا۔اپنی بات منوانے کی بجائے اس کی مان کر زندگی گزارنا،اسی میں برکت ہوتی ہے۔یہ بات ضرور سمجھانی چاہیے کیونکہ میاں بیوی کا ناز و انداز کا ایک تعلق ہوتا ہے اور لڑکیاں اکثر چھوٹی چھوٹی بات پر ضد کرنے لگ جاتی ہیں۔

۲)...... دوسری نشانی یہ ہے کہ جب خاوند اس کی طرف دیکھے تو اس کا دل خوش ہو

جائے۔ کیا مطلب؟...... مطلب یہ ہے کہ وہ گھر میں صاف کپڑے پہنے۔ ایسا نہ ہو کہ جب وہ گھر سے نکلے تو فیشن ایبل کپڑے پہنے اور گھر میں بھنگن بنی پھرے۔ یہ بھی نہ ہو کہ گھر میں گندی سی بنی رہے اور اس کے بدن سے بو آ رہی ہو اور باہر نکلے تو خوشبوئیں لگا کر نکلے۔ شریعت نے اس کو پسند نہیں کیا، ایک تو صاف ستھری بن کر رہے اور دوسرا اس کے چہرے پر خاوند کے لئے مسکراہٹ ہو۔ یہ نہ ہو کہ ہر وقت ہی موڈ بنائے رکھے۔

۳)...... تیسری نشانی یہ ہے کہ اگر خاوند کسی بات پر قسم کھالے تو تم ایسا کرو تو وہ اس کی قسم کو پورا کر دے۔

۴)...... چوتھی نشانی یہ ہے کہ جب خاوند گھر میں نہ ہو تو وہ اس کے مال اور آبرو کی حفاظت کرے۔

میاں بیوی کے درمیان جھگڑے کی وجہ

میاں بیوی کے قرب کے بارے میں شریعت مطہرہ نے حیران کن حد تک تصور پیش کیا ہے۔ کئی لوگ درمیان میں میاں بیوی میں جدائی کا سبب بنتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے محتاط رہنا چاہیے۔ ایک اصول یاد رکھنا کہ عام طور پر میاں بیوی ایک دوسرے کی وجہ سے آپس میں نہیں جھگڑتے بلکہ ہمیشہ کسی تیسرے کی وجہ سے جھگڑتے ہیں۔ وہ تیسرا یا تو لڑکے کے ماں باپ اور بہن بھائی ہوتے ہیں یا لڑکی کے ماں باپ اور بہن بھائی۔ اس لئے شریعت نے کہا کہ تم آپس میں ایک رہو اور کسی اور کی طرف دھیان ہی نہ دو۔

ایک علمی نکتہ

یہاں ایک علمی نکتہ طالب علم ہونے کے ناطے آپ کی خدمت میں عرض کرتا چلوں۔ فقہا نے لکھا ہے کہ اگر میاں بیوی کے مابین کوئی رنجش ہو اور کوئی ان کی صلح

کرانے والا ہو تو اگر اس کو کوئی بات خلاف واقعہ بھی کہنی پڑے یعنی اس نیت سے جھوٹ بھی بولنا پڑے تا کہ میاں بیوی آپس میں صلح کر لیں تو اللہ تعالیٰ اس کی پکڑ نہیں فرمائیں گے۔ وہ ہو گا تو جھوٹ مگر اس کی نیت کی وجہ سے اس سے مواخذہ نہیں ہو گا۔ یہاں سوچنے کی بات ہے کہ اگر میاں بیوی کے تعلق جوڑنے میں اللہ رب العزت نے اپنے حق کو معاف کر دیا تو پھر ماں باپ کو کہاں اجازت ہے کہ وہ اپنے حق کی خاطر میاں بیوی میں جدائی ڈلواتے پھریں۔ آج ساس کہتی ہے کہ میں ماں ہوں، چنانچہ بیٹے کو کہتی ہے کہ میری بات مانو اور اپنی بیوی کو سیدھا کر کے رکھو۔ تم ماں ہو، تمہاری اپنی ایک حیثیت ہے، مگر وہ بھی تو اس کی بیوی ہے اس لئے اس کا بھی اپنا ایک مقام ہے۔ بیوی کو بیوی کے مقام پر رکھئے اور ماں کو ماں کے مقام رکھئے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ رب العزت لیلۃ القدر میں چند بندوں کی مغفرت نہیں کرتے، حالانکہ باقی سب کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ ان میں سے ایک تو وہ ہے جو دل میں کینہ رکھے اور دوسرا وہ بندہ جو میاں بیوی کے مابین جدائی ڈالنے والا ہو۔

گھریلو جھگڑوں کا آسان حل

شادی کے بعد میاں بیوی آپس میں یہ طے کر لیں کہ خاوند لڑکی کے تمام رشتہ داروں کو خوش رکھنے کی ذمہ داری قبول کرے اور لڑکی خاوند کے تمام رشتہ داروں کو خوش رکھنے کی ذمہ داری قبول کر لے۔ جب لڑکی اپنوں کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہے اور لڑکا اپنے رشتہ داروں کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو پھر آپس میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ اس کا آسان حل یہ ہے کہ بیوی اپنے خاوند سے نسبت رکھنے والے رشتہ داروں کو خوش رکھنے کی کوشش کرے اور خاوند لڑکی کے رشتہ داروں کو خوش رکھنے میں لگا رہے، اس طرح دونوں کی زندگی میں مشکلات ختم ہو جائیں گے۔

تحمل مزاجی کی ضرورت

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب کوئی خاوند اپنی بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور بیوی اپنے خاوند کو دیکھ کر مسکراتی ہے تو اللہ رب العزت دونوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں۔ یعنی پروردگار عالم چاہتے ہیں کہ میرے بندے پیار محبت کی زندگی گزاریں۔ میاں بیوی جتنی محبت بھری زندگی گزاریں گے اللہ رب العزت کے ہاں اجر پائیں گے۔ اس لئے میاں بیوی میں تحمل مزاجی کا ہونا بہت ضروری ہے۔ تحمل مزاجی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کوئی بات سنے یا دیکھے تو پہلے سوچے اور پھر کوئی قدم اٹھائے۔ اور آجکل یہ ہوتا ہے کہ پہلے قدم اٹھا لیتے ہیں اور بعد میں سوچتے ہیں کہ اوہو میں نے برا کر لیا ہے۔ اس لئے آکر کہتے ہیں کہ حضرت! میں دوستوں میں تو بڑا خوش رہتا ہوں لیکن جب گھر جاتا ہوں تو پتہ نہیں کیا ہے کہ دماغ گرم رہتا ہے۔ اصل میں تیرے پیچھے شیطان لگا ہوتا ہے اور وہ تیرے دماغ کو گرم کر رہا ہوتا ہے۔

مسنون عمل کی برکت

ایک مرتبہ میرے پاس کوئی میاں بیوی آئے۔ وہ دونوں سلسلہ میں بیعت تھے۔ وہ دونوں تقریباً اس بات کا فیصلہ کر چکے تھے کہ اب ہم ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔ دونوں پڑھے لکھے اور نوجوان تھے۔ ان کو یہ احساس ہوا کہ اگر ہم نے ایسے ہی فیصلہ کر لیا حضرت صاحب کو کیا بتائیں گے...... یہ حضرت صاحب کو بتانا بھی کئی دفعہ ہدایت کا سبب بن جاتا ہے۔ اس سے کچھ احساس ہوتا ہے کہ جن لوگوں کی نسبت کسی نہ کسی متبع شریعت وسنت بزرگ کے ساتھ ہے وہ عقائد وغیرہ کے تمام فتنوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

جتنے لوگ بھی دین بدلتے ہیں یا منکرین حدیث بنتے ہیں، وہ سب لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا کہیں بھی بیعت کا تعلق نہیں ہوتا۔ گویا کسی نہ کسی شیخ کے ساتھ اصلاحی

تعلق کا ہونا انسان کے لئے فتنوں سے بچاؤ کا سبب بن جاتا ہے۔

جب ان دونوں نے کہا کہ ہم اپنی خوشی سے ایک دوسرے سے جدا ہونے کے لئے تیار ہیں تو اس عاجز کو بھی بات سمجھ آگئی کہ ان کی زندگی میں چھوٹی چھوٹی باتوں میں مس انڈرسٹینڈنگ ہے جو بڑھتی چلی جا رہی ہے اور درمیان میں کوئی ٹھوس وجہ نہیں ہے۔ جب مجھے یہ بات سمجھ آگئی تو میں نے ان سے کہا کہ تم ایسا کرو کہ تم اپنے فیصلے کو چھ مہینوں تک مؤخر کرلو اور ایک کام میں بتاتا ہوں، اس پر عمل کرنے کا تم وعدہ کرو۔ انہوں نے کہا، جی ٹھیک ہے ہم وعدہ پورا کریں گے۔ میں نے خاوند سے وعدہ لیا کہ جب بھی وہ اپنے دفتر سے گھر آئے گا، وہ آتے ہی اپنی بیوی کو مسکرا کر دیکھے گا۔

اب یہ دیکھنے میں تو چھوٹی سی بات ہے لیکن یہ سنت نبوی ﷺ بھی ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام جب بھی گھر میں تشریف لاتے تھے، مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ تشریف لاتے تھے۔

اس عاجز نے دیکھا کہ یہ خاوند اصل میں بزنس کرتا ہے۔ اسی بزنس کے پریشر کی وجہ سے جب وہ گھر میں آتا ہے تو اس کا منہ بنا ہوا ہوتا ہے اور بیوی بیچاری دو گھنٹے سے بھوکی بیٹھی ہوتی تھی اور وہ میاں صاحب دستر خواں پر آکر بیٹھتے تو کھانے میں نقص نکالنا شروع کر دیتے۔ اب عورت کا دل ہوتا ہی کیا ہے۔ وہ تو اور زیادہ پریشان ہو جاتی تھی۔

جب میں نے کہا کہ گھر میں مسکراتے چہرے کے ساتھ داخل ہونے کا وعدہ کرو تو اس نے کہا، حضرت! یہ تو چھوٹی سی بات ہے۔ میں نے کہا، ہاں ہے تو چھوٹی سی، مگر وعدہ کرو کہ پابندی کرو گے۔ چنانچہ اس نے وعدہ کرلیا۔ چھ مہینے تو بڑی بات تھی صرف ایک مہینے کے بعد ان کا فون آیا کہ حضرت! ہم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ ہم ساری زندگی اکٹھے گزاریں گے کیونکہ ہمیں خوشیوں بھری زندگی نصیب ہوگئی ہے۔ ہوتا یہ تھا کہ جب خاوند گھر آکر بیوی کو مسکرا کر دیکھتا تھا تو مسکراہٹوں کے دروازے کھل

جاتے تھے ...... یہ رہنمائی ہوتی ہے جو شیخ نے دینی ہوتی ہے کہ تمہاری کونسی عادت ہے تمہارے لئے مصیبت کا سبب بنی ہوئی ہے۔

پیار محبت کی باتیں

بیوی کی خوش طبعی کے لئے اس کے ساتھ پیار محبت کی باتیں کرنا نہایت ضروری ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نو عورتوں کو واقعات سنائے۔ یہ نو عورتیں آپس میں مل کر بیٹھیں اور اپنے اپنے خاوندوں کی صفات بتانا شروع کیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک عورت نے اپنے خاوند کے بارے میں یہ کہا، دوسری نے یہ کہا، تیسری نے یہ کہا...... جب آپ ﷺ نے نو کی نو عورتوں کی باتیں بتا دیں تو فرمایا کہ جس عورت کا خاوند سب سے بہترین صفات کا حامل تھا میں اس سے بھی تمہارے لئے زیادہ اچھا ہوں ...... کیا آپ بھی نے اپنی بیوی کا دل خوش کرنے کے لئے ایسی باتیں کی ہیں۔ ہمارے ہاں ایسا تو نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمیں خوش رکھنا اس کا فرض ہے اور اسے تنگ کرنا ہمارا فرض ہے۔

بیٹیوں کو تین سورتوں کی تعلیم

ایک بات یاد رکھیں کہ ماں باپ اپنی لڑکی کو گھر میں سورۃ الحجرات، سورۃ النور اور سورۃ النساء کا ترجمہ لازمی پڑھانے کی کوشش کریں کیونکہ سورۃ الحجرات میں اخلاق کو سنوارنے کے لئے تعلیمات ہیں، سورۃ النور میں حیا اور پاکدامنی کی زندگی گزارنے کی باتیں ہیں اور سورۃ النساء میں میراث اور بچوں کے بارے میں مسائل موجود ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ جب گھر میں باپ اپنی بیٹیوں کو نیکی کی تعلیم نہیں دیتا اس گھر کے مردوں اور مُردوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

اعتدال کی زندگی بسر کریں

میاں بیوی کو چاہیے کہ وہ اعتدال کی زندگی بسر کریں۔ کئی لوگ تو اپنے مال کو عورت کو تنگ کرنے کے لئے انسٹرومنٹ (اوزار) کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ وہ اپنی بیویوں کو ایسا تنگ کر کے رکھتے ہیں کہ وہ بیچاریاں خوشی کا سانس بھی نہیں لے سکتیں۔ یہ بھی ٹھیک نہیں۔ نہ تو ان کو اتنا آزاد چھوڑ دو کہ وہ گناہوں کی مرتکب ہوں اور نہ ہی ان کو اتنا تنگ کر دو کہ وہ اپنی موت کی تمنائیں کریں۔ خاوند کو چاہیے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق اس کے ساتھ اچھی زندگی گزارے۔ ہمارا یہ تجربہ ہے کہ مسلمان گھرانوں کی ننانوے فیصد لڑکیاں جب ماں باپ کے گھر سے رخصت ہوتی ہیں تو وہ اپنے اگلے گھر کو آباد کرنے کی نیت سے جاتی ہیں۔ اب خاوند پر منحصر ہے کہ اگر اس نے اسے اچھی طرح ہینڈل کیا تو گھر آباد ہو جائے گا اور اگر اچھی طرح ہینڈل نہ کیا تو گھر برباد ہو جائے گا۔

عورتوں میں حوروں والی صفات

حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات عورتوں میں حوروں کی کئی صفات قرآن مجید میں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے دو ایسی ہیں جو دنیا کی عورتوں میں بھی بعض اوقات پائی جاتی ہیں۔

۱۔ پہلی صفت ہے عــربــا یعنی وہ خاوندوں سے محبت کرنے والیاں ہیں۔ مسلمان بچیاں بھی جب گھر سے چلتی ہیں تو وہ اپنے دلوں میں اپنے خاوند کی محبت بھی لے کر چلتی ہیں۔ وہ خاوند پر دل نچھاور کرنے والیاں اور جان فدا کرنے والیاں ہوتی ہیں۔

۲۔ دوسری صفت ہے قٰصِـرٰتُ الطَّـرْف یعنی وہ غیروں سے اپنی نگاہیں ہٹانے والیاں ہیں۔ مردوں کی نگاہیں عورتوں کی نسبت زیادہ ناپاک ہوتی ہیں۔

عورتیں ایسی نہیں ہوتیں کہ جس کو دیکھا دل میں طمع کیا کہ یہ میرے پاس ہو۔ یہ مردوں کی گندی عادت ہوتی ہے کہ جس عورت کو بھی دیکھیں، خواہ وہ کالی ہو، گوری ہو، نیلی ہو یا پیلی ہو، اسی کے بارے میں تصور کر لیتے ہیں کہ یہ میرے پاس ہوتی تو کیا ہی اچھا ہوتا۔

منفی سوچ سے بچیں

منفی سوچ سے بچیں۔ ذرا ذرا سی بات پر منفی سوچ انسان کو بڑا نقصان دیتی ہے۔ پھر انسان شکی مزاج بن جاتا ہے۔ یاد رکھیں کہ جس کو شک کا مرض ہوتا ہے اس کا دین بھی خطرے میں ہوتا ہے اور دنیا بھی۔ اس شک کی تو یہاں تک انتہا ہے کہ اگر بچی اپنے سگے بھائی سے بھی مسکرا کر بات کر لیتی ہے تو اس پر بھی اس کو شک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس شک کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس لئے اس شک سے اللہ کی پناہ مانگا کریں۔

پیار کا نام

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ تھی۔ اللہ کے محبوب ﷺ ان کو نہ تو نام لے کر پکارتے تھے اور نہ ہی کنیت سے، بلکہ پیار سے حمیرا فرمایا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر خاوند اپنی بیوی کا کوئی ایسا نام پسند کرے جو بیوی کو بھی پسند ہو تو یہ ایک Token of love (محبت کا سرٹیفیکیٹ) ہوتا ہے۔ اگر اس نام سے اس کو پکارے گا تو پھر اس بیوی کو محبت کا ایک پیغام بھی مل رہا ہوگا۔ یہ نبی علیہ السلام کی سنت ہے۔

غلط فہمی دور کر لیا کریں

اگر کسی وجہ سے کوئی غلط فہمی پیدا ہو جائے تو جب تک وہ غلط فہمی دور نہ ہو جائے

اس وقت تک آپ اطمینان نہ پائیں۔ایک دوسرے کو سمجھا لینے میں اور منا لینے میں کونسی رکاوٹ ہوتی ہے۔ کسی بات پر بھی ضد نہ کیا کریں۔اگر بیوی کسی وقت کوئی بات نہیں مان رہی ہوگی تو آپ دیکھیں گے کہ کسی دوسرے موقع پر معافی بھی مانگ رہی ہوگی اور بات بھی مان رہی ہوگی۔اسی طرح بیوی یہ سوچے کہ اگر ایک وقت خاوند کوئی بات نہیں مان رہا تو میں اب ضد اور جھگڑا نہ کروں، بلکہ کسی دوسرے موقع پر وہ میری بات بھی مان لے گا اور مجھے اور زیادہ پیار اور محبت بھی دے گا۔

جھوٹ سے بچیں

جھوٹ کی زندگی سے بچیں۔ جب خاوند اپنی بیوی سے اپنی زندگی کو چھپانا شروع کردیتا ہے یا بیوی اپنے خاوند سے اپنی زندگی کو چھپانا شروع کردیتی ہے تو سمجھ لو کہ گھر کی بربادی کی واضح نشانی موجود ہے۔کیونکہ یہ تعلق تو بنایا ہی اسی لئے گیا ہے کہ خاوند جب ساری دنیا کا ستایا ہوا گھر آکر پہنچے تو اپنے دل کا سب کچھ اپنی بیوی کے سامنے کھول دے۔کیا دیکھتے نہیں ہیں کہ جب اللہ کے محبوب ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی آپ ﷺ پر اس کا بوجھ تھا۔آپ ﷺ نے سب سے پہلے گھر میں آکر فرمایا۔

خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ

(مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو)

اور آگے سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تسلیاں دینے لگیں کہ

واللہ انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم ° وتقری ء الضیف وتعین علی نوائب الحق

[اللہ کی قسم! آپ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں، آپ بے سہاروں کا سہارا بننے والے ہیں، جن کے پاس کچھ نہ ہو آپ ان کو کما کر دینے والے ہیں۔آپ مہمان نوازی کرنے والے ہیں اور آپ اچھی باتوں پر مدد کرنے والے ہیں]

اچھی بیوی کی پہچان یہ ہے کہ وہ اس کو تسلیاں دے اور اس کے غم کو دور کر دے اور اگر بیوی کسی وجہ سے پریشان ہو جائے تو اچھے خاوند کی پہچان یہ ہے کہ وہ اس کے غم کو دور کرے۔ بعض اوقات دو میٹھے بول بھی بندے کا غم دور کر دیتے ہیں۔ ان دو لفظوں میں اتنی مٹھاس ہوتی ہے کہ ساری دنیا کی چینی مل کر بھی اتنی مٹھاس پیدا نہیں کر سکتی۔

بیوی کے ساتھ دوڑ لگانا

ایک مرتبہ نبی علیہ السلام ایک جہاد پر تشریف لے گئے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ جب آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

''حمیرا! چلو دوڑ لگائیں''

اب بتائیے کہ اللہ کے محبوب ﷺ کے دل میں اللہ رب العزت کا کتنا خوف تھا لیکن اپنی اہلیہ کو دوڑ لگانے کا فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ بیوی سے محبت و پیار کی بات کرنا نہ تو خشیت الٰہی کے منافی نہیں ہے۔ اور نہ ہی معرفت الٰہی کے راستے میں رکاوٹ ہے۔

جب دوڑ لگائی تو نبی علیہ السلام نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو خود آگے نکلنے کا موقع دے دیا۔ جب وہ آگے نکل گئیں تو بہت خوش ہوئیں۔ نبی علیہ السلام خاموش ہو گئے۔

کافی عرصے کے بعد پھر ایک مرتبہ اسی طرح سفر پر نکلے اور ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ نبی علیہ السلام نے پھر ارشاد فرمایا، حمیرا! چلو دوڑ لگائیں۔ اب کی بار جب دوڑے تو اب نبی علیہ السلام آگے نکل گئے۔ آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا،

حمیرا ! تلک بتلک
(پہلے تو جیت گئی تھی اب میں جیت گیا ہوں)

دوڑ لگانے کا مقصد بیوی کا دل خوش کرنا تھا۔ یہ بھی نبی علیہ السلام کی سنت ہے۔ اگر میں آپ سے پوچھوں کہ آپ میں سے کس کس نے اس سنت پر عمل کیا ہے تو آپ میں سے تھوڑے ہی اٹھیں گے۔ حلوے کھانے والی سنتیں یاد ہیں۔ یہاں یہ مسئلہ بڑا پوچھا جاتا ہے کہ حلوہ پہلے کھانا سنت ہے یا بعد میں کھانا سنت ہے۔ دل چاہتا ہے کہ بندہ انہیں کہے کہ میاں! پہلے بھی کھاؤ اور بعد میں بھی کھاؤ، مگر جس کا کھاؤ اسی کے گیت گاؤ۔

یہ باتیں اس لئے کر دی ہیں کہ ممکن ہے کہ آج کی ان باتوں سے اللہ تعالیٰ کسی گھر کے جھگڑوں کو دور کر دے اور میاں بیوی کو پیار محبت کی زندگی نصیب ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اس عاجز کی اسی وجہ سے مغفرت ہو جائے۔ لہٰذا

''میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے''۔

اللہ رب العزت ہم سب کو محبتوں بھری خوشگوار زندگی نصیب فرما دے اور جب بچوں کو آج نکاح کے ذریعے زندگی کا ساتھی بنایا جا رہا ہے اللہ رب العزت ان کو قابل رشک اور کامیاب زندگی نصیب فرما دے۔ (آمین بحرمۃ سید المرسلین)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ۔

☆☆☆☆☆

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَهۡوَ الۡحَدِیۡثِ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّ یَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۔(لقمن: ٦)

تباہ کن موسیقی

حضرت اقدس کا یہ بیان 19 مارچ 2004ء کو بروز جمعۃ المبارک بعد نماز فجر جامع مسجد گلگشت کالونی ملتان میں ہوا۔

اقتباس

جب سائنسدانوں کے سامنے اس بات کی حقیقت کھلی کہ فلاں فلاں طریقے سے انسان کا دماغ انفارمیشنز قبول کرتا ہے تو انہوں نے اس بات پر محنت کی کہ ہم دوسرے بندے کے دماغ میں اپنی مرضی کی بات کیسے ڈالیں کہ اس کو پتہ بھی نہ چلے۔ چنانچہ اس پر بہت زیادہ کام کیا گیا۔ بالخصوص کفار نے اس پر بڑا کام کیا کہ ہم کس طرح دنیا کے لوگوں کی سوچ کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتے ہیں۔ دن رات کی ریسرچ کے بعد ان کو اس کا بہترین طریقہ "میوزک" کی شکل میں نظر آیا۔ گویا انہیں مسلمانوں کی دینی غیرت کا جنازہ نکالنے کا یہ سب سے بڑا اہتھیار نظر آیا۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

تباہ کن موسیقی

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ

وَ یَتَّخِذَھَا ھُزُوًا ط اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ o

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّم

جیسے جذبات ویسے خیالات

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ان میں سے دو نعمتیں خاص ہیں۔ایک قلب اور ایک عقل یعنی دماغ۔قلب عشق کا برتن ہے اور عقل علم کا برتن ہے۔قلب جذبات کا گھر ہے اور عقل خیالات کا گھر ہے۔اچھے یا برے جذبات دل میں پیدا ہوتے ہیں اور اچھے یا برے خیالات دماغ میں پیدا ہوتے ہیں۔عام دستور یہ ہے کہ جیسے جذبات ہوں گے ویسے ہی خیالات ہوں گے۔اگر اللہ کی محبت کا جذبہ دل میں موجود ہوگا تو خیالات میں بھی یکسوئی اور پاکیزگی ہوگی اور وہ تعمیری اور خیر خواہی والے ہوں گے، ہر وقت کی سوچ پاک ہوگی، ہر وقت نیکی

اور نیک لوگوں کے خیالات آئیں گے اور نیک اعمال کرنے کی تمنا دل میں پیدا ہوگی بلکہ نیک اعمال میں آگے بڑھنے کا ہر وقت شوق رہے گا اور اگر جذبات کے اندر دنیا کی محبت غالب ہوگی تو خیالات بھی گندے ہوں گے، اسے شیطانی، شہوانی اور نفسانی سوچیں آئیں گی۔ پھر انسان کے اندر حرص بھی ہوگی، طمع بھی ہوگا، بدنظری بھی ہوگی اور شہوت بھی ہوگی اور انسان خود محسوس کرے گا کہ میری سوچ پاک نہیں ہے۔ گویا اگر ایک آدمی کی سوچ اچھی ہو جائے تو کچھ عرصے کے بعد وہ اچھا انسان بن جائے گا اور اگر سوچ بری ہو جائے تو کچھ عرصہ کے بعد وہ برا انسان بن جائے گا۔ اسی لئے جب کوئی نیک انسان برا بنتا ہے تو وہ ایک ہی دن میں برا نہیں بن جاتا بلکہ اس کی سوچ ظاہرداری میں نیکی کے رنگ میں پہلے بری ہو چکی ہوتی ہے اور اس ظاہرداری میں اس کا وقت گزرتا رہتا ہے۔ مگر اندر کا انسان بدل چکا ہوتا ہے۔

دل کی مرکزی حیثیت

قلب کو انسانی جسم میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسی لئے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ فِیْ جَسَدِ بَنِیْ آدَمَ لَمُضْغَةٌ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ، اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ.

[بنی آدم کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، جب وہ سنورتا ہے تو پورا انسان سنور جاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو پورا انسان بگڑ جاتا ہے، جان لو کہ وہ (انسان کا) دل ہے]

عشق کا تعلق انسان کے قلب کے ساتھ ہے۔ اسی لئے انبیائے کرام نے دنیا میں آکر قلب کو ہی اپنی محنت کا میدان بنایا، کیونکہ اگر قلب سنور گیا تو شاخیں یعنی باقی اعضاء خود بخود سنور جائیں گے۔

عقل کی اہمیت

عقل اور دماغ کے بارے میں انسان کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ ذرا مشکل سا موضوع ہے۔ چونکہ مجھے پڑھے لکھے لوگ نظر آ رہے ہیں اس لئے دل میں بات آ رہی ہے کہ میں ذرا اس عنوان کو کھولوں۔

حدیث پاک میں آیا ہے:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ

[اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِاُوْلِی الْاَلْبَابِ

[اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت کی باتیں ہیں]

ایک اور مقام پر فرمایا:

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ.

[کیا تم عقل نہیں رکھتے؟]

ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ قبر میں سوال پوچھنے کے لئے منکر نکیر آئیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا وہاں عقل سلامت ہوگی یا نہیں؟ فرمایا، ہاں عقل سلامت ہوگی۔ انہوں نے عرض کیا، پھر کچھ پروا نہیں ہے۔

عقل کیا چیز ہے؟

عقل کیا چیز ہے؟...... عقل سوچنے کی ایک مشین ہے۔ جیسے کمپیوٹر میں میتھ کو پروسیسر ہوتا ہے۔ پروگرام میں کوئی بھی Equation ہو تو وہ اس کی طرف بھیج دی

جاتی ہے اور وہ اس Equation کو حل کر کے واپس بھیج دیتا ہے۔اسی طرح اگر آپ دماغ کو کوئی خیال دے دیں تو وہ اس کے تانے بانے جوڑنا شروع کر دیتا ہے۔اس خیال پر پہرہ بٹھانا آپ کا کام ہے۔اسی طرح مؤمن اپنے دماغ کے اوپر دل کا پہرہ بٹھاتا ہے، جو اچھے خیالات ہوں ان کو دماغ میں جانے دیتا ہے اور جو برے ہوں ان کو جھٹک دیتا ہے۔

خیالات کا خودکار نظام

اللہ تعالیٰ نے خیالات کا نظام کچھ ایسا بنایا ہے کہ یہ ازخود انسان کے ذہن میں آتے رہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے اور اس میں انسانیت کے لئے بہت فائدے ہیں۔مثال کے طور پر آپ گھر سے سبزی لینے کے لئے چلے اور راستے میں آپ کو آپ کا پرانا دوست مل گیا، وہ سکول کے زمانے کا دوست تھا، اب بیس سال کے بعد ملاقات ہوئی۔آپ اس سے مل کر بہت خوش ہوئے اور باتیں کرنے لگے۔اب ان باتوں کے دوران تھوڑے وقفے سے آپ کے ذہن میں یہ خیال آتا رہے گا کہ آپ کو سبزی لینی ہے، آپ کو سبزی لینی ہے۔اگر وہ سبزی لینے کا خیال آپ کے ذہن سے نکل جاتا تو آپ گھنٹوں اس کے ساتھ بیٹھے رہتے، گپیں مارتے، چائے پیتے اور جب شام کو گھر جاتے تو تب پتہ چلتا کہ او ہو میں تو گھر سے سبزی لینے نکلا تھا اور میں نے کیا کر دیا۔انسان کے فائدے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے یہ ایک خودکار نظام بنا دیا جس کی وجہ سے اس کا دماغ اسے بار بار سگنل دے رہا ہوتا ہے۔

جس طرح اچھے خیالات آتے ہیں اسی طرح برے خیالات بھی آتے رہتے ہیں۔شریعتِ مطہرہ نے ایک بہت ہی خوبصورت اصول بتا دیا کہ برے خیال کا آنا برا نہیں ہے کیونکہ اس پر پکڑ نہیں ہے بلکہ برے خیال کو خود ارادے کے ساتھ لانا، دل

میں جمانا اوراس سے لطف اندوز ہونا برا ہے۔لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اچھے خیال کو ذہن میں لائیں اور برے خیال کو ذہن سے دور کریں۔اب اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی چوراہے پر کھڑے کسی پولیس والے کی ہوتی ہے۔کہیں سے ٹرک آرہا ہوتا ہے......کہیں سے کار آرہی ہوتی ہے......کہیں سے گدھا گاڑی آرہی ہوتی ہے ......مگر وہ سب ٹریفک کو چلتا کرتا ہے اور وہ ہجوم نہیں لگنے دیتا۔اس کا فرضِ منصبی یہی ہوتا ہے کہ کھڑے رہو اور اس شاہراہ کو آنے جانے والوں کے لئے کھلا رکھو۔اگر ٹریفک جام ہو جائے تو اس پولیس والے کی وردی اتار لی جاتی ہے۔مومن بندے کا دماغ بھی اسی طرح ایک چوراہے کی مانند ہے،اس میں بھی اچھے برے ہر طرح کے خیالات آتے ہیں۔کبھی اچھے خیال کی بس آگئی اور کبھی برے خیال کی گدھا گاڑی آگئی۔مومن کو چاہیے کہ جب برا خیال آئے تو اس کو ذہن سے نکال دے اور چلتا کرے،اگر اس کے ذہن میں برے خیالات کی ٹریفک پھنس گئی تو اب اس کو پکڑیں گے کہ تو نے اپنا فرض پورا نہیں کیا۔

عقل کی جولانیاں

عقل کی وجہ سے انسان کو دوسری مخلوقات میں امتیازی مقام حاصل ہے۔مثال کے طور پر......

(۱)......یوں دیکھنے کو تو ہاتھی سب سے زیادہ طاقت ور ہے لیکن انسان عقل کے زور پر ہاتھی کو بھی اپنا ماتحت بنا لیتا ہے۔

(۲)......شیر جرأت،شجاعت اور طاقت میں انسان سے بہت آگے ہے مگر عقل کی بنیاد پر انسان اس کو بھی لگام ڈال دیتا ہے۔

(۳)......اس عقل کو استعمال کر کے انسان نے ہوا میں اڑنا سیکھا،ورنہ کہاں انسان اور کہاں پرواز۔پرندہ تو ہوا میں اڑتے ہوئے ہلتا بھی ہے مگر جہاز ہلتا بھی نظر نہیں

آتا۔ جیسے کوئی چیز ہوا کے اندر تیر رہی ہوتی ہے اسی طرح ہوائی جہاز بھی چل رہا ہوتا ہے۔اگر کوئی بندہ جہاز میں بیٹھا ڈرائنگ بنا رہا ہو تو اس کو جھٹکا بھی محسوس نہیں ہوتا۔ یہ عقل کی جولانیاں ہیں۔

(۴)......اسی عقل کی وجہ سے انسان نے سمندر کی گہرائیوں کو ناپا۔ جتنے زمین سے اوپر ہمیں عجائبات نظر آتے ہیں سائنسدانوں کی دریافت کے مطابق اس سے زیادہ عجائبات زمین کے نیچے ہیں۔اگر کسی کو سمندر میں جانے کا موقع ملے تو وہ دیکھ لے گا کہ وہاں تو دنیا ہی انوکھی ہے۔تو یہ عقل ہی ہے کہ جس نے انسان کو دنیا میں یہ سب مادی نعمتیں دیں ...... یہ عقل دنیا کی ہر چیز کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (لقمٰن: ۲۰)

[اور جو کچھ آسمان وزمین کے درمیان ہے وہ ہم نے تمہارے لئے مسخر کر دیا]

کیا مطلب؟......مطلب یہ ہے کہ تمہیں اس کو سمجھنے کی صلاحیت عطا کر دی۔

(۵)......شیر جنگل کا بادشاہ ہے اور فقط گوشت کھاتا ہے، ہاتھی اتنا بڑا جانور ہے اور فقط سبزہ کھاتا ہے۔شیر نے گوشت بھی کھایا تو آج تک اس نے کبھی بھون کر نہیں کھایا بلکہ کچا چبایا، اس کو نہ نمک کا پتہ ہے اور نہ مرچ کا پتہ ہے۔اور حضرت انسان کو دیکھو کہ ماشاء اللہ گوشت بھی کھاتا ہے تو کیا کیا ...... جی یہ سیخ کباب ہیں ...... جی یہ تکے بنے ہوئے ہیں ...... جی یہ سوپ بنا ہوا ہے ...... جی یہ قیمہ بنا ہوا ہے ...... جی یہ سبزی میں گوشت ملایا ہوا ہے ...... جی ہم نے یہ پوری ران بھونی ہوئی ہے ...... جی یہ مندی ہے۔ واہ میرے مولا! ......مندی بھی کیا چیز ہوتی ہے......!!!

افغانستان کے لوگ پورے جانور کو ذبح کرنے کے بعد اندر سے صفائی کر کے اس کو کھال کے اندر ڈال کر انگاروں کے اندر رکھ دیتے ہیں اور اس کو زمین کے اندر

دبا دیتے ہیں یا تنور کے اندر رکھ دیتے ہیں۔اللہ کی شان کہ نمک اور مرچ اس کے اندر تک رچ جاتی ہے اور یہ ایسے گلتا ہے کہ بندہ اس کو ہاتھ سے آرام سے توڑ کر کھا سکتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ دعوت کی گئی تو میزبان نے ایک گائے ذبح کی اور کھال اتار کر اور اس کے پیٹ کی پوری صفائی کر کے اس کو اتنے بڑے Oven (چولہے) کے اندر ڈال دیا۔وہ گائے اس کے اندر گھومتی رہی اور پکتی رہی۔ جب پوری گائے پک گئی تو اس کو اسی طرح لا کر انہوں نے سب کے سامنے لٹکا دیا۔انہوں نے پیچھے سے آگے تک ایک موٹا سریا ڈالا اور اس سریے کے اوپر گائے کو لٹکا دیا تا کہ آدمی جا کر جہاں سے چاہے کاٹے اور کھائے۔ چنانچہ کوئی ران کا گوشت کاٹ کر لا رہا تھا اور کوئی شانے کا......اللہ تیری شان......پوری گائے کو اس طرح پکانا فقط انسان ہی کا کام ہے۔

(۶)......انسان کو عقل کی وجہ سے نئی نئی چیزیں سوجھتی رہتی ہیں۔آخر انسان نے بارہ مصالحے بنا ہی دیئے نا......کیا چٹنیاں......کیا کیچپ......جی یہ اچار ہے۔شیر بے چارے کو اچار کا کیا پتہ۔اس نے تو کیا اس کے باپ نے بھی یہ نام نہیں سنا ہوگا۔

انسانی دماغ اور جدید سائنسی تحقیق

آج کے زمانے میں سائنسی تحقیقات بہت زیادہ ہو چکی ہیں۔ڈاکٹروں نے انسان کے دماغ کو سمجھنے کے لئے دن رات ایک کر دیا ہے اور اس کی بہت ساری تفصیلات کو سمجھ لیا ہے۔چنانچہ آج میڈیکل کے اندر دماغ کے بارے میں اتنی بڑی تفصیلات پڑھاتے ہیں کہ پڑھنے والے تھک جاتے ہیں۔

میں آپ کو ذرا دماغ کی بناوٹ اور اس کے فنکشن کے بارے میں بتا دیتا ہوں تا کہ آپ کو بھی پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ کتنی بڑی نعمت عطا فرمائی ہے۔

☆......ہمارے جسم کے سیل اور چیز ہیں اور دماغ کے سیل اور چیز ہیں۔اگر جسم کا

سیل Demage (خراب) ہو جائے تو اس میں اتنی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ خود بخود دوبارہ فعال بن جاتا ہے لیکن اگر دماغ کا سیل Demage (خراب) ہو جائے تو اس میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ دوبارہ کام کر سکے، وہ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

☆......جسم کے سیل کی غذا پروٹین ہے اور دماغ کے سیل کی غذا کاربوہائیڈریٹس ہیں

☆عورتیں بعض اوقات میٹھا انڈہ بنا لیتی ہیں۔ جس طرح وہ نرم سی چیز بنتی ہے، اسی طرح دماغ کا سیل بھی اس سے ملتی جلتی چیز ہے۔ اس کے اوپر ایک جھلی چڑھی ہوتی ہے جس میں سارے دماغ کے ان ذروں کو اکٹھا رکھا ہوتا ہے۔ اگر وہ جھلی نہ ہو تو یہ سب جدا جدا ہو جائیں۔ یہ اربوں اور کھربوں چھوٹے چھوٹے ذرات ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔

☆......انسان کے سر کی کھوپڑی میں دماغ کی بہت ہی زیادہ تہیں ہیں۔ اس کی لمبائی کو لمبا کرنے کے لئے جیسے صف لپیٹتے ہیں تو لمبی ساری صف تھوڑی سی جگہ پر آ جاتی ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے انسانی Memory میموری (یادداشت) کو بڑا کرنے کے لئے اور Space سپیس (جگہ) زیادہ دینے کے لئے اس کی تہہ در تہہ بنا دی ہے اور اس دماغ کو سر کی چھوٹی سی جگہ میں سما دیا ہے۔ چونکہ سوچنے کے لئے اور یادداشت کے لئے بڑی سطح کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اگر یوں ہی ایک سطح ہوتی تو میرا خیال ہے کہ انسان کا سر ہی کہیں مٹکے سے بھی بڑا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کیا کہ اس کہ تہیں بنا دیں۔ یعنی ایک تہہ جاتی ہے اور پھر ایک تہہ آتی ہے، پھر ایک تہہ جاتی ہے اور ایک تہہ آتی ہے۔ گویا ایریا بڑھانے کے لئے انسان کے دماغ کو اللہ تعالیٰ نے تہہ در تہہ بنا دیا۔

☆......اب تو انسان کے دماغ کے حصے معلوم کر لئے گئے کہ کس حصے کا تعلق کس عضو

کے ساتھ ہے۔مثال کے طور پر انسان کی یادداشت کا تعلق انسان کے دماغ کے پچھلے حصے سے ہے۔اس لئے اگر سر کے پچھلے حصے پر چوٹ لگے یا کوئی زور سے تھپڑ لگا دے یا ڈنڈا مار دے تو بعض لوگوں کی بینائی زائل ہو جاتی ہے، حالانکہ آنکھ ٹھیک ہوتی ہے مگر دیکھ نہیں سکتی۔

☆......ہمارا جو لیفٹ سائیڈ کا کنٹرول ہے اس کا تعلق دماغ کی رائٹ سائیڈ سے ہے اور جو رائٹ سائیڈ کا کنٹرول ہے اس کا تعلق دماغ کی لیفٹ سائیڈ سے ہے......اللہ کی شان......جس کو دائیں طرف فالج ہوتا ہے اس کے دماغ کی بائیں طرف میں خرابی ہوتی ہے اور جس کے بائیں طرف فالج ہوا ہو اس کے دماغ کی دائیں طرف میں خرابی ہوتی ہے۔

☆......انسان کی سوچ کا ایک بنیادی مرکز ماتھے کے پیچھے فرنٹ سائیڈ پر ہے۔چونکہ سارے خیالات کا تعلق وہاں آ کر بنتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ماتھے کو سجدے میں جھکانے کا حکم فرمایا......واہ میرے مولا!......جہاں سوچوں کا مرکز ہے اس کو جھکاؤ اللہ کے سامنے کہ اے اللہ! میری سب سوچیں تیرے قدموں پر قربان۔

☆......جیسے انسان کی شکل ہے ہو بہو اسی طرح کی شکل انسان کے دماغ کے اندر بھی ہے۔مگر فرق یہ ہے کہ انسان کے ظاہری اعضاء کی ساخت اور ان کا قد و قامت اور ہے اور دماغ میں ان کی قد و قامت اور ہے۔مثلاً دماغ کے اندر ہاتھ بھی بنے ہوتے ہیں، پاؤں بھی بنے ہوتے ہیں مگر چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔عجیب بات یہ ہے کہ زبان کا سائز بہت بڑا ہوتا ہے......وجہ کیا ہے؟......وجہ یہ ہے کہ جس عضو کو کنٹرول کرنے کے لئے جتنے زیادہ سگنل بھیجنے کی ضرورت تھی اتنا ہی بڑا اس کو ایریا چاہیے تھا۔اب ہاتھ ہلانے کے لئے تو اتنے بڑے ایریا کی ضرورت نہیں ہے لیکن زبان......توبہ، توبہ......جب بندہ ٹر ٹر کر رہا ہوتا ہے تو الفاظ بہت ہی تیزی نکل رہے

ہوتے ہیں اور اس وقت زبان ۲۶ جگہوں پر لگ رہی ہوتی ہے۔

☆......آج کے زمانے میں دماغ کے آپریشن بڑی کامیابی کے ساتھ کیے جا رہے ہیں۔حالانکہ یہ اتنا نازک سا عضو ہے کہ اگر اس کو کوئی چھو لے تو بہت جلدی اس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے مگر آج کے انسان نے نیورو سرجری کے اندر دماغ کے آپریشن بھی کر دیئے ہیں۔وہ دماغ سے گلٹی اور رسولی وغیرہ نکال دیتے ہیں۔اگر ایک آدمی کے جسم پر رعشہ طاری ہو جائے تو اس کے دماغ کے اس حصے کو نکال کر ٹرانسپلانٹ کر دیتے ہیں اور اس کا رعشہ ختم ہو جاتا ہے۔

دماغ میں انفارمیشنز کیسے کی جاتی ہیں؟

دماغ کے بارے میں اس دور میں بہت ہی زیادہ ریسرچ ہو چکی ہے لیکن افسوس کہ اس ساری ریسرچ کا فائدہ آج کفار اٹھا رہے ہیں ...... یہ ایک علمی نکتہ ہے۔ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگوں کو یہ باتیں مشکل محسوس ہوں لیکن جو پڑھے لکھے سمجھدار لوگ ہیں، وہ اس نکتے کو سمجھیں گے تو حیران رہ جائیں اور تسلیم کریں گے کہ واقعی ایسا ہی ہے۔

انسان کے دماغ کے اندر انفارمیشنز کے مختلف طریقے ہیں۔اس کی مثال کمپیوٹر کی سی ہے۔کمپیوٹر کے مختلف اِن پٹ ہوتے ہیں۔اس کے اندر کی بورڈ کے ذریعے اور ماؤس کے ذریعے انفارمیشنز چلی جاتی ہیں۔اس کے علاوہ ایک کمپیوٹر کو دوسرے کمپیوٹر کے ساتھ جوڑا جائے تب بھی انفارمیشنز دوسرے کمپیوٹر میں چلی جاتی ہیں۔اگر مشین لینگویج کی کارڈ پنچنگ مشین ہے، تو آپ کارڈ نکال دیں، ان کارڈز کے ذریعے بھی انفارمیشن چلی جائے گی۔تو ہارڈ ڈسک ایک ہی ہے مگر اس میں انفارمیشن جاننے کے کئی طریقے ہیں۔اسی طرح انسان کے دماغ میں جو انفارمیشنز جاتی ہیں، اس کے بھی مختلف طریقے ہیں۔مثال کے طور پر ہم جو دیکھتے ہیں اس

دیکھنے کے ذریعے بھی دماغ میں انفارمیشن جاتی ہے، جو ہم سنتے ہیں اس سننے کے ذریعے بھی انفارمیشن چلی جاتی ہے، جو ہم سوچتے ہیں اس سوچ کے ذریعے بھی انفارمیشن چلی جاتی ہے، کسی چیز کو ہاتھ لگا کر چھوتے ہیں تو بھی انفارمیشن چلی جاتی ہے۔

اب ایک بات یہ بھی سمجھ لیجئے کہ کچھ انفارمیشنز ہم ارادتاً لیتے ہیں اور کچھ غیر ارادی طور پر بھی ہمیں مل جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر......

(۱)......آپ سفر کر رہے ہیں تو آپ نے ایک بورڈ دیکھا جس پر لکھا ہوا تھا کہ یہاں سے لاہور کا فاصلہ پانچ سو کلومیٹر ہے۔ آپ نے وہ بورڈ پڑھا اور آپ آگے چل پڑے۔ آپ نے صرف فاصلہ دیکھنے کے لئے اس بورڈ پر نظر ڈالی تھی لیکن اور بھی بہت ساری انفارمیشنز خود بخود آ گئیں......وہ کیسے؟......وہ اس طرح کہ اگر بعد میں کوئی آپ سے پوچھے کہ آپ نے بورڈ کہاں دیکھا تھا تو آپ کہیں گے کہ دو کلومیٹر پہلے دیکھا تھا۔ اگر کوئی پوچھے کہ اس کا سائز کتنا تھا تو آپ اس کو سوچ کر بتائیں گے کہ ہاں، وہ مجھے "4"×"8 کا نظر آتا تھا۔ اگر وہ پوچھے کہ لکھائی کا رنگ کیسا تھا، تو آپ کہیں گے کہ جی وہ نیلا تھا۔ اگر وہ کہے کہ وہ کتنی اونچائی پر لگا ہوا تھا تو آپ سوچ کر بتائیں گے کہ وہ زمین سے تقریباً پندرہ فٹ اونچا لگا ہوا تھا۔ اب جب آپ نے فاصلہ دیکھا تو اس وقت آپ کی نیت یہ سب چیزیں دیکھنے کی نہیں تھی بلکہ فقط فاصلہ معلوم کرنے کی نیت تھی، مگر دماغ ایسی چیز ہے کہ اس نے کتنی اور انفارمیشنز از خود حاصل کر لیں۔

(۲)......ایک اور مثال یوں سمجھئے کہ آپ گھوڑا کمرے میں لے جانا چاہتے ہیں۔ آپ نے دروازہ کھولا مگر گھوڑے پر مکھیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ بھی گھوڑے کے ساتھ خود بخود ہی اندر داخل ہو گئیں۔

اسی طرح جب انسان بعض معلومات لینے کا ارادہ کرتا ہے تو لاشعوری طور پر کئی اور معلومات اس کو خود بخود مل جاتی ہیں۔ گویا کہ لاشعوری طور پر کتنی ہی معلومات اس کے دماغ میں زبردستی گھس جاتی ہیں۔ یہ جو غیر شعوری طور پر معلومات دماغ میں گھس جاتی ہیں یہ بعض اوقات بڑی نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں اور ان کا انسان کے دماغ پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

چنانچہ سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں جب سات ماہ کا ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کے دماغ کے اندر انفارمیشنز جانا شروع ہو جاتی ہیں۔ بچہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوا ہوتا کہ ماں جو کچھ سوچتی ہے، جو دیکھتی ہے اور جو بولتی ہے، اس کے اثرات اس کے دماغ میں جانا شروع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے فقہاء نے سینکڑوں سال پہلے لکھا کہ خاوند کی ڈیوٹی ہے کہ اگر اس کی بیوی حاملہ ہو تو وہ اس کو غمزدہ نہ ہونے دے بلکہ بچے والی عورت کا لحاظ کرے اور ہر ممکن کوشش کرے کہ یہ پریشان حال نہ ہو، کیونکہ اگر حاملہ عورت ذہنی طور پر پریشان ہو گی تو اس کا بچے پر بھی اثر پڑے گا۔

کہنے والے تو کہتے ہیں کہ ماں کی گود بچے کا پہلا مدرسہ ہوتی ہے لیکن اب بات سمجھ میں آئی کہ نہیں، ماں کی کوکھ بچے کا پہلا مدرسہ ہوتی ہے۔ اس لئے ہمارے اکابر فرماتے تھے کہ جب کوئی عورت حاملہ ہو تو حرام کھانے سے اور دوسرے گناہوں سے پرہیز کرے اس لئے کہ ان اعمال کے برے اثرات اسکے بچے پر بھی مرتب ہو سکتے ہیں۔ اگر ماں کی سوچ اچھی اور نیکی والی ہو گی تو بچے پر بھی اس کے اچھے اثرات پڑیں گے۔

شریعت نے کہا کہ ماں باپ کو چاہیے کہ اگر بچہ چھوٹا بھی ہو تو اس کے سامنے بھی کوئی ایسی ویسی بات اور حرکت نہ کریں...... کیوں؟...... اس لئے کہ اگرچہ وہ کم

عمری کی وجہ سے سوچ نہیں رکھتا مگر وہ دیکھ تو رہا ہے۔ دیکھنے کی وجہ سے اس کے دماغ میں جا کر جو کچھ ثبت ہو رہا ہے، جب یہ بڑا ہو گا تو پھر اس کو اس خیال کا Analysis (تجزیہ) کرنا خود بخود آ جائے گا۔ گویا شریعت نے حیا سکھائی کہ اگر میاں بیوی آپس میں میل ملاپ بھی کرنا چاہتے ہیں تو بچہ چھوٹا بھی ہو تو پردہ کریں۔ آج کل تو ایسی بے وقوفی ہے کہ ہم چلتے پھرتے بچوں کو بھی چھوٹا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا کیا ہے۔ نہ تو بچہ بول سکتا ہے اور نہ ہی کچھ کہہ سکتا ہے لیکن بچہ جو کچھ دیکھ رہا ہے اس منظر کی وجہ سے اس بچے کے دماغ میں پتہ نہیں کیا کیا انفارمیشنز جا رہی ہوتی ہیں۔ اسی لئے ایسے بچے بے حیا بنتے ہیں۔ ماں باپ بچپن میں ہی ان کے حیا کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ پھر روتے پھرتے ہیں کہ بیٹی عجیب نکل آئی، بیٹے نے ناک کٹوادی۔ وہ بیٹے اور بیٹی نے ناک نہیں کٹوائی، وہ ناک تو اس وقت کٹی تھی جب ان کے سامنے آپ نے فحش حرکات کی تھیں، اس وقت آپ نے شریعت کا خیال کیوں نہ رکھا۔

میوزک...... کفار کا ایک مہلک ترین ہتھیار

جب سائنسدانوں کے سامنے اس بات کی حقیقت کھلی کہ فلاں فلاں طریقے سے انسان کا دماغ انفارمیشنز قبول کرتا ہے تو انہوں نے اس بات پر محنت کی کہ ہم دوسرے بندے کے دماغ میں اپنی مرضی کی بات کیسے ڈالیں کہ اس کو پتہ بھی نہ چلے۔ چنانچہ اس پر بہت زیادہ کام کیا گیا۔ بالخصوص کفار نے اس پر بڑا کام کیا کہ ہم کس طرح دنیا کے لوگوں کی سوچ کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتے ہیں۔ دن رات کی ریسرچ کے بعد ان کو اس کا بہترین طریقہ ''میوزک'' کی شکل میں نظر آیا۔ گویا انہیں مسلمانوں کی دینی غیرت کا جنازہ نکالنے کا یہ سب سے بڑا ہتھیار نظر آیا۔

میوزک سنتے وقت کیا ہوتا ہے؟ جب انسان میوزک کی آواز اور ساز سن رہا ہوتا ہے تو یہ میوزک انسان کے دماغ میں الیکٹریکل سگنلز کی شکل میں جا کر تیز ہو جاتا ہے۔ اس کو کمپیوٹر میں الیکٹریکل سگنلز کی شکل میں دیکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آج کل جو بیانات کیے جاتے ہیں، ان کی کیسٹ کو سی ڈی بنا کر کمپیوٹر میں بھر دیتے ہیں اور وہ اس کو Wave form (لہروں کی شکل) میں دیکھ لیتے ہیں۔ ہوتا تو وہ بیان ہے مگر کمپیوٹر سکرین پر وہ لہروں کی شکل میں نظر آرہا ہوتا ہے اور اس میں جہاں جہاں سپیکر کا شور یا انسان کی کھانسی کی آواز ہوتی ہے وہ سب نظر آرہی ہوتی ہے۔ کمپیوٹر پر اس شور کو ختم کر دیتے ہیں۔ جب اس شور کو ختم کرتے ہیں تو اتنی صاف آواز سے بات ہوتی ہے کہ سننے والا سمجھتا ہے کہ شاید اس سے تو زیادہ اچھی آواز ہی کوئی نہیں ہے۔ اسی طرح آواز کو کم یا زیادہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

آپ حیران ہوں گے کہ ہم نے ایک مشین دیکھی تو اس مشین والے نے مجھے کہا، جی! آپ کچھ بولیں، میں نے کچھ الفاظ بولے اور اس نے ان کو ریکارڈ کر لیا۔ پھر اس نے اس مشین میں تھوڑی سی ایڈجسٹمنٹ چینج کر کے مجھے کہا، جی آپ اب اپنی آواز سنیں۔ میں نے جب سنا تو وہ ہو بہو اس عاجز کے وہی الفاظ تھے مگر اب کوئی عورت بول رہی تھی۔ یہ سن کر مجھے بڑی حیرانی ہوئی کیونکہ ابھی تو یہ الفاظ میں نے کہے تھے۔

آواز کی پہچان کرنا کمپیوٹر کے لئے اب بائیں ہاتھ کا کھیل بن گیا ہے۔ آپ کسی آدمی کی آواز ریکارڈ کر کے کمپیوٹر میں بھر لیں تو کمپیوٹر دیکھ لے گا کہ اس کے حروف کیسے ادا ہوتے ہیں یعنی اس کا لہجہ کیسا ہے، جب کمپیوٹر کسی کے لہجے کو معلوم کر لیتا ہے تو اب وہ کسی بھی لفظ کو اس کے لہجے میں پیش کر سکتا ہے۔ آپ نے ایک بات کہی بھی نہیں ہوگی اور آپ کا پورا بیان اسی کے اوپر مل جائے گا۔ آپ کو پتہ بھی نہیں

ہوگا اور اپنی مرضی کے الفاظ آپ ہی کے لہجے میں پیش کر دیئے جائیں گے۔ اسی لئے ٹیلیفون پر بات چیت کرتے ہوئے کمپیوٹر خود بخود کچھ لوگوں کی باتوں کو بیان کرتا چلا جاتا ہے...... کیوں؟...... اس لئے کہ انہوں نے کمپیوٹر میں اس کے لہجے کو بھر دیا کہ یہ بندہ جب بھی بات کرے تو تم نے اس کی آواز کو محفوظ کر لینا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جن پر لوگوں کی نظر ہوتی ہے اور ان کی ہر بات ہر وقت ٹیپ ہو رہی ہوتی ہے۔ پوری دنیا میں وہ جہاں بھی گفتگو کریں گے ان کے لہجے کو پہچانتے ہی کمپیوٹر اس کو محفوظ کرنا شروع کر دے گا۔

جس طرح ہماری آواز کمپیوٹر کے اندر جا کر بجلی کی لہروں کی شکل اختیار کر لیتی ہے اسی طرح میوزک بھی لہروں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ اگر سکرین پر دیکھیں تو وہ بھی آپ کو لہروں کی شکل میں نظر آئے گی۔ پھر ان لہروں کی شکل میں لا کر انہوں نے اس کے فارمولے بنا دیئے۔ گویا اب یہ **Mathmatical** (ریاضیاتی) چیز بن گئی۔ یاد رکھیں کہ آج کل کی میوزک میں فقط دو چار آلاتِ موسیقی استعمال نہیں ہوتے بلکہ پتہ نہیں کہ اس کے پیچھے کتنا علم موجود ہے۔ پی ایچ ڈی ڈاکٹر کمپیوٹر پر بیٹھ کر میوزک کے فارمولے لکھ رہے ہوتے ہیں۔ وہ اس فارمولا کو ایلگورتھم کہتے ہیں۔ سائنس پڑھے لکھے لوگ یہ بات آسانی سے سمجھ لیں گے۔ جب وہ ایلگورتھم چل رہے ہوتے ہیں تو اس پر میوزک کی ٹون اور اونچ نیچ کنٹرول ہو رہی ہوتی ہے۔

اب اگلی بات سنئے جو آج میں سمجھانا چاہتا تھا......

جب موسیقی سکرین کے اوپر لہروں کی شکل میں آ گئی تو اب انہوں نے سوچا کہ ہم اس کے ذریعے انسانوں کی دماغ میں اپنی بات کیسے بھر سکتے ہیں۔ گویا انہوں نے گھوڑے کے اوپر مکھی بٹھا دی کہ گھوڑے کے لئے تو دروازہ یہ کھولیں گے اور مکھی ہماری چلی جائے گی۔ نوجوان تو میوزک سننے کے لئے بیٹھتے ہیں مگر ان کو پتہ ہی نہیں

ہوتا کہ لاشعوری طور پر ان کے دماغ میں کیا کیا پیغام پہنچ رہا ہوتا ہے۔ وہ اس وقت اس کو محسوس نہیں کر رہے ہوتے۔ وہ سمجھ تو نہیں رہے ہوتے لیکن ان کا دماغ، جسے وہ پیغام پہنچ رہا ہوتا ہے ویسے بن رہا ہوتا ہے۔ اس پیغام کو سائنس کی زبان میں Back track (بیک ٹریک) کہتے ہیں۔ سننے والا تو موسیقی سن رہا ہوتا ہے مگر Back track پر اس کو کوئی پیغام دیا جا رہا ہوتا ہے...... خیر! انہوں نے Back track کے کئی تجربات کئے۔ مثال کے طور پر......

⊙......انہوں نے اس کا پہلا تجربہ یہ کیا کہ ایک گانا بنایا اور اس کی موسیقی میں Back track کا یہ پروگرام بھرا۔

Hate your mom .... ماں سے نفرت کرو۔

Hate your mom .... ماں سے نفرت کرو۔

Hate your mom .... ماں سے نفرت کرو۔

انہوں نے باقاعدہ تجربہ کیا کہ جو لوگ اس گانے کو پسند کرتے تھے وہ اپنی والدہ سے نفرت کرنا شروع کر دیتے تھے۔ کیونکہ جب گانا پسند کرنے والے کوئی گانا پسند کرتے ہیں تو وہ اسے ایک دفعہ نہیں سنتے بلکہ اسے سینکڑوں دفعہ سنتے ہیں۔ گاڑی میں بھی سن رہے ہوتے ہیں، ٹی۔وی میں بھی سن رہے ہوتے ہیں، ٹیپ میں بھی سن رہے ہوتے ہیں، سیر کرتے ہوئے بھی سن رہے ہوتے ہیں، ان کے کانوں کے ساتھ ہر وقت واک مین لگا ہوتا ہے۔ اس طرح سینکڑوں دفعہ پیغام جا رہا ہوتا ہے اور ان کے دماغ میں اچھی طرح ثبت ہو رہا ہوتا ہے۔

⊙ ..... جب انہوں نے ہزاروں لوگوں میں اس بات کا کامیاب تجربہ کیا تو اب انہوں نے اس کا اگلا کنفرمیٹری ٹیسٹ یہ کیا کہ ایک Hit قسم کا گانا جیسے لوگ نارملی پسند کرتے ہیں اس کی میوزک کے بیک ٹریک پر انہوں نے یہ پیغام دیا:

Kill your dad.............باپ کو قتل کرو۔

Kill your dad.............باپ کو قتل کرو۔

Kill your dad.............باپ کو قتل کرو۔

اس میوزک سے ان کو رپورٹیں ملیں کہ کتنے ہی نوجوانوں نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور بہت سے ایسے تھے جو ڈاکٹر کے پاس گئے کہ باپ کے قتل کرنے کی خواہش میرے دل میں پیدا ہو رہی ہے۔

⊙......جب ان کے یہ پیغام کامیابی کے ساتھ دوسرے بندوں کے ذہنوں میں بیٹھنا شروع ہو گئے تو یہ ایک نئی چیز بن گئی۔ پھر کفار نے اس کو اپنی تبلیغ کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ کچھ ایسے گانے ہیں جن کے بیک ٹریک پر ہے:

There is no God.............خدا نہیں ہے۔

There is no God.............خدا نہیں ہے۔

There is no God.............خدا نہیں ہے۔

اب اس گانے کو سننے والا عام طور پر دین سے بیزار ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں دین کی نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

⊙......ایک گانے کے بیک ٹریک پر انہوں نے یہ پیغام دیا:

Worship the devil.............شیطان کی پوجا کرو۔

Worship the devil.............شیطان کی پوجا کرو۔

Worship the devil.............شیطان کی پوجا کرو۔

⊙......ایک گانا ہے، میں اس بندے کا نام نہیں لینا چاہتا جس نے گایا، ان منحوس کے نام مسجد میں بیٹھ کے کیا لینے، لیکن ایک ایسی آواز تھی جسے دنیا پسند کرتی تھی۔ اس کے بیک ٹریک پر انہوں نے یہ پیغام دیا:

I am Satan..................میں شیطان ہوں۔

I am Satan.................. میں شیطان ہوں۔

I am Satan..................میں شیطان ہوں۔

چنانچہ اس وقت ایک بڑے ملک میں، جس کا نام آپ سمجھ گئے ہوں گے، نوجوانوں کی ایک بڑی جماعت ہے جو اپنے آپ کو شیطان کہلوا کر خوش ہوتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ ہم شیطان ہیں۔

جب انہوں نے دیکھ لیا کہ ہمارے پیغام آسانی سے دوسرے بندے کے دماغ میں جا کر بیٹھ رہے ہیں اور وہ ہماری بات قبول کر رہے ہیں تو ان کو تو یہ کام بڑا آسان نظر آیا کہ ہم پوری دنیا کی سوچ اپنی سوچ کے مطابق کر سکتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے طریقہ یہ بنایا کہ میوزک کو ہر چیز میں داخل کر دو۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ یہ پروگرام سنتے ہیں اور ان کو ہر چیز کے بیک گراؤنڈ میں میوزک سنائی دیتی ہے۔ اب تو ایسا بھی ہو گیا ہے کہ اب نعتوں کے بیک گراؤنڈ میں بھی میوزک شروع ہو گئی ہے۔ ٹی۔ وی پر کلمہ طیبہ کا ذکر ہو رہا ہوتا ہے اور اس کے بیک گراؤنڈ پر میوزک آ رہی ہوتی ہے۔ سیل فون کی بیل دیکھو تو اس میں میوزک ہے اور ایسی ایسی میوزک آ گئی ہے جو مسجدوں میں بھی آج کل بج رہی ہے، بیت اللہ کا طواف کر رہے ہوتے ہیں اور میوزک بج رہی ہوتی ہے۔ کھڑے نماز میں ہوتے ہیں اور اس دوران صف میں سے کسی کا سیل فون بج رہا ہوتا ہے اور اس کے ذریعے سے میوزک آ رہی ہوتی ہے، کوئی مسلمان نوجوان ایسا نہیں جس کے دل میں یہ تمنا ہو کہ میں ریسرچ کر کے اس کو السلام علیکم کی آواز میں تبدیل کر دوں تا کہ جب بھی فون کی بیل آئے تو وہ اونچی آواز سے السلام علیکم، السلام علیکم کہنا شروع کر دے۔ تو پوری دنیا میں دیندار لوگوں کو ذین سے ہٹانے کا یہ کام وہی ایک دماغ کر رہا ہے۔ لیکن قربان جائیں نبی علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی بصیرت پر کہ محبوب ﷺ نے چودہ سو سال پہلے ہی فرما دیا تھا کہ میں ''مزامیر'' یعنی موسیقی کے الات کو توڑنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

ایک وقت تھا کہ جب موسیقی فقط کانوں کی لذت تھی مگر آج کانوں کی لذت نہیں بلکہ دین کا خسارہ اور ایمان کے ضائع ہونے کا سبب ہے۔لہٰذا پہلے کی نسبت آج کی موسیقی بہت ہی زیادہ نقصان دہ ہے۔

وڈیو گیمز کے ذریعے کفار کی کوششیں

اگر آپ چھوٹے بچوں کو کھیلنے کے لئے کوئی پروگرام لا کر دیں کہ جی یہ Lion king کا پروگرام ہے، ذرا اس کو کمپیوٹر سکرین پر بیٹھ کر دیکھ لیں۔اس Lion king کے اوپر میوزک چل رہی ہوتی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس میوزک کا دماغ پر ایسا اثر ڈالتے ہیں کہ جو بندہ اس کو ایک دفعہ سن لیتا ہے وہ اس کا عادی بن جاتا ہے اور ہرگز پیچھے نہیں ہٹتا۔

آپ ذرا غور کریں کہ جب وہ بچوں کے وڈیو گیم کا ایک پروگرام بناتے ہیں تو اس پر تین تین سو پی۔ایچ۔ڈی ڈاکٹر، میڈیکل ڈاکٹر اور نیورو سرجن کام کر رہے ہوتے ہیں۔انسان حیران ہوتا ہے کہ بھئی بچوں کا ایک پروگرام ہی تو بنانا ہے مگر اتنی بڑی فوج کی کیا ضرورت ہے؟ دراصل وہ فوج ہر ہر زاویے سے دیکھ رہی ہوتی ہے کہ ہم اس پروگرام کو ایسا بنائیں کہ کھیلنے والا بچہ بس ایک دفعہ بیٹھ جائے تو اٹھنے کو اس کا دل ہی نہ کرے۔

جب بچہ وڈیو گیم کھیلتا ہے تو اس کی آنکھیں بھی مصروف ہوتی ہیں، دماغ بھی مصروف ہوتا ہے، کان بھی مصروف ہوتے ہیں اور اس کے دونوں ہاتھ بھی مصروف ہوتے ہیں۔ بلکہ اب تو Virtual reality کی ایسی گیمز آ چکی ہیں کہ ان میں پاؤں بھی حرکت کر رہے ہوتے ہیں۔ایک بچے کو ہم نے دیکھا کہ وہ کھیلنے بیٹھا تو نو

گھنٹے کھیلنے کے بعد بھی وہ کہتا تھا کہ مجھے اس سے نہ اٹھایا جائے بس میں کھیلتا ہی رہوں۔ کیا مصیبت ہے، کیا دلچسپی کردی گئی کہ بچہ رات کو نو گھنٹے بیٹھا رہا اور اس کے اعضاء تھکے ہی نہیں تھے۔ ابھی بھی وہ چاہتا تھا کہ امی مجھے سکول نہ بھیجے اور میں اسی پر بیٹھا کھیلتا رہوں۔ اس کے دماغ کو اس طرح کنٹرول کرلیا گیا۔ اتنی دلچسپی پیدا کردی گئی کہ نہ اس کو کھانے کی پروا، نہ اس کو پینے کی پروا، نہ اس کو پڑھنے کی پروا اور نہ ہی اسے کسی اور کام کی پروا رہی۔

سوچنے کا مقام

اب سوچنے کا مقام یہ ہے کہ بیٹے ہمارے ہیں اور ہم ان کو پالتے ہیں مگر ان کی میوزک سن کر وہ دماغی طور پر ان کے بن جاتے ہیں۔ اس ایک بات کو ذہن میں رکھنا کہ جو نوجوان گانوں کا شوقین ہو وہ قدرتی طور پر فرنگی تہذیب کا دلدادہ بن جاتا ہے۔ آپ اس کا تجربہ کرلیں۔ وہ نوجوان تو کہتا ہے کہ جی میں تو بس ذرا سا سنتا ہوں۔ جی ہاں! وہ جو ٹوں ٹوں کی شکل میں گانے سن رہا ہے، ان گانوں کی وجہ سے وہ اسلام سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے اور فرنگی تہذیب سے محبت کرنے لگ جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کو کتنے لوگ ایسے ملیں گے کہ آپ ذرا ان کے سامنے فرنگی تہذیب کے خلاف بات تو کرکے دیکھیں، وہ تڑپیں گے کہ بات ہی کیوں کی۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان کو دینداری سے قدرتی طور پر نفرت ہو جاتی ہے۔ ان کو دینی وضع قطع اچھی نہیں لگتی، دیندار اچھے نہیں لگتے۔ جی، تمہیں کوئی تکلیف ہے تو بتاؤ۔ جی، تکلیف بھی کوئی نہیں۔ تو پھر نفرت کیوں ہے؟ کہتے ہین کہ سمجھ نہیں آتی۔ دراصل اس میوزک کے ذریعے ان کے دماغ میں دین اور دینداری کی نفرت ڈال دی جاتی ہے۔

آج ہم نے اپنے گھروں میں ٹی۔وی اور ریڈیو لاکر رکھ دیئے ہیں اور ہماری عورتیں اور بچے گھروں کے اندر میوزک سن رہے ہوتے ہیں اور ہمیں پتہ تک نہیں

ہوتا کہ اس میوزک کے ذریعے ہمارے بیوی بچے بے دین بن رہے ہوتے ہیں۔
...... سنئے اور دل کے کانوں سے سنئے ...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ موسیقی کے سننے سے دل میں زنا کا خیال اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح بارش کے برسنے سے زمین میں کھیتی پیدا ہو جاتی ہے۔ خاوند تو دفتر میں چلا جاتا ہے اور بیوی ٹی وی آن کر دیتی ہے۔ اب وہ بیچاری سارا دن اس کے اوپر ٹوں ٹوں سن رہی ہوتی ہے۔ آپ خود سوچیں کہ اس کی سوچ کتنی پاک بن چکی ہوگی۔ آج تو بیٹوں اور بیٹیوں کے کمروں میں الگ الگ ٹی۔ وی رکھوائے ہوئے ہوتے ہیں۔

یہاں فرق دیکھئے کہ جو خیر کی بات کر کے ان کو دین کی طرف بلانا چاہتے ہیں وہ تو زیادہ سے زیادہ یہ کرتے ہیں کہ وہ مسجد سے نکل کر گشت کرتے ہوئے آ کر ان کا دروازہ کھٹکھٹا رہے ہیں۔ اب ان کی مرضی کہ کھولیں یا نہ کھولیں، بات سنیں یا نہ سنیں۔ وہ بات بھی کریں گے تو صرف مردوں سے کریں گے، عورتوں سے تو کریں گے ہی نہیں۔ تو خیر کا کام کرنے والوں کے لئے تو ایک Limitation (حد) مقرر ہے مگر کفر کو دیکھئے کہ سکرین آن کرتے ہیں اور اس کو بیڈ روم تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے اور بیڈ روم میں بیٹھی جوان لڑکی سکرین پر ان کا پیغام سن رہی ہوتی ہے۔ تو برائی کا پیغام پہنچانے والوں کو بیڈ روم تک رسائی حاصل ہے اور خیر کا کام کرنے والوں کے لئے باہر کے دروازے بھی بند ہیں۔ ہم کہتے تو ہیں کہ بھئی برائی پھیل رہی ہے لیکن بھئی برائی پھیلنے کے یہ ظاہری اسباب بھی تو ہیں نا۔

اگر آج کسی گھر میں کوئی نوجوان کہہ دے کہ امی! مجھے گھر میں ٹی وی نہیں چاہیے تو ایک طوفان اور ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے۔ ایسی جنگ شروع ہو جاتی ہے کہ نہ پوچھو۔ یہ ٹی وی ایمان کے لئے ٹی بی ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ ہم نے گھر میں شیطان کی ایک بریگیڈ فوج بلا کر بٹھائی ہوئی ہے۔ تو پھر کیا گلا کہ بچے پڑھتے نہیں، توجہ نہیں

دیتے، ماں باپ کے فرمانبردار نہیں بنتے، نماز نہیں پڑھتے۔ پھر شکوے کرتے ہیں کہ جی بچہ ہر وقت سویا رہتا ہے۔ جی ہاں، جو ساری رات میوزک سنے گا وہ سارا دن سوئے گا نہیں تو اور کیا کرے گا۔

پہلے زمانے میں بھی میوزک حرام تھا مگر اس وقت اس کا نقصان یہ تھا کہ یہ کانوں کی لذت۔ اب کفر کی دنیا اس نتیجے پر پہنچ چکی ہے کہ ہم ان مسلمانوں کے ساتھ جو مرضی کر لیں، یہ وقتی طور پر ہم سے ناراض بھی ہو جائیں، ہمیں برا بھی کہیں، ہمیں ظالم بھی کہیں، لیکن ہم نے پھر بھی میوزک کے ذریعے ان کے دل میں اپنی محبت ڈال دینی ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اس میوزک سے اپنی جان چھڑائیں، اپنے گھروں کو پاک کریں اور اپنے معصوم بچوں کو اس مصیبت سے بچائیں۔ ورنہ یہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے اور بچیاں جب اس میوزک کو سنیں گی تو پتہ نہیں کہ ان کے دماغ کی کیا حالت ہو گی۔

اگر آپ کمپیوٹر سکرین پر اپنے بچوں کو پروگرام (گیمز) کھیلنے کی اجازت دیتے ہیں تو ان گیمز کی خود ایڈیٹنگ کیجیے۔ میوزک کے بغیر بھی تو گیمز ہو سکتی ہیں۔ آج کل تو یہ چیز گھروں کے لئے انتہائی ضروری ہو گئی ہے۔ اگر ایسا نہیں کریں گے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اولاد نہ تعلیم حاصل کر سکے گی، نہ آپ کی فرمانبردار بنے گی، نہ دیندار بنے گی بلکہ اس کو اپنی شہوتوں اور مستیوں سے ہی فرصت نہیں ملے گی۔

ہر دور کے چیلنجز مختلف ہوتے ہیں۔ آج کے اس دور میں کفر نے سائنسی ریسرچ کے ذریعے حملوں کے طریقے بدل لئے ہیں۔ لہٰذا ہمیں بھی اپنے ایمان کا دفاع اسی طرح سے کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں سمجھ عطا فرمائے تا کہ ہم اپنے اور اپنی اولاد کے ایمان کی حفاظت کر سکیں۔ (آمین)

واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین.

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ
الْمَلٰئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ
الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ (حم سجدہ: ۳۰)

قوت ارادی

بیان حضرت اقدس
مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی
دامت برکاتہم

اقتباس

مشائخ کثرت کے ساتھ ذکر کرنے کی اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اس سے بندے کے اندر قوتِ ارادی بڑھ جاتی ہے۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ اس لئے جتنے گرے ہوئے لوگ ہوتے ہیں ان کی اللہ والوں سے ملاقات ہوتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ انہیں اٹھنے کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں اور ان کی زندگیاں بدل جاتی ہیں۔ چند لمحوں کی صحبت ان کی زندگی کے رخ بدل کے رکھ دیتی ہے، یہ استقامت قوتِ ارادی سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر دیکھنا ہو کہ ایمان والوں کے اندر استقامت اور قوتِ ارادی کتنی ہوتی تھی تو صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کو دیکھ لیجئے۔ ایک ایک صحابیؓ آپ کو عزم و استقامت کا پیکر نظر آئے گا۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

قوت ارادی

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ○

(حٰمٓ السجدہ: ۳۰)

........وقال اللّٰه تعالىٰ فى مقام اٰخر..........

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا (هود: ۱۱۲)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ○ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

قوت ارادی ایک نعمت ہے

انسان اس دنیا میں اللہ رب العزت کا نائب، اس کا خلیفہ اور اس کی صفات کا مظہر اتم ہے۔ اللہ رب العزت نے انسان کو بہت ساری خوبیوں سے نوازا ہے۔ مثلاً عقل کا نور عطا کیا، بولنے کی طاقت دی، جانوروں پر فضیلت دی۔ اس کے علاوہ ایسی ایسی نعمتوں سے نوازا جو انسان اپنی محنت اور کوشش سے بھی حاصل نہیں کر سکتا

تھا۔ان نعمتوں میں سے ایک نعمت ''قوت ارادی'' بھی ہے۔ یہ قوت ارادی اللہ رب العزت کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔اس قوت ارادی کو بروئے کار لاکر انسان بعض اوقات ناممکن نظر آنے والے کاموں کو بھی ممکن کر دکھاتا ہے۔قوت ارادی کو Will Power یا Determination Power بھی کہتے ہیں۔ یہ ہر انسان میں ہوتی ہے۔اگر چہ یہ نعمت ایمان والوں میں زیادہ ہوتی ہے تاہم یہ کافروں میں بھی ہوتی ہے،اسی وجہ سے کفار بھی بعض اوقات بڑے عجیب وغریب کام کردکھاتے ہیں۔

دنیا کا سب سے بڑا ترجمان اوراس کی قوت ارادی

اٹلی کا ایک سائنسدان تھا۔اس نے عربی زبان سیکھی۔ چونکہ وہ میڈیکل کی لائن سے تعلق رکھتا تھا اس لئے اس نے لائبریریوں میں یونانی طب پر بہت سی کتابیں پڑھیں ۔ان میں سے اسے دو کتابیں بہت اچھی لگیں ۔اس نے ان کا ترجمہ عربی زبان سے اطالوی زبان میں کردیا۔وہ کتابیں اتنی مقبول ہوئیں کہ اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی عین اسی وقت اس کی طبیعت خراب ہوگئی۔وہ علاج کی غرض سے کسی ڈاکٹر کے پاس گیا۔ڈاکٹر نے اسے بتایا کہ تم کینسر کے مریض ہو، ہمارے پاس اس کی دوائی دستیاب نہیں ہے،لہٰذا یہ کینسر پھیل جائے گا اور تمہیں زیادہ سے زیادہ دو سال میں موت آجائے گی ۔اب کوئی اور ہوتا تو وہ سن کر پریشان ہو جاتا مگر اس کے اندر بڑی قوتِ ارادی تھی لہٰذا وہ کہنے لگا کہ پھر تو میرے پاس وقت کم ہے اور مجھے بہت سا کام کرنا ہے۔ چنانچہ وہ لائبریریوں میں گیا اور اس نے طبِ یونانی پر جتنی اور کتابیں تھیں وہ سب اچھی طرح دیکھیں اور ان میں سے اسے اسی کتابیں بڑی اچھی لگیں ۔اس نے وہ کتابیں لے لیں اور واپس چلا گیا۔واپس جا کر اس نے کچھ لوگوں کو اپنا معاون بنالیا اور کہا کہ کتابوں کی ٹرانسلیشن میں جہاں اصطلاحات ہوں

گی ،ان کا ترجمہ میں کروں گا اور جو روٹین کی عبارت ہو گی تم اس میں میری مدد کرنا۔اس طرح اس بندے نے دو سالوں میں اسی کتابوں کا ترجمہ عربی سے اطالوی زبان میں کر دیا۔اس وقت گینز بک آف ریکارڈ میں اس کا نام ''دنیا کا سب سے بڑا ترجمان'' کے طور پر لکھا ہوا ہے...... دیکھیں کہ وہ کینسر کا مریض تھا اور اس نے ایسا کام کر دکھایا جو ہم لوگ صحت کے عالم میں بھی نہیں کر سکتے ...... یہ کیا چیز تھی؟ یہ قوتِ ارادی تھی۔

ایک نوبل پرائز ونر کی قوتِ ارادی

ایک مرتبہ ایک نوبل پرائز ونر سے ہمیں گفتگو کرنے کا موقع ملا۔لوگوں نے اس سے پوچھا،آپ نوبل پرائز ونر کیسے بنے؟ اس نے کہا، میں بہت زیادہ محنتی ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ سائنس پڑھنے والا ہر طالب علم محنتی ہوتا ہے اور صبح و شام کتاب لے کر بیٹھا ہوتا ہے،اس نے کہا،نہیں میں زیادہ محنتی ہوں،انہوں نے کہا، پھر بھی آپ بتائیں تو سہی کہ آپ کیسے دوسروں سے زیادہ محنتی ہیں؟ وہ کہنے لگا،آپ اس بات سے اندازہ لگائیں کہ میں نے کیمسٹری کی ایک کتاب پڑھی تو مجھے سمجھ میں نہ آئی، میں نے اسے دوسری مرتبہ پڑھا، پھر تیسری مرتبہ پڑھا، پھر چوتھی مرتبہ پڑھا،حتیٰ کہ میں نے اس کتاب کو شروع سے لے کر آخر تک تریسٹھ مرتبہ پڑھا اور وہ کتاب مجھے زبانی یاد ہو گئی۔

آج طلباء میں سے شاید ہی کوئی کہہ سکے کہ وہ اپنا پورا کورس سال میں دو مرتبہ پڑھ لیتا ہے۔اگر وہ ایک دفعہ پڑھ لے تو اساتذہ پر احسان سمجھتا ہے اور اگر دوسری مرتبہ پڑھ لے تو ماں باپ پر احسان گردانتا ہے۔اس سے زیادہ کوئی نہیں پڑھ پاتا۔ جبکہ اس نے اس کتاب کو تریسٹھ مرتبہ پڑھا۔جب اس نے یہ بات کہی تو سننے والوں نے کہا کہ واقعی آپ جیسا محنتی بندہ نوبل پرائز جیتنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

نیوٹن کی قوتِ ارادی

جب نیوٹن نے Laws of motion (حرکت کے قوانین) بنائے تو اسے بہت کام کرنا پڑا کیونکہ اس میں Mathematical Equations (ریاضیاتی مساواتیں) بہت زیادہ ہوتی ہیں۔اس کے پورے کمرے میں کاغذ پھیل گئے۔جب اس کا مسودہ تیار ہو گیا تو وہ بہت خوش ہوا کہ میری محنت کام آ گئی۔اتنے میں اسے بیت الخلاء میں جانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ابھی وہ واش روم میں ہی تھا کہ اس کا کتا اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔وہ ادھر ادھر پھرنے لگا۔ایک جگہ کاغذوں کے ڈھیر سے اس کا پاؤں پھسلا تو چراغ نیچے گر گیا۔جس کی وجہ سے کمرے میں پڑے سب کاغذات جل گئے۔جب وہ واپس آیا تو اس نے آگ لگی ہوئی دیکھی۔اس نے آگ بجھائی تو اس کا سارا مسودہ راکھ کا ڈھیر بن چکا تھا۔اس کے کتے کا نام ''ٹونی'' تھا۔اس نے اسے صرف اتنی بات کہی،ٹونی! تم نے میرا کام بڑھا دیا ہے۔یہ کہہ کر اس نے پھر محنت کرنی شروع کر دی۔چونکہ اس کے ذہن میں کچھ نہ کچھ یادداشت ابھی باقی تھی اس لئے اس نے ایک سال پھر اور محنت کر کے حرکت کے قوانین کو دوبارہ لکھ لیا۔اس طرح ایک آدمی قوتِ ارادی کے ذریعے منفی کو مثبت اور اپنی شکست کو اپنی فتح میں تبدیل کر لیا کرتا ہے۔

آئن سٹائن کی قوتِ ارادی

آئن سٹائن آج کی سائنس کی دنیا میں اس طرح معزز ہے جیسا کہ دین کی دنیا میں انبیائے کرام معزز ہوتے ہیں۔اس کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ جب وہ بچپن میں سکول جاتا اور بس کنڈیکٹر اسے پیسے کا لین دین کرتا تو وہ اس سے روزانہ جھگڑا کرتا کہ تم نے مجھے پیسے پورے واپس نہیں کیے لیکن جب وہ دوبارہ گنتی کرتا تو وہ

ٹھیک ہوتے ۔ جب چند مرتبہ ایسا ہوا تو بس کے کنڈ یکٹر نے کہا، تو کیا سکول پڑھنے جاتا ہے کہ تجھے حساب اور گنتی بھی نہیں آتی ۔ یہ بات اس کے دل میں اتر گئی اور اس نے عہد کر لیا کہ میں حساب میں محنت کروں گا ۔ چنانچہ اس نے اتنی محنت کی کہ اس نے Theory of Relativity کا نظریہ پیش کیا جو آج کی دنیا میں سب سے بڑا سائنسی نظریہ سمجھا جاتا ہے۔

کفار کی یہ چند مثالیں اس لئے پہلے دے دیں کہ آپ کو پتہ ہو کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دی ہے لیکن یاد رکھیں کہ جو آدمی مومن بن جاتا ہے اس کا یقین اللہ رب العزت کی ذات پر ہوتا ہے اور اس کی قوت ارادی دوسروں کی نسبت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

سچ سے قوتِ ارادی بڑھ جاتی ہے

الحمد للہ، ہم نے اللہ رب العزت کے فضل و احسان سے کلمہ پڑھا اور ہم مسلمان ہیں ۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور ہمیشہ سچ کی زندگی گزارنے کی کوشش کرنی چاہیے ۔ جب انسان کے دل میں سچ ہوتا تو وہ اپنے کاموں میں پہاڑوں کی طرح استقامت رکھتا ہے ۔ یاد رکھیں کہ سچائی انسان کی قوتِ ارادی بڑھا کر اس کو بے خوف کر دیتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک پرندہ "ہدہد" تھا ۔ وہ لشکر کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور جہاں پڑاؤ ڈالتے تھے وہاں وہ اپنی چونچ سے زمین کھود کر بتاتا کہ پانی قریب ہے یا نہیں ۔ اسی حساب سے پڑاؤ کی جگہ کا انتخاب کیا جاتا تھا ۔ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالنا چاہا تو ہدہد غائب تھا ۔ آپ نے فرمایا، کیا ہوا کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا، یا وہ غائب ہے ۔ پتہ چلا کہ وہ کہیں گیا ہوا ہے ۔ فرمایا، اچھا اگر وہ کہیں چلا گیا ہے تو اس کو کوئی معقول وجہ بیان

کرنی پڑے گی ورنہ میں اس کو سخت سزا دوں گا یا ذبح کر دوں گا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ہدہد بھی آ گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب اس سے پوچھا تو اس پرندے نے بڑے اعتماد سے جواب دیا کہ

اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ

[میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس سبا سے ایک پکی خبر لے کر] (النمل:۲۲)

اب یہاں دیکھیں کہ وہ ایک ایسی شخصیت کے سامنے جوابدہ تھا جو وقت کے پیغمبر علیہ السلام بھی تھے اور تخت و تاج کے مالک بھی تھے۔ بلکہ وہ ایسے جلیل القدر پیغمبر تھے جو انسانوں کے بھی بادشاہ، جنوں کے بھی بادشاہ، پرندوں کے بھی بادشاہ، چرندوں کے بھی بادشاہ، خشکی کی مخلوق کے بھی بادشاہ اور تری کی مخلوق کے بھی بادشاہ تھے۔ اتنی ہیبت و جلالتِ شان والے پیغمبر کے سامنے اس چھوٹے سے پرندے کی، جو ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا، کیا حیثیت تھی۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کہہ چکے تھے کہ میں ہدہد کو سخت سزا دوں گا یا ذبح کر دوں گا تو اسے تو یہ بات سنتے ہی کانپ جانا چاہیے تھا، اس کو تو غشی کا دورہ پڑ جانا چاہیے تھا کہ جن کے سامنے جنوں کو دم مارنے کی اجازت نہیں ان کے سامنے میری کیا حیثیت ہے۔ لیکن چونکہ اس کے دل میں سچ تھا اس لئے جب اس سے پوچھا گیا کہ تم کہاں تھے تو آگے سے اعتماد سے جواب دیا کہ میں آپ کے لئے قوم سبا کی ایک ایسی خبر لایا ہوں جو آپ کے پاس پہلے سے نہیں ہے...... انسان تو بالآخر انسان ہے۔ جب اس کے دل میں سچ ہوتا ہے تو پھر اس کے پاؤں کے نیچے چٹان ہوتی ہے اور اس کے پایۂ استقامت کے اندر کوئی لغزش نہیں آتی۔ اس لئے جہاں ہم اللہ رب العزت سے اور نعمتیں مانگتے ہیں وہاں قوتِ ارادی والی نعمت بھی مانگنی چاہیے۔

مضبوط قوتِ ارادی کی ضرورت

آج ہمارے نفس پر اپنا کنٹرول کیوں نہیں ہے۔ مسجد میں تو اللہ اکبر کہتے ہیں لیکن جیسے ہی باہر نکلتے ہیں تو نفس کی پوجا شروع ہو جاتی ہے اور آنکھ ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیتی ہے۔ ہمارے اندر استقامت نہیں ہوتی۔ گھڑی میں تولا اور گھڑی میں ماشہ ہوتے ہیں اور یونہی زندگی گزرتی رہتی ہے۔ جن کو ہم اللہ والے کہتے ہیں وہ بھی ہماری طرح مٹی کی بنے ہوئے انسان ہیں۔ ان کی بھی دو آنکھیں، دو ہاتھ، دو پاؤں اور ایک دماغ ہوتا ہے۔ ان کے دلوں کے اندر اتنا ٹھوس ایمان ہوتا ہے کہ جب وہ دل میں ایک ارادہ کر لیتے ہیں تو پھر وہ نبھا کر دکھا دیتے ہیں۔ یہاں آ کر ایک عام آدمی میں اور ایک اللہ والے میں فرق کا پتہ چلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو استقامت بہت پسند ہے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا،

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (حٰمٓ السجدہ: ۳۰)

[جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ اس پر ڈٹ گئے]

آج کا نوجوان استقامت میں کمی ہونے کی وجہ سے اپنے نفس کا غلام بنا پھرتا ہے۔ تنگ بھی ہے مگر نفس پر قابو بھی نہیں پا سکتا...... کیسے قابو ملے؟...... اس کے لئے مضبوط قوتِ ارادی کی ضرورت ہے۔ ہماری حالت ماچس کی تیلی کی مانند ہے۔ جس طرح اس کے اندر آگ بھری ہوتی ہے، بس رگڑ لگنے کی دیر ہوتی ہے کہ آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اسی طرح ہمارے نفس کے اندر بھی خباثت بھری ہوتی ہے، نامحرم پر نظر پڑتی ہے تو ایسی رگڑ لگتی ہے کہ نفس میں شہوت بیدار ہو جاتی ہے، ذرا سی مسکراہٹ ہمارا وضو توڑ دیتی ہے، حلال اور حرام کی تمیز نہیں رہتی۔ ہم اپنے نفس اور شیطان کے خلاف فاتح کیسے بن سکتے ہیں؟ اس کا راز قوتِ ارادی میں پوشیدہ ہے۔

لکڑی آگ کی غذا کیسے بنتی ہے؟

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ سفر میں جا رہے تھے۔ جب تھک گئے تو قیلولہ کی نیت سے ایک درخت کے نیچے سو گئے۔ جب آنکھ کھلی تو درخت میں سے آواز سنی:

یَا سِرِّیُ کُنْ مِثْلِیُ (اے سرّی! تو میرے جیسا ہو جا)

وہ بڑے حیران ہوئے۔ جب انہوں نے سنا کہ درخت میں سے اس طرح کی آواز آرہی ہے تو انہوں نے درخت سے مخاطب ہو کر کہا،

کَیْفَ اَکُوْنُ مِثْلُکَ (میں تیرے جیسا کس طرح بن سکتا ہوں)

درخت نے جواب دیا،

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَنِیْ بِالْاَحْجَارِ فَاَرْمُوْھُمْ بِالْاَثْمَارِ

[اے سرّی! لوگ میری طرف پتھر پھینکتے ہیں اور میں ان کی طرف اپنے پھل لوٹاتا ہوں (لہٰذا تو بھی مجھ جیسا ہو جا)]

اللہ تعالیٰ نے ان کو نورِ فراست عطا کیا ہوا تھا لہٰذا ان کے دل میں فوراً خیال آیا کہ اگر یہ درخت اتنا اچھا ہے کہ پتھر مارنے والے کو بھی اپنے پھل دیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو آگ کی غذا کیوں بنایا۔ لکڑی جلتی ہے اور آگ کی غذا بنتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے درخت سے پوچھا،

وَکَیْفَ مَصِیْرُکَ اِلَی النَّارِ

[اے درخت! اگر تو اتنا اچھا ہے تو یہ بتا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے آگ کی غذا کیوں بنا دیا؟]

جب انہوں نے یہ پوچھا تو ایسے لگا کہ جیسے اس درخت نے ٹھنڈی سانس لی اور جواب دیا کہ اے سرّی! میرے اندر خوبی بھی بہت اچھی ہے مگر میرے اندر ایک

ایسی خامی ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے اور اس خامی نے میری سب خوبیوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ پوچھا، وہ خامی کون سی ہے؟ درخت نے جواب دیا،

فَاَمْلَیْتُ بِالْھَوَاءِ ھٰکَذَا ھٰکَذَا

(اے سرّی! جدھر کی ہوا چلتی ہے میں ادھر کو ڈول جاتا ہوں)

میرے اندر استقامت نہیں ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کو اتنی ناپسند ہے کہ میری سب خوبیوں کے باوجود مجھے اللہ تعالیٰ نے آگ کی غذا بنا دیا۔

قوتِ ارادی بڑھانے کا راز

مشائخ کثرت کے ساتھ ذکر کرنے کی اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اس سے بندے کے اندر قوتِ ارادی بڑھ جاتی ہے۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ اس لئے جتنے گرے ہوئے لوگ ہوتے ہیں ان کی اللہ والوں سے ملاقات ہوتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ انہیں اٹھنے کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں اور ان کی زندگیاں بدل جاتی ہیں۔ چند لمحوں کی صحبت ان کی زندگی کے رخ بدل کے رکھ دیتی ہے۔ یہ استقامت قوتِ ارادی سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر دیکھنا ہو کہ ایمان والوں کے اندر استقامت اور قوتِ ارادی کتنی ہوتی تھی تو صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کو دیکھ لیجئے۔ ایک ایک صحابیؓ آپ کو عزم و استقامت کا پیکر نظر آئے گا۔

دو بچوں کی قوتِ ارادی

ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بدر کے میدان میں جائزہ لیا کہ میرے دائیں بائیں کون ہیں تو ایک طرف ایک نوجوان صحابیؓ تھے اور دوسری طرف دو چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ کتنا اچھا ہوتا کہ

دوسری طرف بھی کوئی نوجوان صحابیؓ ہوتے تاکہ ہم مل کر آگے بڑھتے اور دشمنوں پر خوب حملہ کرتے۔ اتنے میں وہ بچے میرے پاس آئے اور کہنے لگے، چچا جان! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ابوجہل کہاں ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی عمریں دیکھیں تو حیران ہوا کہ یہ ابوجہل کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا، بچو! کیا بات ہے، آپ اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ ہم نے سنا ہے کہ وہ ہمارے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے، اس نے ان کو مکہ مکرمہ میں بہت اذیتیں پہنچائیں، اگر وہ آج آیا ہوا ہے تو ہم ارادہ کر کے آئے ہیں کہ آج یا تو وہ خیریت سے واپس نہیں جائے گا یا ہم اپنے گھروں کو واپس نہیں جائیں گے...... میں ان کی بات سن کر حیران ہوا کہ ان بچوں کے چھوٹے چھوٹے قد اور عمریں ہیں اور ان کا ٹارگٹ اتنا سکائی ہائی ہے...... میں نے انہیں اشارہ کر کے بتایا کہ وہ جو تمہیں لوہے میں ڈوبے ہوئے فوجی نظر آرہے ہیں ان کے درمیان میں وہ اونچا سے ایک آدمی نظر آرہا ہے، وہ ابوجہل ہے۔ انہوں نے یہ سن کر اپنے ٹارگٹ کو اچھی طرح پہچان لیا۔

جب جہاد شروع ہوا تو نوجوان مجاہدین نے حملہ کیا۔ وہ بچے چھوٹے تھے اور انہوں نے بغیر سواری کے بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ اتنے چھوٹے تھے کہ کفار نے ان کا نوٹس ہی نہ لیا۔ وہ گھوڑوں کے درمیان سے اپنا راستہ بنا کر ان کی صفحوں میں سے گزرتے ہوئے ابوجہل کے گھوڑے کے قریب پہنچ گئے۔ ان کا قد اتنا چھوٹا تھا کہ وہ زمین پر کھڑے ہو کر گھوڑے پر بیٹھے ہوئے دشمن پر وار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ مورخین نے لکھا ہے کہ ان کے قد ان کی اپنی تلواروں سے بھی چھوٹے تھے۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے گھوڑے کی ٹانگ پر وار کیا۔ جب گھوڑا گرا تو ابوجہل بھی گرا۔ پھر اس پر وار کیا۔ وہ بچے اتنے کمزور تھے کہ وہ تلوار سے ابوجہل کا گلا بھی نہیں کاٹ سکتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جن کا علم سیدنا امام اعظمؒ کو پہنچا، نے

ابو جہل کا گلا کاٹا اور اس طرح وہ دشمنِ خدا فی النار ہوا...... جس قوم کے بچوں کی قوتِ ارادی کا یہ عالم ہو اس قوم کے نوجوانوں کی قوتِ ارادی کا کیا عالم ہوگا۔

ایک معذور صحابی رضی اللہ عنہ کی قوتِ ارادی

صحابہ کرامؓ میدانِ احد میں جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ جو پاؤں سے معذور تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا، اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے بھی آپ جہاد میں جانے کی اجازت دے دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، آپ کے چار بیٹے جہاد میں شریک ہو رہے ہیں اور آپ معذور بھی ہیں، لہٰذا اگر آپ گھر پر رہیں تو بہت اچھا ہوگا۔ انہوں نے اصرار کرتے ہوئے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں جاؤں۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اجازت دے دی۔ وہ خوشی خوشی گھر کو واپس لوٹے اور اپنی زوجہ سے کہا کہ تیاری کرو میں بھی جہاد میں جا رہا ہوں۔ بیوی جب تیاری کرنے لگی تو اس نے مذاق میں کہہ دیا کہ میں تو دیکھ رہی ہوں کہ آپ میدان جہاد سے بھاگ کر واپس لوٹ رہے ہیں۔

جب انہوں نے یہ بات کہی تو اس وقت ان صحابیؓ نے یہ دعا مانگی،

اَللّٰھُمَّ لَاتُعِدْنِیْ اِلیٰ اَھْلِیْ

[اے اللہ! تو مجھے میدان جہاد سے واپس اپنے اہل خانہ کی طرف نہ لوٹانا]

چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ وہ میدان جہاد میں تشریف لے گئے۔ لڑائی میں حصہ لیا، کفار کو قتل کرتے رہے، قتل کرتے رہے حتیٰ کہ وہ خود بھی شہید ہو گئے۔

جب مسلمانوں کے ورثا ان کی لاشوں کو لے کر مدینہ آنے لگے اور ان کی زوجہ ان کی لاش کو اونٹ پر رکھ کر واپس آنے لگی تو اونٹ واپس نہیں چلتا تھا۔ بارہا کوشش کے باوجود جب نبی علیہ السلام کی خدمت میں گزارش کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

پوچھا، کیا انہوں نے اپنے گھر سے نکلتے ہوئے کوئی بات کہی تھی؟ عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے محبوب ﷺ! انہوں نے یہ بات کہی تھی۔ فرمایا، اب اس کی لاش بھی مدینہ کی طرف نہیں جائے گی۔ چنانچہ انہیں سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا گیا ......اللہ اکبر!!!......جس قوم کے معذوروں کا یہ حال ہو اس قوم کے صحت مندوں کا کیا حال ہوگا۔

اسماء بنت ابی بکرؓ کی قوتِ ارادی

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بڑی بیٹی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن تھیں۔ ہجرت کے وقت ان کی عمر اتنی زیادہ نہیں تھی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا کہ تم چھوٹی ہو لہٰذا تم ہمیں فلاں جگہ پر کھانا پہنچا دینا، تم پر کوئی شک بھی نہیں کرے گا۔ انہوں نے پہلے دن کھانا پہنچا دیا۔ جب دوسرے دن کھانا لے کر پہنچیں تو نبی علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ اداس سی ہے اور پیشانی پر زخم کا نشان ہے۔ پوچھا، اسماء! کیا ہوا؟ عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! کل جب میں کھانا دے کر واپس جا رہی تھی تو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے ابو جہل نے مجھے دیکھ لیا، اس نے مجھے بالوں سے پکڑ لیا اور کہنے لگا، اسماء! بتاؤ تمہارے باپ کہاں ہیں؟ وہ وہیں ہوگا جہاں تمہارے پیغمبر ہوں گے، کیا تمہیں پتہ ہے؟ اے اللہ کے نبی! میں نے سچ کہہ دیا کہ ہاں مجھے پتہ ہے لیکن میں ہرگز نہیں بتاؤں گی۔ یہ سن کر اس نے مجھے گھسیٹنا شروع کر دیا، مجھے شدید تکلیف ہو رہی تھی لیکن میں نے اس کو بات نہ بتائی۔ اس نے کہا، اسماء! میں تجھے جان سے مار دوں گا۔ میں نے کہا، تم جو مرضی کرو، میں بھی نہیں بتاؤں گی۔ اتنے میں اس نے مجھے رخسار پر اچانک زوردار تھپڑ مارا، جس کی وجہ سے میں نیچے گر گئی، میرے ماتھے سے خون اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے پھر بالوں سے پکڑ کر کھڑا کیا اور کہا، بتاؤ وہ

کہاں ہیں؟ میں نے ابو جہل کو جواب دیا، اے مردود! میری جان تو تیرے حوالے مگر میں محمد عربی ﷺ کو تیرے حوالے نہیں کروں گی...... ارے! جس قوم کی بچیوں کی قوتِ ارادی کا یہ عالم ہو تو پھر اس قوم کے جوانوں کی قوتِ ارادی کا کیا عالم ہوگا۔

فاطمہؓ بنت خطاب کی قوتِ ارادی

سیدنا عمرؓ کیسے ایمان لے آئے؟...... بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تھپڑ مارا، وہ نیچے گریں اور پھر سنبھل کر کہنے لگیں، اے عمر! جس ماں کا دودھ تم نے پیا ہے اسی ماں کا دودھ میں نے پیا ہے، تم جان تو نکال سکتے ہو مگر میرے دل سے ایمان کو نہیں نکال سکتے۔ بہن کے یہ الفاظ حضرت عمرؓ کے دل پر بجلی بن کر گے اور وہ موم ہو گئے۔ چنانچہ کہنے لگے، اچھا بتاؤ، کیا پڑھ رہی تھیں؟ فرمانے لگیں، بھائی! تم ناپاک ہو، تمہیں اسے ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں، غسل کرنا پڑے گا۔

شکار کرنے کو آئے شکار ہو گئے۔

جس قوم کی عورتوں کی قوتِ ارادی کا یہ عالم ہو تو پھر اس قوم کے جوانوں کی قوتِ ارادی کا کیا عالم ہوگا۔

ایک فرنگی کا اعتراف

ایک فرنگی لکھتا ہے کہ مسلمانوں کے پیغمبر علیہ السلام نے عجیب محنت کی کہ

After the death of Muhammad(PBUH), the land of Arabia became the nursery of heroes.

(محمد ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد عرب کی زمین ہیروز کی نرسری بن گئی)

ہیرو کسی نمایاں بندے کو کہتے ہیں۔ یعنی عرب کی زمین نمایاں شخصیات کی نرسری بن گئی۔ جس طرح نرسری کا چھوٹا سا پودا بالآخر ایک بڑا درخت بن جاتا ہے اسی

طرح صحابہ کرامؓ میں سے ہر ایک صحابیؓ انق کے اوپر ایک ستارے کی مانند چمکنے لگا۔

یہ قوتِ ارادی ہی ان نمایاں شخصیات کے ایمان کی وجہ بنی۔ وہ من کے پکے اور دل کے سچے تھے۔ وہ جو بات کر دیتے تھے وہ کر گزرتے تھے۔ آج یہ استقامت ہمارے اندر نہیں ہے۔ اس کی کمی کی وجہ سے ہم گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں ورنہ ہم جس ماحول میں بھی ہیں ہم اسی ماحول میں رہتے ہوئے شریعت وسنت کے مطابق زندگی گزار سکتے ہیں۔ یہ بہانے کرنا فضول ہے کہ فحاشی عام ہے، بے پردگی عام ہے۔ اہل اللہ اسی گندے ماحول میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو شریعت وسنت کے مطابق رکھتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو ولایت کا نور عطا فرما دیتے ہیں۔ وہ بھی انہی گلی کوچوں بازاروں میں زندگی گزارتے ہیں ...... فرق کہاں ہے؟ ...... استقامت کا فرق ہے۔ اگر دل کے اندر عزم وارادہ ہو کہ میں نے پروردگار کی نافرمانی نہیں کرنی تو انسان اپنے نفس پر قابو پالیتا ہے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کی قوتِ ارادی

اگر عزم واستقامت کی ایک اور اعلیٰ مثال دیکھنا چاہیں تو سیدنا صدیق اکبرؓ کی مبارک زندگی کو دیکھ لیجئے ...... جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پردہ فرمایا تو جہاں اور بہت سارے مسائل نے جنم لیا وہاں مانعینِ زکوٰۃ کا مسئلہ بھی کھڑا ہو گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو مسلمان تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم زکوٰۃ تو دیں گے مگر رقم بیت المال میں جمع نہیں کروائیں گے بلکہ اپنی مرضی سے اپنے علاقوں میں جہاں مناسب سمجھیں گے وہاں خرچ کریں گے۔ اس لئے ان کو مانعینِ زکوٰۃ کہا گیا۔ اگرچہ وہ اپنے علاقے کے غرباء میں زکوٰۃ تقسیم کرنا چاہتے تھے مگر اس سے مرکزیت ٹوٹتی تھی اس لئے سیدنا صدیق اکبرؓ چاہتے تھے کہ وہ اپنی زکوٰۃ مرکزی بیت المال میں ہی جمع کروائیں۔ مسیلمہ کذاب نے بھی نبوت کا دعویٰ کر دیا، سجاح نامی عورت بھی نبوت

کی دعویدار بن بیٹھی اور عیسائیوں نے بھی مدینہ منورہ پر حملے کی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ گویا چاروں طرف سے خطرات موجود تھے۔

اس وقت باقی صحابہ کرامؓ کا یہ خیال تھا کہ ہمیں بیرونی فتنوں سے پہلے نمٹنا چاہیے اور یہ تو گھر کی بات ہے، یہ ہم بعد میں سنبھال لیں گے۔ مگر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا، نہیں، میں ان کے خلاف تلوار اٹھاؤں گا حتیٰ کہ یہ زکوۃ دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ جب سب صحابہ کرامؓ کا یہ خیال تھا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ آپ نمائندگی کرتے ہوئے کہہ دیجئے کہ اے امیر المؤمنین! یہ کلمہ پڑھنے والے ہیں، نماز پڑھنے والے ہیں، خدا اور اس کے رسول کو ماننے والے ہیں، لہٰذا ان کے معاملے میں ذرا نرمی کا برتاؤ کیجئے۔ پہلے بڑے فتنوں سے نمٹ لیں، بعد میں ان کے ساتھ معاملہ کر لیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آ کر یہی بات کر دی کہ آپ ذرا ان کے معاملے میں نرمی کا برتاؤ کیجئے۔ بس یہ بات سنی تھی کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو دونوں ہاتھوں سے یوں دھکیلا کہ وہ سرین کے بل نیچے جا گرے اور فرمانے لگے،

اَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِی الْاِسْلَامِ

(تو جاہلیت کے دور میں اتنا جابر تھا اسلام میں آ کر تو اتنا کمزور ہو گیا)

پھر فرمایا،

اَيُنْقَصُ وَاَنَا حَیٌّ (دین کے اندر کمی کر دی جائے اور میں زندہ رہوں)

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دین کے اندر کمی کر دی جائے اور ابوبکر زندہ رہے۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ بات سنی تو میرا شرح صدر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر مسلمانوں میں جوڑ پیدا فرما دیا۔

کسی نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا، نبی علیہ السلام نے اسامہؓ کا جو لشکر روانہ فرمایا تھا آپ اسے روک لیجئے۔ فرمایا، جس لشکر کو اللہ کے محبوب ﷺ روانہ کریں، ابوبکر کون ہوتا ہے اس کو روکنے والا۔ اس نے کہا کہ لوگ حملہ کر دیں گے اور

مدینہ میں فقط عورتیں رہ جائیں گی۔فرمانے لگے، اگر مجھے یقین ہو کہ جنگل کے درندے آ کر مدینہ کی عورتوں کی لاشوں کو گلیوں میں گھسیٹیں گے تو اس کے باوجود بھی ابوبکر ان لوگوں کے ساتھ جہاد کے لئے باہر ضرور نکلے گا......اللہ اکبر...... یہ ہوتی ہے استقامت۔اسی استقامت کو دیکھ کر مفسرین نے لکھا کہ **فَقَامَ مَقَامَ الْاَنْبِیَاءِ** یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسی استقامت دکھائی جیسے وقت کے پیغمبر استقامت دکھایا کرتے تھے۔

محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوتِ ارادی

اگر آپ اس سے بھی زیادہ استقامت دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی کو دیکھ لیجئے، آپ کو انسانیت کی معراج نظر آئے گی......مکی زندگی میں جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا ان کے نگران تھے اس وقت قریش مکہ ان کے چچا کے پاس آئے اور انہوں نے ان کو پریشر کے ساتھ متاثر کرنے کی کوشش کی۔جب چچا نے دیکھا کہ سارا مکہ ہی خلاف ہے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا کر کہا، یہ سردارانِ مکہ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں مال و دولت کی ضرورت ہے تو جتنا چاہتے ہو ہم تمہیں وہ مال دے دیتے ہیں......اگر کسی خوبصورت عورت سے شادی کرنی ہے تو نشاندہی کر دو ہم وہ عورت تمہارے نکاح میں دے دیتے ہیں......اور اگر تمہیں سردار بننے کا شوق ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار مان لیتے ہیں، مگر ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دو۔اس کے بعد انہوں نے فرمایا، اے بھتیجے! میرے اوپر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میں اٹھا نہ سکوں۔جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ چچا بھی اس معاملے میں تھکے تھکے نظر آرہے ہیں تو محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا،

''چچا جان! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے ہاتھ پر سورج بھی رکھ دیں تو جو پیغام لایا ہوں اس کو پہنچانے سے پیچھے نہیں ہٹوں گا''......اللہ اکبر!!!

استقامت کی تلقین

یہی استقامت صحابہ کرامؓ کو پہنچی اور صحابہ کرامؓ سے آگے تابعین کو پہنچی ۔لہٰذا اولیائے کرام کے اندر یہ خاص صفت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ ہر وقت اپنے آپ کو شریعت و سنت کے اوپر لاکھڑا کرتے ہیں اور یہی بات پروردگار فرماتے ہیں ، ارشاد فرمایا،

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا (هود: ۱۱۲)

یعنی اے محبوب! آپ اور جنہوں نے آپ کے ساتھ توبہ کی سب کے سب اس بات پر جس کا حکم دیا گیا، بالکل سیدھے رہیے۔اگر ہم پنجابی میں فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ کا مفہوم سمجھانا چاہیں تو یہ بنے گا کہ اے محبوب! آپ اور آپ کے صحابہ شریعت پر چلنے کے معاملے میں تکلے کی طرح سیدھے رہیے ۔اللہ تعالیٰ کو ایسی استقامت چاہیے۔اور یہ استقامت انسان کے اندر ذکر اللہ کی کثرت سے پیدا ہوتی ہے ۔یہی وجہ ہے کہ مشائخ اپنے پاس آنے والے ہر بندے کو یہ جنرل ٹانک پہلے ہی بتا دیتے ہیں ۔ پروردگار نے مجاہدین کا تذکرہ قرآن مجید میں فرمایا تو انہیں بھی ذکر کا حکم فرمایا۔سوچئے کہ جولوگ جان کی بازی لگا رہے ہیں، سر قلم ہو رہے ہیں اور عین اس وقت جب جان جانے کا خوف ہے پروردگار اس وقت بھی کثرتِ ذکر کا حکم فرما رہے ہیں...... سنئے اور دل کے کانوں سے سنئے...... ارشاد فرمایا،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ .

[اے ایمان والو! جب لڑو کسی فوج سے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم مراد پاؤ۔]

یعنی جب تمہارا آمنا سامنا کافروں کی جماعت سے ہو تو ڈٹ جاؤ اور اللہ کا ذکر

کثرت کے ساتھ کرتے رہنا، کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ ذکر اللہ کی کثرت سے ایک طرف بندے کو استقامت ملتی ہے اور دوسری طرف بندے پر اللہ رب العزت کی رحمت چھم چھم برستی ہے۔ آج ہمیں بھی نفس اور شیطان کے خلاف اس استقامت کی ضرورت ہے۔ ہم بڑے ارادے باندھتے ہیں کہ اب یہ نہیں کریں گے اب وہ نہیں کریں گے لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر وہی کر رہے ہوتے ہیں۔ کوشش یہ کرنی چاہیے کہ ہماری یہ ڈِھل مِل یقین والی حالت درست ہو جائے اور ہمارے اندر عزم واستقامت آجائے۔

ہم اللہ رب العزت سے جہاں اور بہت ساری دعائیں مانگتے ہیں وہاں ہم یہ دعا بھی مانگا کریں کہ رب کریم! ہمیں شریعت وسنت پر چلنے میں استقامت نصیب فرما دیجئے اور وہ قوتِ ارادی دے دیجئے کہ جب ہم دل میں ایک عزم کرلیں تو پھر ہم اس کے اوپر جم جائیں۔ یاد رکھیں کہ جب پانی بہہ رہا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ صرف وہی چیزیں بہتی ہیں جو وزن میں ہلکی ہوتی ہیں۔ تنکے، پتے اور کاغذ کی چیزیں پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہیں۔ اور کچھ چٹانیں ہوتی ہیں جو پانی کے ساتھ نہیں بہتیں بلکہ جب پانی گزرتا ہے تو وہ پانی کے رخ کو موڑ دیا کرتی ہیں۔ اگر آج ہر طرف گناہوں کا سیلاب ہے تو ہم نہ تو تنکا بنیں اور نہ ہی تختہ بنیں کہ ساتھ بہتے رہیں، بلکہ ہمیں چٹان بننے کی ضرورت ہے تاکہ بے راہ روی کے رخ کو موڑ دیا جائے۔

؎ یاد کرتا ہے زمانہ ان انسانوں کو
روک دیتے ہیں جو بڑھتے ہوئے طوفانوں کو

اللہ رب العزت ہمیں بھی یہ توفیق عطا فرما دے کہ ہم عریانی اور فحاشی کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کے خلاف چٹان بن کر حیا اور پاکدامنی کی زندگی گزاریں اور شریعت وسنت پر استقامت کے ساتھ عمل کر کے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں میں شامل ہو جائیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ مَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ o (البقرة: ٢٦)

ہدایت اور گمراہی والی تجلیات

حضرت اقدس دامت برکاتہم کا یہ بیان 17 جنوری 2004ء

بروز ہفتہ بعد نماز فجر جامعہ الفقیر الاسلامی جھنگ میں ہوا۔

اقتباس

جب مہمانِ خصوصی آتا ہے تو اس وقت تقریب اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دور بھی خیر کے نقطۂ نظر عروج کا دور تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ

[تمام زمانوں میں سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر جو اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے، پھر جو اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔]

گویا جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا میں جلوہ افروز ہوئے اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر اور ہدایت والی تجلیات عروج پر تھیں۔ حتیٰ کہ اس زمانے کے کافروں میں بھی کچھ خوبیاں پائی جاتی تھیں۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

ہدایت اور گمراہی والی تجلیات

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا وَّ مَا یُضِلُّ بِہٖ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ o

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

دنیا کے مہمانِ خصوصی

جب کوئی آدمی کسی تقریب کا انتظام کرتا ہے تو اس تقریب کا کوئی نہ کوئی مہمانِ خصوصی ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ تقریب منعقد کی جاتی ہے۔ اگر شادی کی تقریب ہے تو دولہا اور اگر دستار بندی کی تقریب ہو تو حافظ یا عالم مہمانِ خصوصی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب دنیا کے نقشے کو سجایا تو اس کے مہمانِ خصوصی جناب رسول اللہ ﷺ کو بنایا۔ عام دستور یہ ہے کہ تقریب میں لوگ پہلے آ جاتے ہیں اور مہمانِ خصوصی بعد میں آتا ہے۔ چنانچہ اللہ کے محبوب ﷺ بھی دنیا میں سب انبیائے کے آخر میں تشریف لائے۔

تجلیاتِ ہدایت کا عروج

جب مہمانِ خصوصی آتا ہے تو اس وقت تقریب اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دور بھی خیر کے نقطۂ نظر عروج کا دور تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ

[تمام زمانوں میں سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر جو اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے، پھر جو اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔]

گویا جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا میں جلوہ افروز ہوئے اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر اور ہدایت والی تجلیات عروج پر تھیں۔ حتیٰ کہ اس زمانے کے کافروں میں بھی کچھ خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ یہ بات دلائل سے ثابت کی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر:

(۱)...... جب ہرقل نے ابوسفیان کو قریشِ مکہ کے نمائندے کے طور پر اپنے دربار میں بلایا اور کہا کہ ہمیں مسلمانوں کے بارے میں بتاؤ تو انہوں نے مسلمانوں کے بارے میں معلومات دیں۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ہرقل نے جو باتیں پوچھیں انہوں نے سچ سچ بتا دیں۔ بعد میں ان سے لوگوں نے کہا کہ تم نے بات اور طرح سے کیوں نہ کر دی کیونکہ مخالف کے بارے میں تو ہمیشہ الٹی رپورٹ دی جاتی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ میرے ذہن میں بھی یہ خیال آیا تو تھا مگر پھر میں نے کہا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ قریشِ مکہ کا سردار جھوٹ بولتا تھا۔ گویا اس زمانے کے کافر بھی جھوٹ بولنے سے گھبراتے تھے۔ اس وقت خیر اتنی عام تھی۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن سب کچھ ہو سکتا ہے مگر جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اور آج جھوٹ وہ مصیبت ہے کہ اس کے سوا اور پتہ نظر ہی نہیں آتا

......الا ماشاء اللہ...... آپ کو سچ والا کوئی قسمت سے ہی ملے گا۔ کوئی کم جھوٹ بولتا ہے اور کوئی زیادہ۔ اگر آپ کاروبارِ زندگی دیکھیں تو آپ کو اکثر و بیشتر جھوٹ پر بنیاد نظر آئے گی۔ لگتا ہے کہ سچ کا زمانہ گیا اور جھوٹ کا زمانہ آ گیا ہے...... کیوں؟...... اس لئے کہ نبی علیہ السلام کے زمانے میں خیر عروج پر تھی۔ اس خیر سے مسلمانوں کو تو حصہ ملا ہی تھا کافروں کو بھی مل گیا۔

(۲)......دوسری دلیل یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے وقت جب سہیل کافروں کی طرف سے آئے اور انہوں نے آ کر مطالبہ کیا کہ نبی علیہ السلام کے نام کی جگہ پر جو محمد رسول اللہ لکھا ہے اس کی بجائے محمد بن عبداللہ لکھا جائے تو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو بڑا غصہ آیا اور انہوں نے غصہ میں اسے کوئی سخت بات کہہ دی۔ جب سخت بات کر دی تو سہیل کہنے لگا، دیکھو! مجھے تمہارا ایک احسان یاد ہے، اگر تم نے مجھ پر وہ احسان نہ کیا ہوتا تو میں ابھی تمہیں جواب دیتا۔ معلوم ہوا کہ اس وقت کا کافر بھی احسان کا بدلہ چکا رہا تھا۔ اور آج یہ حالت ہے کہ اگر کوئی کسی پر ساری عمر احسان کرے تو ایک ہی لمحہ میں خون یوں سفید ہو جاتا ہے کہ جیسے ان کے سوا ان کا کوئی بڑا دشمن ہے ہی نہیں۔ گویا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ انسان صرف خدا فراموش ہی نہیں بنا بلکہ احسان فراموش بھی بن گیا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بہتر یہ ہوگا کہ یہ کہا جائے کہ آج کا انسان خدا فراموش بھی بنا، خود فراموش بھی بنا اور احسان فراموش بھی بنا۔ بتانے کا مقصد یہ تھا کہ اس زمانے کے کافر بھی کچھ نہ کچھ شرفاء کی باتیں کیا کرتے تھے۔ موجودہ دور میں تو بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ ایسا حشر کرتا ہے جیسے کسی دشمن سے کیا جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کی ایک وجہ ہے...... یہ نکتہ بھی آج آپ کو سمجھا دوں، ذرا توجہ سے سمجھنے کی کوشش کیجئے گا...... اللہ تعالیٰ نے دو نام ہیں۔

(۱) ھادی...... ہدایت دینے والا

(۲) مضلّ...... گمراہ کرنے والا

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں اللہ تعالیٰ کے نام ''ہادی'' کی تجلیات ہر طرف عروج پر تھیں، جس کی وجہ سے شر ختم ہو گیا تھا۔ اسی لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عَدُوْلُ

[صحابہ سب کے سب عادل ہیں]

گویا آپ ﷺ یہ فرمانا چاہتے تھے کہ جنہوں نے میری شاگردی اختیار کی وہ سب کے سب عدل پر زندگی گزارنے والے ہیں۔ دنیا میں ایسی کوئی جماعت کسی نے دیکھی بھی نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت گمراہ ہونے والوں میں بھی کچھ نہ کچھ خیر ہوتی تھی۔

......وہ وعدہ کو وفا کرتے تھے۔

......احسان کا بدلہ چکاتے تھے۔

......سچ بولتے تھے۔

......مہمان نوازی کیا کرتے تھے۔

پھر ایک وہ وقت بھی آیا جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ گویا وہ مہمانِ خصوصی جس کے لئے یہ تقریب سجائی گئی تھی، وہ آکر رونق افروز ہوئے اور وہ اب دعوت کھا کر چلے گئے۔ جب مہمانِ خصوصی چلا جاتا ہے تو پھر بعد میں محفل کو برخاست کر دیا جاتا ہے اور محفل برخاست کرنے کے بعد باقی کیا چیز رہ جاتی ہے؟ لوگ بھی اٹھ کر چلے جاتے ہیں اور کرسیاں بھی سمیٹ دی جاتی ہیں۔ گویا مہمانِ خصوصی کے جانے اور محفل کے برخاست ہونے میں کوئی فاصلہ نہیں ہوتا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ میں اور قیامت دو انگلیوں

کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ محبوب ﷺ کا دنیا سے تشریف لے جانا بھی قیامت کی ایک نشانی ہے۔ لیکن اس نشانی کو بھی پورے ہوئے چودہ سو سال گزر گئے۔ قیامت آتے آتے اتنا عرصہ گزر گیا، اب بھی پتہ نہیں کہ کب قیامت آئے گی لیکن صورت حال یہ ہے کہ اب آہستہ آہستہ قیامت آنے کا منظر سجے گا۔

تکوینی انداز کی بازگشت

دورِ صحابہ میں اس دنیا کے عجیب احوال تھے۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ وہ حالات نہ رہے۔ مگر بعد میں مسلمانوں نے سات سو سال تک دنیا میں راج کیا اور ہر طرف اسلام کا ڈنکا بجا۔ آج لوگ کہتے ہیں کہ اسلام دنیا کے اندر کیوں نہیں پھیل رہا۔ اللہ کی شان دیکھو کہ اسلام نے سات سو سال تک دنیا میں راج کیا، اب اس کے بعد تو کام آہستہ آہستہ نیچے ہی آنا ہے۔ یہ قدرت کی طرف سے ہے۔ اس کو ''تکوین'' کہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں جو پورے ہو کر رہنے ہیں۔ لہٰذا اس وقت کوئی جماعت جتنی بھی محنت کر لے،

......چاہے وہ تبلیغی جماعت ہو

......چاہے وہ مشائخ کی جماعت ہو

......چاہے وہ علماء کی جماعت ہو

......چاہے وہ سیاسی جماعت ہو

کوئی جتنا مرضی زور لگا لے مگر دین کے نقشے اوپر اٹھتے نظر نہیں آتے بلکہ نیچے جاتے نظر آتے ہیں۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ محنت کرنے والوں کو اجر مل جائے گا۔ تکوینی انداز بتا رہا ہے کہ اب آہستہ آہستہ یہ حالات نیچے ہی آئیں گے۔ کیونکہ اگر مسلمان خیر کے لئے تھوڑی سی کوشش کرتے ہیں تو کافر شر کے لئے اس سے بڑھ کر

کوشش کرتے ہیں۔اس طرح شر بڑھتا چلا جارہا ہے۔

پردے کی اتنی پابندی......!!!

جب اسلام عروج پر تھا تو اس وقت پردے کی اتنی پابندی تھی کہ عورتیں دن کے وقت گھروں سے نکلتی ہی نہیں تھیں۔اگر نکلنا بھی پڑتا تو رات کو نکلتی تھیں اور اگر فوت بھی ہو جاتی تھیں تو وصیت کر کے جاتی تھیں کہ ہمارا جنازہ رات کو لے جایا جائے تا کہ دیکھنے والوں کو کفن سے ہمارے قد اور موٹاپے کا بھی اندازہ نہ ہو۔

ایک بھولا بھالا نوجوان

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۰ھ میں فتویٰ نویسی کا کام شروع کر دیا تھا۔وہ ایسا زمانہ تھا جب پردے کی بہت زیادہ پابندی ہوتی تھی۔اس دور میں ایک نوجوان امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا،حضرت! مجھے بتائیں کہ مرد اور عورت کے جسم میں کیا فرق ہوتا ہے......اللہ اکبر......اس کو پتہ ہی نہیں تھا کہ مرد اور عورت کے جسم کے اعضاء میں فرق کیا ہوتا ہے۔آپ خود اندازہ کریں کہ اس وقت کتنا پردہ ہوتا ہوگا کہ جہاں ایک لڑکا پیدا ہو کر جوان ہو جاتا ہے اور اس کو کسی لڑکی کا جسم دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔اور آج ایسا شر اور بے پردگی کا وقت آ گیا ہے کہ بچے بچپن میں ہی وہ باتیں سیکھ جاتے ہیں جب کہ پہلے وقت میں جوان جوانی میں بھی نہیں سیکھا کرتے تھے۔

قابلِ لاحول یورپی ماحول

اگر یورپ وغیرہ کے ماحول کو دیکھیں تو الامان والحفیظ۔

ایک وقت تھا کہ

......عورت گھر سے باہر نکلی،

......پھر اس کا چہرہ پردے میں سے نکلا،

......پھر اس کا سر ننگا ہوا،

......پھر اسکرٹ پہننے کی وجہ سے اس کی پنڈلیاں ننگی ہوئیں،

......پھر یہ کپڑا سمٹتے سمٹتے اب تو یورپ کے ماحول میں چند انچ کا لباس رہ گیا ہے۔ حتیٰ کہ جن اعضاء کو اعضائے غلیظہ کہتے ہیں آج تو وہ بھی ننگے ہو رہے ہیں۔ ان کی چھاتیوں کے ابھار صاف نظر آ رہے ہوتے ہیں۔ ان کے سینے پر ایک یا دو انچ سے زیادہ کپڑا نہیں ہوتا۔

اب بتائیں کہ وہاں فحاشی، عریانی اور بے حیائی کا کیا حال ہوگا۔ وہاں سے حیا اس قدر رخصت ہوگئی ہے کہ ہمیں بتایا گیا کہ ایک جگہ پر دو میاں بیوی (مرد اور عورت) اپنے چار بچوں کے سامنے آپس میں گلے بھی مل رہے تھے اور ایک دوسرے کو چوم چاٹ بھی رہے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیٹی بھی کھڑی تھی اور ان کا بیٹا بھی کھڑا تھا۔ بچے چھوٹے بھی نہیں تھے۔ ایک بیٹا بھی جوان تھا اور ایک بیٹی بھی جوان تھی۔ باقی دو بچے چھوٹے تھے۔ ان کے ماں باپ وہیں ان کے سامنے ایک دوسرے کے ساتھ یہ معاملہ کر رہے تھے۔

ضلالت والی تجلیاتِ کا عروج

اب چونکہ قیامت آنی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی ہدایت والی تجلیات ذرا کم ہو گئی ہیں۔ اب اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ مضل عروج پر جائے گی۔ یہ اتنے عروج پر جائے گی کہ جھوٹ پھیل جائے گا۔ حدیث پاک میں آیا ہے،

''پھر کذب پھیل جائے گا''

اس طرح ایک حدیث پاک میں یہ بھی آیا ہے کہ

’’ایک وقت آئے گا کہ ہر آدمی سود کھائے گا اور اگر نہیں تو اسے سود کی ہوا تو ضرور لگے گی۔‘‘

ان میں سے ہم بھی ہیں۔ ہمیں بھی سود کی ہوا لگتی ہے۔ مثلاً کوئی گورنمنٹ کے کسی ڈیپارٹمنٹ میں یا مل میں کام کرنے والا آدمی اگرچہ وہ محنت کر کے حلال کی روزی کمار ہا ہوتا ہے لیکن اس کو جو تنخواہ مل رہی ہوتی ہے اس میں سود شامل ہوتا ہے کیونکہ دفتر والوں نے اور مل والوں نے بینکوں کے ساتھ رابطہ رکھا ہوا ہے۔ اسی طرح کئی آدمیوں کی حلال کمائی ہوتی ہے لیکن وہ اپنی رقوم سیونگ اکاؤنٹ میں رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی حلال کمائی میں بھی سود شامل ہو جاتا ہے۔ یاد رکھیں کہ سود کا ایک روپیہ بھی حلال کمائی میں شامل ہو جائے تو وہ مشتبہ مال ہو جاتا ہے۔ اب ایسے مشتبہ مال سے تو کوئی قسمت والا ہی بچا ہوا ہوگا۔ گویا اس زمانے میں یا تو بندہ سود کھا رہا ہے یا پھر اسے سود کی ہوا لگ رہی ہے۔ یوں شر پھیل رہا ہے، ہدایت گھٹ رہی ہے اور ایمان خطرے میں آتا جا رہا ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایسا زمانہ آجائے گا کہ بندہ صبح کو اٹھے گا تو وہ ایمان والا ہوگا اور جب شام کو سونے کے لئے بستر پر جائے گا تو وہ ایمان سے خالی ہوگا۔

جب خیر کا دور تھا اس وقت کے کافروں سے بھی اچھائیاں ہو جاتی تھیں اور اب چونکہ گمراہی کی تجلیات کا دور چل رہا ہے اس لئے آج کے نیک لوگوں سے بھی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر......

......دونوں دوست دیندار ہیں اور ان میں حسد ہے۔

......دونوں استاد ایک ہی مدرسے میں پڑھاتے ہیں۔ دونوں قرآن پڑھانے والے ہیں اور ایک دوسرے سے حسد نہیں جاتا۔

......ایک مہتمم ہے اور ایک استاد ہے مگر آپس میں ٹسل چل رہی ہے۔

......دو پیر بھائی ہیں اور ان کے درمیان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کھٹ پٹ چل رہی ہوتی ہے اور ان کا آپس میں پھڈا چل رہا ہوتا ہے۔
جب آج کل کے نیکوں کا یہ حال ہے تو پھر دوسروں کا کیا کہنا......ایسا کیوں ہے؟......اس لئے کہ صفت مضل والی تجلیات پڑ رہی ہیں اور بندے سے احیاناً ایسا کام ہو جاتا ہے۔

طلاق دینے والے زناکار

اچھا خاصا نیک لڑکا غصے میں آ کر اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے اور پھر معصیت میں پڑ جاتا ہے۔ یہاں تو پھر بھی ایسا بہت کم ہوتا ہے لیکن باہر کے ملکوں میں ہم نے ایک عجیب مصیبت دیکھی کہ ذرا ذرا سی بات پر آپس میں تکرار سے یا تو طلاق دے دیتے ہیں یا پھر طلاق کے ہم معنی کوئی لفظ جسے کنایہ کہتے ہیں اس کے ذریعےبیوی کو طلاق بھی دے دیتے ہیں اور پھر وہ میاں بیوی بھی بن کے رہ رہے ہوتے ہیں۔ شیطان ان سے ایسا کلیدی گناہ کرواتا ہے کہ اب وہ زنا کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔
بعض اوقات شیطان غصے میں کوئی ایسا لفظ کہلوا دیتا ہے جو انسان کے لئے کلماتِ کفر میں سے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر......نقلِ کفر کفر نباشد......ایک آدمی نے کہا، یار! کہاں رہتے ہو؟ دوسرے نے کہا، میں دیوان والی بستی میں رہتا ہوں۔ پہلا آدمی کہتا ہے، اچھا، خدا کے پچھاوڑے، علماء نے لکھا ہے کہ جس نے کہا کہ خدا کے پچھاوڑے، یعنی خدا کی پشت پر رہتے ہو، فَقَدْ كَفَرَ، (پس وہ کافر ہو گیا)۔ ایک تو کفر کی وجہ سے اس کے سابقہ اعمال گئے اور دوسرا اس کی بیوی کو طلاق واقع ہو گئی۔ اب اگر وہ توبہ کر کے پھر مسلمان ہو بھی جائے تو اس سے نکاح کی تجدید تو نہیں ہوتی لہٰذا دونوں کو زنا کا گناہ ہو رہا ہوتا ہے۔ پتہ بھی نہیں ہوتا اور زنا کا گناہ بھی ہو رہا

ہوتا ہے۔

علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر بیوی نے میاں سے بات کرتے ہوئے کہہ دیا کہ آپ بری صحبت چھوڑ دیں اور وقت پر گھر آیا کریں یہ تو شریعت کا حکم ہے اور آگے خاوند نے کہہ دیا، رکھ پرے شریعت کو، تو **فقد کفر** (پس وہ کافر ہو گیا)۔ اب دیکھیں کہ یہ کتنے نازک کلمات ہیں جو وہ بول جاتے ہیں۔

طلاق کے ہم معنیٰ الفاظ سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی خاوند اپنی بیوی سے کہے کہ...... اچھا اچھا، جاؤ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے .... تو اس کنایہ کی وجہ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اب بتائیں کہ کس کو اس مسئلہ کا پتہ ہے اور کون ایسے مسائل پوچھتا ہے۔ باہر کے ملکوں میں تو آپ کو پتہ ہے کہ وہاں مال پیسہ بہت ہے اور ہر ایک میں انانیت ہے۔ بیوی میں بھی انا ہوتی ہے اور خاوند میں بھی انا ہوتی ہے اور جہاں انا کا معاملہ ہو تو، توبہ توبہ، ...... ایک بندے نے ایسی ہی بات کی تو میں نے کہا، او خدا کے بندے! ان الفاظ سے تو تو نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔ اس نے کہا، نہیں جی، اس سے طلاق تھوڑا ہوتی ہے۔ میں نے کہا، کیسے ہوتی ہے؟ کہنے لگا، جیسے نکاح کے لئے گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح طلاق کے لئے بھی گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے ...... وہاں تو طلاق کے بعد میاں بیوی پھر آپس میں اکٹھے رہتے ہیں اور کہتے ہیں، جی ہماری صلح ہو گئی ہے۔ ایک جگہ پر بات کرتے ہوئے ایک عورت نے اپنے میاں کی موجودگی میں بتایا کہ انہوں نے مجھے طلاق دے دی تھی۔ میں نے کہا، پھر کیا بنا؟ وہ کہنے لگی کہ پھر ہماری صلح ہو گئی۔ میں نے کہا، او خدا کی بندی! اب تو اس پر حلال نہیں ہے۔ جو تین طلاقیں دے چکا ہو وہ تو حق سے فارغ ہو چکا ہے۔ وہ کہنے لگی، نہیں جی، آخر میں اس کے بچوں کی ماں ہوں اس لئے مجھے بچوں کی خاطر اس کے پاس رہنا پڑتا ہے۔ اب وہ عورت اسی گھر

میں رہ رہی ہے، اس کے ساتھ اس کے تعلقات بھی ہیں اور کہہ رہی تھی کہ اب ہماری آپس میں صلح ہوگئی ہے۔ گویا اس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں صلح ہو جانے سے پھر نکاح ہو جاتا ہے...... میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی ...... اچھا، اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جن کے دلوں میں پہلے سے خباثت بھری ہوتی ہے وہ پھر مسلمانوں سے بڑا شکوہ کرتے ہیں کہ کوئی حال ہے مسلمانوں کا، ان کو کافر اچھے لگتے ہیں۔

پاکستان کی قدر و قیمت

ہم لوگ نیویارک یا مانچسٹر کی فلائیٹ سے واپس آتے ہیں، جب پی آئی اے والے اتارتے ہیں اور سامان آنے میں ذرا سی دیر لگتی ہے تو لوگ بولنا شروع کر دیتے ہیں کہ اس ملک کا یہ حال ہے اور یہاں کے لوگوں کا یہ حال ہے۔ ایسی باتیں سن کر ہمیں بڑی کوفت ہوتی ہے۔

ایک جگہ میرے ساتھ ہی کھڑے ہوئے دو بندے آپس میں ایسی باتیں کر رہے تھے اور ہمارا دل جل رہا تھا۔ لیکن صبر و ضبط کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک بات کرتے ہوئے مجھے کہنے لگا، مولانا! آپ لکھے پڑھے نظر آتے ہیں آپ بتائیں کہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟ میں نے کہا، تم نے مجھ سے ضرور تصدیق مانگنی تھی۔ تم آپس میں باتیں کر رہے تھے کرتے رہتے ...... پھر میں نے اسے سمجھایا۔ میں نے کہا، دیکھیں آپ یہاں پیدا ہوئے، پلے بڑھے، تعلیم پائی، اس دھرتی کا پانی پیا، یہاں سانس لیا، یہاں کا رزق کھایا، جب تیار ہو گئے تو تمہیں بیرون ملک نوکری مل گئی، کیا اب اس جگہ کا تم پر کوئی حق نہیں، قدر کرو اس جگہ کی۔ پھر میں نے پوچھا کہ اگر کوئی تمہارا پاسپورٹ کاٹ دے اور تمہیں یہ کہے کہ ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے تو پھر تمہیں دنیا میں قبر کی جگہ کہاں ملے گی؟ وہ کہنے لگا، پاکستان میں اور یہ کہتے ہی

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگا، مولانا! آج آپ نے مجھے یہ احساس دلایا ہے۔ میں اس ملک کا احسان کبھی نہیں اتار سکتا۔

بات صرف اتنی سی تھی کہ جی سامان آنے میں دیر ہو رہی ہے۔ میں نے کہا، دیکھو! میں بھی وہاں سے آ رہا ہوں۔ آپ بتائیں کہ جب آپ واپس جاتے ہیں تو آپ کو ائیر پورٹ پر کتنا ٹائم لگتا ہے؟ کہنے لگا، ایک گھنٹہ۔ میں نے کہا، وہاں تو مشینیں تیز چلتی ہیں نا؟ کہنے لگا، جی ہاں۔ میں نے پھر پوچھا، وہاں پر کام ٹیکنیکلی ٹھیک ہوتا ہے نا؟ کہنے لگا، جی ہاں۔ میں نے کہا کہ اس مطلب یہ ہے کہ ساڑھے تین سو بندوں کے سامان کو لادنا، نکالنا، بیلٹوں پر ڈالنا اتنا ٹائم لے جاتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا وہاں بولتے ہو؟ وہ کہنے لگا کہ نہیں بلکہ وہاں اس طرح چپ ہو کے کھڑے ہوتے ہیں کہ سانس کی آواز بھی نہ آئے۔ میں نے کہا، پھر یہاں آ کر کیوں بولتے ہو؟ اس پر وہ خاموش ہو گیا۔ میں نے کہا اس لئے کہ یہاں تمہیں آزادی ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے......

اگر یہ حق بھی انسان کو دیا ہوتا تو کیا ہوتا

میں بات کر رہا تھا کہ جن لوگوں کے دلوں میں خباثت ہوتی ہے ان کو دیندار ویسے ہی برے لگتے ہیں۔ نہ وہ ملک سے خوش ہوتے ہیں اور نہ ہی مسلمانوں سے۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کو علماء اچھے نہیں لگتے۔ نہ وہ علماء کی سیاسی جماعت سے مطمئن ہوتے ہیں، نہ وہ مشائخ سے مطمئن ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ مدارس سے مطمئن ہیں۔ مگر یہ شکر ہے کہ آگے نجات کا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ اگر کسی بندے کے اختیار میں ہوتا تو پتہ نہیں کہ کیا ہوتا۔ بھئی! آج کے دور میں اگر اللہ تعالیٰ اپنے کلمہ گو بندوں کو معاف کر دیتے ہیں اور ان سے خوش ہو جاتے ہیں تو پھر تمہیں دل میں بغض رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ تو یہ بھی کہہ دیتے ہیں

کہ خدا معاف کرتا ہے تو کر دے میں نے معاف نہیں کرنا۔

مقامِ شکر ہے صوفیؔ خدا کے ہاتھ میں ہے روزی
اگر یہ حق بھی انسان کو دیا ہوتا تو کیا ہوتا

دینی کاموں میں رکاوٹیں

حدیث پاک میں آیا ہے کہ قربِ قیامت میں ایسا وقت بھی ہوگا کہ جب دین پر عمل کرنا مشکل ہو جائے گا۔ مگر جو بندہ ہمت اور کوشش کر کے دسویں حصے پر بھی عمل کر لے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پورا عمل کرنے والوں کے ساتھ اس کا حشر فرما دیں گے۔ آج ہم ایسے ہی دور میں زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ دین پر عمل کر کے تو دیکھیں، ہر طرف سے رکاوٹیں سامنے آئیں گی۔

...... ماں رکاوٹ بنے گی۔

...... باپ رکاوٹ بنے گا۔

...... بیوی رکاوٹ بنے گی۔

...... پڑوسی رکاوٹ بنے گا۔

...... بلکہ ہر بندہ رکاوٹ بنے گا۔ الا ماشاءاللہ۔

جب نفس اور شیطان کی رکاوٹوں کے علاوہ اتنی اور بھی رکاوٹیں ہوں گی تو پھر دین پر عمل کرنا کتنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر......

(۱)...... ہماری جماعت کے ایک دوست ہیں۔ ان کی بہن عالمہ تھی۔ اس کا خاوند اس کا حقیقی کزن تھا اور اس نے پسند کی شادی کی تھی۔ اس نے لڑکی سے کہا کہ اگر تم نے میرے ساتھ رہنا ہے تو تمہیں برقعے کے بغیر رہنا ہوگا۔ چونکہ لڑکی عالمہ تھی اور اس کی **Personality** (شخصیت) بہت ہی خوبصورت تھی، اس لئے اس نے دو ٹوک لفظوں میں کہہ دیا کہ جو مرضی ہو جائے میں برقعہ نہیں اتاروں گی۔ بس اس بات

کی وجہ سے اس نے اسے طلاق دے کر انگلینڈ سے پاکستان واپس بھیج دیا۔

(۲)...... انڈیا کی ایک لڑکی عالمہ تھی۔اس کی شادی کینیڈا میں ایک لڑکے کے ساتھ ہو گئی۔اس لڑکی نے مجھے فون پر اطلاع دی کہ جب میں خاوند کے ساتھ وہاں گئی تو اس نے مجھے تیسرے دن کہا کہ تم پردہ اتار دو اور میرے ساتھ ڈانس کلب چلو۔ماں باپ نے شادی تو کر دی مگر وہ مجبور ہے، کرے تو کیا کرے۔

(۳)......ایک نوجوان کو اللہ تعالیٰ نے نوجوانی میں ہی سنت کے مطابق داڑھی رکھنے اور پگڑی باندھنے کی توفیق عطا فرمائی۔لیکن اس کی والدہ ناراض تھی۔وہ ماں باپ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے گیا۔ابھی مکہ مکرمہ پہنچے ہی تھے کہ ایک ہوٹل میں بیٹھ کر بات چیت کرنے لگے کہ جب بیت اللہ شریف پر پہلی نظر ڈالی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ دعائیں قبول کرتے ہیں۔چنانچہ باپ نے کہا کہ میں یہ دعا مانگوں گا، اس نوجوان نے کہا کہ میں یہ دعا مانگوں گا اور جب ماں سے پوچھا تو ماں کہنے لگی کہ میں تو بیت اللہ شریف کو دیکھ کر یہ دعا مانگوں گی کہ میرا بیٹا پگڑی باندھنا چھوڑ دے...... (استغفر اللہ)...... اب بتائیں کہ جس لڑکے نے یہ وضع قطع اپنائی ہو گی اس نے اپنے نفس کے ساتھ کتنا مجاہدہ کیا ہو گا۔وہ اتنا مجاہدہ کر کے دیندار بننے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی ماں اس کے بارے میں اس تمنا کا اظہار کرتی ہے۔

چونکہ اس وقت ضلالت والی تجلیات عروج پر ہیں، اس لئے دین پر عمل کرنے والوں اور دین کا کام کرنے والوں میں بھی کوتاہیاں نظر آتی ہیں۔مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب ہم کوتاہیاں کرنے لگ جائیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کوتاہیوں سے معافی مانگ کر اپنی طرف سے اچھا بننے کی کوشش کریں۔ہمارے لئے فائدہ اسی میں ہے کہ اگر گرتے پڑتے بھی ایمان بچا جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کامل ایمان والوں کے ساتھ ہمارا حشر فرما دیں گے۔رکاوٹیں تو بہت سی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ

نے کام آسان کر دیا ہے۔

کم یابی کے دور میں چیز کی قدر و قیمت

ایک اصول ذہن میں رکھیں کہ جس دور میں کوئی جنس نہ ملتی ہو اس دور میں اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ سیزن میں ہمارے پاس خوبصورت ٹماٹر تھے۔ ان کی شکل دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے جاپانی پھل ہوتے ہیں۔ ذائقے میں اتنے اچھے تھے کہ قریب کی آبادی کے لوگ اپنے مہمانوں کو پھل کھلانے کی بجائے ٹماٹر لے کر کھلاتے تھے۔ ہمیں اس بات کا اندازہ اس طرح ہوا کہ ایک مرتبہ ہمارے بچوں نے کہا، ابو! ہم آپ کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ میں نے کہا، ٹھیک ہے آجاؤ۔ حبیب اللہ اور سیف اللہ دونوں نے وہاں سے کھانا اٹھایا اور یہاں آگئے۔ یہاں دستر خوان لگایا گیا۔ اللہ کی شان کہ اسی وقت کسی نے باہر سے ٹماٹر بھیج دیئے۔ جب ہم نے وہ ٹماٹر کھانے شروع کر دیئے تو کھانا پڑا رہا اور وہ ٹماٹروں سے پیٹ بھر کر چلے گئے۔

شکل اور ذائقے میں تو وہ اتنے اچھے تھے لیکن جب انہیں منڈی میں لے کر جاتے تو ہم سے کوئی دو روپے کلو بھی نہیں خریدتا تھا۔ کئی مرتبہ تو ایک روپے کلو بھی دینے پڑتے تھے۔ اس لئے کہ وہ ایسا وقت تھا کہ جب ٹماٹر عام ہو گئے تھے۔ اس کے بعد دو مہینے پہلے ایک ایسا وقت بھی دیکھا کہ جب ٹماٹر کی فصل نہیں تھی۔ اس وقت ٹماٹر کی قیمت یہاں سو روپیہ فی کلو اور کراچی میں ڈیڑھ سو روپیہ فی کلو تھی۔ جو ایک روپے کلو بھی کوئی نہیں خریدتا تھا، ڈیڑھ روپے کلو بھی کوئی نہیں خریدتا تھا اب وہی ٹماٹر ڈیڑھ سو روپے کلو فروخت ہوئے۔ ہمارے ایک ساتھی وہاں تھے وہ کہنے لگے کہ میں نے چاہا کہ جو ٹماٹر ڈیڑھ سو روپے کلو بک رہے ہیں میں ذرا ان کی شکل تو دیکھوں۔ جب میں نے شکل دیکھی تو یہ وہ ٹماٹر تھے جن کو ہم لوگ سیزن کے اندر گڑھے میں دبا

دیا کرتے تھے۔

بالکل یہی مثال ہے کہ آج کے دور میں وہ خیر والے لوگ دنیا سے چلے گئے۔ اب اس وقت جو ہم جیسا Rejected قسم کا مال ہے اس کو اللہ تعالیٰ ڈیڑھ سو روپے کلو کے حساب سے بھی قبول فرمالیں گے۔ اللہ اکبر۔

بدگمانی سے بچیں

یاد رکھیں کہ جس نے بھی کلمہ پڑھا وہ جتنا بھی غافل ہے آپ اس سے نفرت نہ کریں۔ جب اللہ تعالیٰ نفرت نہیں فرمارہے تو ہمیں بھی نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں،

قل یعبادی .... (اے محبوب!) کہہ دیجئے کہ میرے بندو......

جب اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی بندگی سے نہیں نکالا تو پھر ہم اسے کیوں نکال دیتے ہیں۔ لہٰذا ہر کلمہ گو سے محبت رکھیں، اس کی عزت و احترام کریں۔ ٹھیک ہے کہ وہ اب غافل ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مرنے سے پہلے توبہ کی توفیق عطا فرما دیں۔ اگر توبہ کی درخواست آپ نے قبول کرنی ہے تو پھر تو واقعی خطرہ ہے اور جب پروردگار نے یہ درخواست قبول کرنی ہے تو پھر آپ کو کیا مصیبت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ایمان والوں کے بارے میں حسنِ ظن رکھیں اور ان کی کوتاہیوں سے درگزر کریں۔ خامیاں سب میں ہوتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی میں کم ہوتی ہیں اور کسی میں زیادہ۔ فرشتہ تو کوئی بھی نہیں ہے۔ اتنی باریک چھانی سے کیوں چھانتے ہو۔ انسان کا تو یہ حال ہے کہ اسے دوسروں کے عیبوں کا شک ہو جائے تو ان سے نفرت کرنا شروع کر دیتا ہے اور اسے اپنے عیبوں کا یقین ہوتا ہے لیکن پھر بھی اپنے نفس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ لہٰذا اس دور میں ہم نہ تو مسلمانوں سے بدگمان ہوں اور نہ ہی اسلام اور علماء سے بدگمان ہوں۔ بلکہ حسنِ ظن رکھیں۔ اللہ تعالیٰ اسی حسنِ

ظن کے صدقے بالآخر ایمان پر خاتمہ فرمادیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے بھی بدگمانی......!!!

بعض لوگ تو اللہ تعالیٰ سے بھی بدگمان ہو جاتے ہیں۔ جی ہاں، شکوے کرنے والے خدا سے بھی راضی نہیں ہوتے، انہوں نے بندوں سے کیا راضی ہونا ہے۔ نقل کفر کفر نباشد...... ایک آدمی مجھے کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ میں **Favouritism** بہت ہے۔ میں نے کہا، کیوں؟ وہ کہنے لگا کہ بس وہ داڑھی والوں کی دعا قبول کرتا ہے اور دوسروں کی تو سنتا ہی نہیں...... استغفر اللہ...... اس میں اتنی جرأت اس لئے آئی کہ اس میں شر غالب آچکا تھا۔

اصول یہ ہے کہ ہر بندے میں خیر بھی ہوتی ہے اور شر بھی۔ اگر کسی کی خیر غالب ہو اور شر دبا ہوا ہو تو وہ اچھا بندہ ہے اور اگر کسی میں خیر کم ہے اور اس پر شر غالب ہے اور وہ اللہ کے بندوں کے لئے مصیبت بنا ہوا ہے تو وہ برا بندہ ہے۔ جب یہ بات سمجھ میں آجائے گی تو سب کے بارے میں حسنِ ظن آجائے گا۔

بدظن کرنے کی ناکام کوشش

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا۔ وہ کسی عورت کے ساتھ گناہ میں ملوث ہوگیا۔ جب اس کے بارے میں اس کے کسی مخالف کو پتہ چلا تو وہ کہنے لگا، ٹھیک ہے اب بات ہوئی، میں جا کر حاجی صاحب سے بات کرتا ہوں کہ وہ جو تمہارا چہیتا ہے اس کے یہ کرتوت ہیں۔ چنانچہ وہ حاجی صاحب کے پاس گیا اور کہا، حضرت! وہ جو آپ کے ساتھ بڑی محبت کے دعوے کرتا ہے اس نے تو یہ کبیرہ گناہ کیا ہے۔ حاجی صاحب نے فرمایا، اچھا، لگتا ہے کہ اس وقت اس پر اللہ تعالیٰ کی گمراہ کرنے والی تجلی کا اثر ہوگیا ہوگا۔ جب انہوں نے یہ جواب دیا تو اس آدمی کو کوئی دوسری

بات کرنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔

نویدِ مسرت

بھئی! بات یہ ہے کہ ہم اپنے دل میں اللہ تعالیٰ سے، اللہ کے محبوب ﷺ سے اور اللہ کے دین اسلام سے راضی رہیں۔ اس کو کہتے ہیں کہ

رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا

[میں راضی اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے! اسلام میرا دین ہے اور محمد ﷺ میرے نبی ہیں]

جب ہم اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہوں گے۔ یہ ہمارے لئے نویدِ مسرت ہے۔ لہٰذا ہر بندہ خیر کے راستے پر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا رہے۔ اگر اس نے موت سے پہلے پہلے نیکی والی زندگی کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں گے۔ دنیا والے تو دروازے بند کر دیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے دروازے بند نہیں کئے۔ کوئی کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کسی کے لئے اپنے دروازے بند نہیں کرتے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ہدائت پر استقامت عطا فرمائے اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین ۔

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ کی دیگر کتب

- خطبات فقیر (بارہ جلدیں)
- مجالس فقیر (پانچ جلدیں)
- مکتوبات فقیر
- حیات حبیب (سوانح حیات)
- عشق الٰہی
- عشق رسول ﷺ
- باادب بانصیب
- لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند (سفرنامہ)
- قرآن مجید کے ادبی اسرار و رموز
- نماز کے اسرار و رموز
- رہے سلامت تمہاری نسبت
- موت کی تیاری
- کتنے بڑے حوصلے ہیں پروردگار کے
- پریشانیوں کا حل
- دعائیں قبول نہ ہونے کی وجوہات
- محسنین اسلام
- حیاء اور پاکدامنی

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

- معہد الفقیر الاسلامی ٹوبہ روڈ بائی پاس جھنگ 0471-622832,625454
- معہد الفقیر گلشن بلاک، اقبال ٹاؤن لاہور 042-5426246
- جامعہ دار الہدیٰ، جدید آبادی، بنوں 0928-621966
- دار المطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 0696-42059
- ادارۂ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 7353255
- مکتبہ مجددیہ، اردو بازار لاہور
- مکتبہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ قاسمیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی
- دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ادارہ تالیفات اشرفیہ، اشرفیہ منزل، فوارہ چوک ملتان 061-540513
- مکتبہ امدادیہ نزد خیر المدارس، ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 061-544965
- مکتبہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مدظلہ العالی مین بازار، سرائے نورنگ 09261-350364 PP
- حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیپو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 051-2262956
- جامعۃ الصالحات، محبوب سٹریٹ، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ پشاور روڈ راولپنڈی

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد